تقسیمِ ہندوستان کے موقع پر سکھوں اور
ہندوؤں کے مظالم کی پُرسوز داستان

اخراجِ اسلام
از ہند

مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش

Presented Online By:
اعلیٰحضرت نیٹ ورک
Alahazrat Network
For: www.FazleHaq.com

تقسیم ہندوستان کے موقع پر سکھوں اور
ہندوؤں کے مظالم کی پرسوز داستان

اخراج اسلام از ہند

یہ کتاب ان خونچکاں واقعات کا ایک مرقع ہے جو ہندوستان کے آزاد ہو جانے پر اس دیار کے کلمہ گویان توحید کو پیش آئے اور مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کے کلی اخراج اور ارض ہند میں مسلمانوں کی انتہائی تذلیل پر منتج ہوئے۔ یہ کتاب ایک تاریخی دستاویز ہے جس میں مؤرخانہ ذمہ داریوں کے ساتھ ۱۹۴۷ء کے انقلابات، اُن کے اسباب وعلل اور نتائج وعبر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش

ناشر
اویسی بک سٹال جامع مسجد رضائے مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
پیپلز کالونی گوجرانوالہ 0333-8173630

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	اخراج اسلام از ہند
از قلم	مرتضیٰ احمد خاں میکش
با اہتمام	شیخ محمد سرور اویسی
کمپوزنگ	محمد نوید گوجرانوالہ
تعداد	600
سن اشاعت	25 ستمبر 2010ء
صفحات	416
ہدیہ	250 روپے
پروف ریڈنگ	محمد نعیم اللہ خاں قادری (بی ایس سی۔ بی ایڈ ایم اے اردو)

ملنے کے پتے

جلالیہ صراط مستقیم گجرات / نظامیہ کتاب گھر اُردو بازار لاہور
رضا بک شاپ گجرات / مکتبہ مہریہ رضویہ کالج روڈ ڈسکہ
مکتبہ رضائے مصطفیٰ چوک دارالسلام سرکلر روڈ گوجرانوالہ
مکتبہ الفجر سرائے عالمگیر، مکتبہ فیضانِ مدینہ سرائے عالمگیر
مکتبہ فیضانِ اولیاء کامونکی / مکتبہ فیضانِ مدینہ گھکڑ
مکتبہ فکر اسلامی کھاریاں / کرمانوالہ بُک شاپ اُردو بازار لاہور
صراط مستقیم پبلی کیشنز 5,6 مرکز الاویس دربار مارکیٹ لاہور
سنی پبلکیشنز گوجرانوالہ، اریسی بُک سٹال گجرانوالہ
مکتبہ صراط مستقیم گوجرانوالہ

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ	۷
۲	اہل ہند کی تحریکات آزادی	۱۳
۳	اکھنڈ ہندوستان اور پاکستان	۱۳
۴	ہندو اور مسلمان	۱۳
۵	سیاسی حقوق کی تقسیم کا سوال	۱۳
۶	پاکستان کے تخیل کی تخلیق	۱۴
۷	ہندوؤں کی طرف سے شدید مخالفت	۱۶
۸	برطانوی حکومت کا وعدہ	۱۷
۹	کنزرویٹو پارٹی کی جگہ لیبر پارٹی	۱۸
۱۰	ہندوستان میں انتخابات	۱۸
۱۱	کانگرسی لیڈروں کے اعلانات	۲۰
۱۲	مسلم لیگ کے منتخب نمائندوں کا اجتماع	۲۱
۱۳	برطانوی حکومت کا وزارتی مشن	۲۱
۱۴	وزارتی مشن کی تجاویز کا ردعمل	۲۴
۱۵	دستور ساز اسمبلی کا قیام	۲۶
۱۶	ڈائرکٹ ایکشن کا فیصلہ	۲۷

۱۷	فرقہ وارفسادات	۲۹
۱۸	مرکز میں کانگرسی وزارت	۳۱
۱۹	مسلم لیگ کا یوم عمل	۳۳
۲۰	کلکتہ کا فساد	۳۴
۲۱	آزادی اور بربادی کی طرف سفر	۳۵
۲۲	کانگرس کی عبوری حکومت	۳۵
۲۳	بمبئی میں فساد	۳۷
۲۴	عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت	۳۸
۲۵	نواکھلی (مشرقی بنگال) میں ہڑبونگ	۴۲
۲۶	پنڈت نہرو کا اعلان جنگ	۴۵
۲۷	بہار میں مسلمانوں کا قتل عام	۴۸
۲۸	دیگر مقامات پر فسادات	۵۵
۲۹	مسلمانوں کا صبر جمیل	۵۶
۳۰	لندن کانفرنس	۶۲
۳۱	وائسرائے کی تبدیلی	۶۶
۳۲	ضلع ہزارہ میں فساد	۶۹
۳۳	مسلم لیگ کا ڈائرکٹ ایکشن	۷۰
۳۴	پنجاب کے سکھوں کی پوزیشن	۷۲

۳۵	ماسٹر تارا سنگھ کے جنگ جُویانہ بیانات	۷۸
۳۶	سکھوں کی طرف سے اعلانِ جنگ	۸۱
۳۷	پنجاب میں فسادات	۸۲
۳۸	فسادات کے بل پر سیاسی سوداگری	۸۵
۳۹	آزادی کی طرف پیش قدمی	۸۸
۴۰	صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کا ڈائرکٹ ایکشن	۸۸
۴۱	اکھنڈ ہندوستان اور لنگڑا پاکستان	۸۹
۴۲	ڈبل مارچ	۹۸
۴۳	بربادی کی طرف تیز قدمی	۱۰۱
۴۴	آزادی اور بربادی	۱۱۲
۴۵	آفتابِ آزادی کا طلوع	۱۱۳
۴۶	ہندوستان اور پاکستان کا ظہور	۱۱۳
۴۷	تعجیل کاری کے باعث اہم فروگذاشتیں	۱۱۴
۴۸	حصولِ آزادی کے وقت ملک کی کیفیت	۱۱۶
۴۹	حد بندی کمیشن کا فیصلہ	۱۱۹
۵۰	مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا قتل عام	۱۱۲
۵۱	اواخر اگست کی کیفیت	۱۴۴
۵۲	ستم ظریفی اور زخموں پر نمک پاشی	۱۴۷

۵۳	مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کا اخراج	۱۵۱
۵۴	ہم پر کیا گزری؟	۱۵۵
۵۵	امرتسر اور اس کے دیہات	۱۵۵
۵۶	ضلع گورداسپور کے دیہات	۱۸۴
۵۷	فیروز پور اور اس کے مضافات	۱۹۶
۵۸	جالندھر اور اس کے مضافات	۲۱۲
۵۹	ہوشیار پور کے دیہات و مضافات	۲۵۹
۶۰	کانگڑہ	۲۶۸
۶۱	لدھیانہ اور اس کے مضافات	۲۷۱
۶۲	قسمت انبالہ کے چند مناظر	۲۷۵
۶۳	ریاستوں میں مسلمانوں کی تباہی و بربادی	۲۹۴
۶۴	کپورتھلہ	۲۹۴
۶۵	فریدکوٹ	۲۹۷
۶۶	پٹیالہ	۲۹۸
۶۷	جیند	۳۱۱
۶۸	نابھہ۔ الور اور بھرت پور	۳۱۵
۶۹	جموں و کشمیر	۳۲۳
۷۰	دہلی کی سرگذشت	۳۳۳

۷۱	مہرولی قطب صاحب	۳۵۰
۷۲	نتائج وعبر	۳۸۶
۷۳	نتائج	۳۸۷
۷۴	ایسا کیوں ہوا؟	۳۹۰
۷۵	اگر ہندوستان اکھنڈ رہتا	۳۹۶
۷۶	مسلمان کیوں ذلیل ہیں؟	۴۰۰
۷۷	تتمہ کلام	۴۰۵

* * *

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

۱۹۴۷ء برا عظم ہندوستان کی تاریخ میں اپنے عبرت انگیز اور حیرت خیز واقعات کے اعتبار سے بڑا ہی اہم سال بن چکا ہے۔ اس سال میں ہندوستان کے باشندوں ' ہندوؤں اور مسلمانوں ' کی تحریکاتِ آزادی بارآور ہوئیں۔ برّاعظم کے ایک بڑے حصے ہندوستان کو جہاں ہندو قوم کی غالب اکثریت آباد تھی ' آزادی ملی ' اور ایک حصے میں جہاں مسلم قوم کی اکثریت تھی پاکستان کی آزاد اور خودمختار مملکت قائم کر دی گئی۔

ہندو قوم نے آزادی حاصل کرنے کے ساتھ ہی لگے ہاتھوں مشرقی پنجاب ' دہلی اور ہندوستان کے بعض دیگر اقطاع میں مسلمان اقلیت کو سرے سے محو کر دینے کی شدید مہم شروع کر دی۔ مسلمانوں کے قتل عام سے ان اقطاع کی زمین لالہ زار بن گئی۔ لاکھوں مسلمان تہ تیغ کر دیئے گئے۔ لاکھوں ہندو بنا لئے گئے اور ایک کروڑ مسلمان بے سروسامانی اور تباہ حالی کے عالم میں حشرت مثال کیمپوں کی روح فرسا تکلیفیں اور سفرِ ہجرت کی زہرہ گداز مصیبتیں جھیلتے ہوئے پاکستان کی مملکت میں پناہ ڈھونڈنے پر مجبور ہوئے۔ ایک لاکھ کے قریب مسلمان عورتیں اور بچے چھین کر اپنے اعزا و اقربا سے الگ کر دیئے گئے۔ یہ مہم اس تیزی اور تندی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچائی گئی کہ چار ماہ کے قلیل عرصہ میں مشرقی پنجاب اور شمالی ہند کی ریاستوں میں توحید ربانی کا اقرار کرنے والا اور محمد عربی کا کلمہ پڑھنے والا ایک مسلمان متنفس بھی باقی نہ رہا۔ ہندوستان کے دیگر اقطاع کے مسلمانوں کو اس حال تک پہنچا دیا گیا کہ گویا وہ ڈھوروں (جانوروں) کا ایک گلہ ہیں ' جن کے سروں پر فنا کی تلوار لٹک رہی ہے۔ انہیں ہر لحظہ اس بات کا کھٹکا ہے کہ

اُن پر بھی کسی نہ کسی وقت وہی کچھ بیت سکتی ہے جو مشرقی پنجاب' شمالی ہند کی ریاستوں اور دہلی میں ان کے بھائیوں پر بیت چکی ہے۔

کفرستانِ ہند کی سرزمین پہلے پہل ۷۱۲ء میں اسلام کے پیغام سے شناسا ہوئی۔ اُس سال داہر نامی سندھ کے ہندو راجا نے مسلمان تاجروں کی دو نوجوان لڑکیاں چھین لیں اور مسلمانوں نے جو عرب تھے اس راجا کو تہذیب و انسانیت کا سبق دینے کیلئے سندھ پر چڑھائی کی۔ عربوں نے سندھ کا ملک ہندوؤں کے ہاتھ سے چھین لیا اور تہذیب آموزی کے دائرے کو ملتان اور اس کے مضافات تک وُسعت دے لی۔

اسی صدی میں عرب مسلمانوں کے لشکر زرتشی ایران کی وسیع مملکت سر کر کے کابلستان اور زابلستان کے ہندو بت پرستوں کی طاقت سے نبرد آزما ہوئے اور انہیں شکست دے کر اس مملکت پر قابض ہو گئے جو اب افغانستان کے نام سے موسوم ہے۔

۱۰۰۰ء کے قریب سلطان سبک تگین والی کابل نے پشاور کے قریب پنجاب کے ہندو راجا جے پال کو شکست دی۔ سلطان سبک تگین کے بیٹے سلطان محمود غزنوی نے پنجاب اور ہندوستان پر پے در پے سترہ حملے کئے اور کفر کے لشکروں کو مشرق کی طرف کانگڑے کے کوہستانوں تک اور جنوب کی طرف سومنات (گجرات کاٹھیاواڑ) تک عبرتناک شکستیں دیں۔ سلطان محمود غزنوی نے پنجاب کا خطہ مملکتِ غزنویہ اسلامیہ میں شامل کر لیا۔ پنجاب کے ہندو راجاؤں کا خاندان بھٹنڈا کی چھوٹی سی ریاست پر قناعت کر کے بیٹھ گیا۔

اس کے بعد سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ۱۱۹۳ء میں دہلی و اجمیر کی ہندو مملکت پر چڑھائی کی اور رائے پتھورا پرتھی راج کو جسے ہندوستان کے ڈیڑھ سو راجاؤں کی کمک حاصل تھی' شکست فاش دے کر شمالی ہند کی مملکت کو سَر کر لیا۔ سلطان محمد غوری کا

سپہ سالار بختیار خلجی یلغاریں مارتا ہوا بنگالے کی سرزمین تک جا پہنچا۔ سلطان محمد غوری کی وفات پر اس کے ایک غلام قطب الدین ایبک نے دہلی کو پایہ تخت بنا کر ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ یہ ۱۲۰۰ء کا واقعہ ہے۔

دہلی کے ایک سلطان علاؤالدین خلجی کے سالاروں نے ۱۳۰۸ء سے ۱۳۲۷ء تک کی مدت میں ہندوستان کا سارا ملک فتح کیا۔ اس سلطان کا ایک حبشی جرنیل ملک کافور دکن کے ملک کو تاراج کرتا ہوا ہندوستان کے انتہائی جنوبی نقطہ رامیشورم تک جا پہنچا۔ ملک کافور نے اس مقام پر خدائے واحد کو سجدہ بجالانے والوں کیلئے ایک مسجد تعمیر کرائی۔ اس طرح ہندوستان کا کل برِاعظم اسلام کے پیغام سے شناسا ہوا۔

مسلمانوں نے ۱۷۰۷ء یعنی اورنگ زیب عالمگیر ؒ کی وفات کے سال تک ہندوستان کے سارے برِاعظم پر دھڑلے سے حکومت کی۔ چار پانچ سو سال کی اس طویل مدت میں انہوں نے ہندوؤں کو امان دی، انہیں تہذیب سکھلائی۔ کھانے پینے اور کپڑا پہننے کے آداب سے روشناس کرایا۔ عمارت، باغبانی اور دیگر فنونِ نافعہ کو رائج کیا اور ترقی دی۔ علوم مروجہ اور فنون لطیفہ کی سرپرستی کی، غرض اپنی ہندو رعایا کو ہر لحاظ سے خوشحال اور فارغ البال رکھنے کی کوششیں کرتے رہے۔

اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد دہلی کے مسلمان تاجدار اور امرا عیش و عشرت کا شکار ہو کر فرائضِ حکمرانی کی بجا آوری سے غافل ہونے لگے، اور ہندوؤں کے مختلف گروہ جن میں مرہٹے اور سکھ پیش پیش تھے، شہنشاہانِ دہلی سے باغی ہو کر مملکت کے اقطاع کو تاراج کرنے لگے۔ اٹھارویں صدی اسی ہرج مرج کے عالم میں گزر گئی۔ اُنیسویں صدی میں یورپ کی قومیں پرتگیز، فرانسیسی اور انگریز بھی اس طوائف الملوکی کے حصہ دار بن گئے جو شاہانِ دہلی اور امرائے مملکت کی غفلت کے باعث ہندوستان بھر

میں پھیل چکی تھی۔ مختلف عناصر کی اس کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز ۱۸۵۷ء تک سارے ہندوستان پر قابض ہو کر ملک کے مالک بن بیٹھے۔ دہلی کے مسلمان تاجداروں کے بجائے لندن کی ملکہ وکٹوریا کا سکہ چلنے لگا۔

۱۹۴۷ء میں انگریزوں نے دنیا کے بدلتے ہوئے حالات سے مجبور ہو کر ہندوستان کو دو حصوں پر منقسم کر دیا۔ ایک حصہ میں ہندو اکثریت کا طوطی بولنے لگا اور دوسرے کے انتظام و اہتمام کی ذمہ داری مسلمانوں کے حصہ میں آئی۔ اس کتاب کا موضوع یہی ۱۹۴۷ء کے واقعات ہیں جو برّ اعظم ہند کو دو آزاد مملکتوں ہندوستان اور پاکستان میں منقسم کرنے کا موجب بنے اور اس آزادی کے اوّلیں ثمر کے طور پر ہندوستان سے اسلام کے اخراج و امحا پر منتج ہوئے۔

راقم الحروف بھی ان تیرہ روزگار مسلمانوں میں سے ایک ہے جنہیں واقعات کی رفتار نے مشرقی پنجاب کے قیامت خیز سانحات جھیلنے اور دیکھنے کیلئے مختص کر لیا تھا۔ تین ماہ کے قریب دشمن کے بنائے ہوئے کیمپوں میں مقہور و مغضوب جنگی قیدیوں کی سی زندگی بسر کرنے کے بعد جب میں لاہور پہنچا تو میں نے دیکھا کہ پاکستان کے مسلمان اس تباہی و بربادی کی ہمہ گیری‘ وسعت اور ہولناکی سے پوری طرح شناسا نہیں‘ جو مشرقی پنجاب اور ہندوستان کے بعض دیگر اقطاع کے مسلمانوں پر گزر چکی ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ پاکستان کے مسلمانوں کی اکثریت اس اِتلافِ عظیم کے صحیح احساس سے یکسر معرّا ہے جو ملتِ اسلامیہ کو ابھی ابھی پیش آیا۔ میں نے سوچا کہ جب زخم تازہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کی غفلت کا یہ عالم ہے تو کل یہ ساری دردناک کہانی مسلمانوں کو یکسر فراموش ہو جائے گی۔ چنانچہ میں نے ارادہ کر لیا کہ مسلمانانِ ہند کی تاریخ کے اس ہولناک دَور کی داستان ابھی سے قلم بند کر لی جائے تاکہ آنے والے

ادوار کیلئے سند رہے۔ میں نے اپنے اس خیال کا اظہار قرآن مجید اور علمی و دینی کتب کی نشر و اشاعت کا کام کرنے والی مشہور و معروف کمپنی تاج لمیٹڈ کے منیجر شیخ عنایت اللہ صاحب سے کیا۔ شیخ صاحب موصوف ایک دردِ دل رکھنے والے مسلمان ہیں۔ وہ پہلے ہی سے اس خیال کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دیئے بیٹھے تھے۔ چنانچہ ہر طرف کے صحیح اور سچے واقعات فراہم کرنے کیلئے ملک بھر کے روزانہ اخبارات میں اشتہار دیا گیا۔

مختلف لوگوں نے اپنے اپنے خطے، قصبہ یا شہر کے وہ حالات لکھ بھیجے، جن میں سے وہ گزر کر آئے تھے یا ان کی آنکھوں کے سامنے واقع ہوئے تھے۔ ان موصول شدہ بیانات کی بناء پر جو ضروری حک و اصلاح کے بعد درج کئے جا رہے ہیں۔ یہ کتاب مرتب کی گئی جو قارئین کی نذر ہے۔

اعترافِ امداد:

اس سلسلہ میں مجھے ان تمام دوستوں اور کرم فرماؤں کا دلی شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں مجھے امداد دی۔ مولانا غلام رسول مہر ایڈیٹر روزنامہ "انقلاب" لاہور، ملک نور الٰہی ایڈیٹر روزنامہ "احسان" اور جناب حمید نظامی صاحب ایڈیٹر روزنامہ "نوائے وقت" نے اس داستان کا پس منظر تیار کرنے کیلئے اپنے اپنے اخبارات کے فائل میرے حوالے کر دیئے۔ اور جناب حمید نظامی صاحب نے اس کے علاوہ غیر ملکی اخبارات کے معلومات بھی مرحمت فرمائے جو اس داستان کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈال رہے تھے۔ سیالکوٹ کے ایک کرم فرما دوست جناب حکیم سید محمود گیلانی صاحب نے مختلف مہاجرین سے مل کر حالات معلوم کرنے اور انہیں قلم بند کر کے مجھے بھیجنے کی مرحمت گوارا فرمائی اور بیسیوں اصحاب نے کام کی اہمیت کا احساس

کرتے ہوئے ''آپ بیتیاں'' لکھ بھیجیں جو ''ہم پر کیا گزری'' کے زیرِ عنوان کتاب میں درج کر دی گئی ہیں۔ میں ان تمام احباب و اصحاب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں' ان کی اس امداد و اعانت کے بغیر اس اہم کام سے عہدہ برآ ہونا امرِ محال تھا۔

مجھے افسوس ہے کہ بعض اصحاب کے ارسال کردہ بیانات اس کتاب میں درج نہیں ہو سکے۔ یہ بیانات ایسے وقت موصول ہوئے' جب کتاب کے وہ حصص جن سے یہ متعلق تھے' مرتب ہو کر پریس میں جا چکے تھے۔ ان میں سے ایک بیان جناب قاضی احسان قریشی صاحب ڈی کام (لندن) کا ہے' جس میں امرتسر کی مفصل اور سیر حاصل کیفیات درج کی گئی ہیں۔ دوسرا بیان جناب تصدق علوی پرنسپل اورینٹل کالج دریا گنج دہلی کا ہے۔ تیسرا اہم بیان قاضی ابوسعید صاحب کا ہے جس میں مہرولی شریف قطب صاحب کی تاراجی کا پورا پورا حال قلم بند کیا گیا ہے۔ ایک بیان جناب سید جلیس صاحب ترمذی ''حسینی واعظ'' کا ہے جو چھیارٹی ضلع امرتسر اور اس کے مضافات کی کیفیات کا اظہار کر رہا ہے۔ اور ایک بیان جناب عبدالکریم سہراب کا ہے جو سہارن پور کے متعلق ہے۔ یہ بیانات کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں شامل کر دیے جائیں گے۔ موجودہ ایڈیشن کسی قدر تعجیل کاری میں مرتب کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں یہ کتاب بہتر ترتیب کے ساتھ پیش کی جا سکے گی۔

مرتضیٰ احمد خاں میکش

یکم مارچ ۱۹۴۸ء

اہلِ ہند کی تحریکاتِ آزادی

اکھنڈ ہندوستان اور پاکستان

ہندو اور مسلمان:

عصرِ حاضر میں جمہوری حکمرانی، خودمختاری اور ملکی آزادی کی تحریکیں دُنیا میں جا بجا فروغ حاصل کر رہی تھیں۔ ان تحریکوں سے ہندوستان کے لوگ بھی متاثر ہوئے اور انگریزوں کے اقتدار سے نجات حاصل کرنے کیلئے آئینی جدوجہد کرنے لگے۔ ہندوستان میں دو بڑی قومیں اور متعدد چھوٹی قومیں آباد تھیں۔ دو بڑی قوموں میں سے ہندو بھاری اکثریت میں موجود تھی اور مسلم قوم کی گنتی ہندوؤں کے مقابلہ میں ایک تہائی سے بھی کم تھی۔ مسلمان انگریزوں سے پہلے ہندوستان کے حکمران رہ چکے تھے۔ اس لئے ہندو انہیں مغائرت کی نگاہ سے دیکھنے کے عادی تھی اور ان سے نفرت رکھتے تھے۔ انگریزوں نے اپنی حکمرانی کے صد سالہ دَور میں پہلے ہندوؤں کو اُبھارنے اور مسلمانوں کو پامال کرنے کی حکمتِ عملی اختیار کی، لیکن بعد میں وہ اپنے کو ہندوستان کی اقلیتوں (قلیل تعداد رکھنے والی قوموں) کا سرپرست ظاہر کرنے لگے۔ انگریزی حکومت کی اس پالیسی کے باعث مسلمان جو ہندوستان کے اندر حکمرانی اور فرماں فرمائی کے منصب سے محروم ہو چکے تھے، پوری طرح محو ہونے سے بچ گئے اور تعلیم حاصل کر کے ایک جُداگانہ قوم کی حیثیت سے اپنے سیاسی، اقتصادی، ثقافتی اور معاشرتی حقوق کا تحفظ کرنے لگے۔

سیاسی حقوق کی تقسیم کا سوال:

ہندوستان جمہوری آزادی کی منزلِ مقصود کی طرف آئینی ترقی کرتا ہوا پے در

پے جن مدارج میں سے گزرا اس کے ہر مرحلہ پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان حقوق کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا۔ ہر قدم پر ہندو قوم کی اکثریت نے مسلمانوں کو اُن کا جائز حق دینے کی پُر زور مخالفت کی۔ ہندو قوم کے سیاسیین (Politicians) کی روش ہمیشہ یہ رہی کہ مسلمانوں کے جداگانہ حقوق کو تسلیم نہ کریں بلکہ آئینہ ترقیات کے اثمار کو اپنی اکثریت کے بل پر اپنی قوم ہی کیلئے مختص کرتے چلے جائیں۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ ایک ملک میں بسنے والے تمام لوگ ایک ہی قوم شمار ہونے چاہئیں۔ آئینی ترقیات کا اعطاء حکمران قوم یعنی انگریز کے ہاتھ میں تھا' اس لئے ترقی کے ہر مرحلہ پر مسلمانوں کو ان کے واجبی سے حقوق ملتے رہے' اور برطانوی حکمران اپنے ان مواعید کی پاسداری کرتے رہے جو وہ وقتاً فوقتاً ہندوستان کی اقلیتوں کو ہندو قوم کی غالب اکثریت کے ظلم و تشدد سے بچانے کے متعلق کرتے رہتے تھے۔

پاکستان کے تخیل کی تخلیق:

مجھے اس موقع پر ہندوستان کی آئینی ترقی کے تمام مراحل کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں' صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ سیاسی حقوق کی بانٹ کے سلسلے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی یہ کشمکش بالآخر مسلمانوں میں ایک نیا سیاسی فکر پیدا کرنے پر منتج ہوئی۔ وہ فکر یہ تھا کہ ہندوستان کے آزاد ہو جانے کی صورت میں جب کوئی تیسری با اقتدار طاقت حَکَم بن کر فیصلہ کرنے کیلئے باقی نہ رہے گی تو ہندو اپنی اکثریت کے بل پر مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیں گے۔ اس لئے انہیں چاہیئے کہ ہندوستان کے ایسے اقطاع کو جن میں ان کی آبادی غالب اکثریت میں ہے' الگ کر کے مسلمانوں کا ایک آزاد ملک بنا لیں۔ باقی ماندہ ہندوستان میں ہندو اپنی غالب اکثریت کے باعث اپنی آزاد مملکت قائم کر لیں۔

اس صورت میں دونوں قوموں کو اپنے اپنے فکر و رجحان کے مطابق اپنے اپنے مستقبل کی تعمیر کا موقع مل جائے گا، اور آئے دن کے جھگڑے ہمیشہ کیلئے رخصت ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کے سیاسی مفکرین میں سے بعض نے ۱۹۲۸ء کے آغاز ہی میں ہوا کا رُخ بھانپ کر کہہ دیا تھا کہ ہندوستان کے فرقہ وارانہ مسئلہ کا حل ہندوؤں کیلئے الگ اور مسلمانوں کیلئے الگ قومی وطن بنانے میں ہے، اور ایسا کرنے کیلئے آبادیوں کی قدرتی تقسیم بھی صریح اشارات کر رہی ہے۔ یعنی ہندوستان کے شمال میں مسلمانوں کی غالب اکثریت رکھنے والے صوبوں کا ایک ایسا بلاک بنا بنایا موجود ہے جسے مسلمان ہندوؤں سے الگ ہو جانے کی صورت میں اپنا قومی وطن قرار دے سکتے ہیں۔ اس کے بعد بنگال اور آسام کو چھوڑ کر جو اسی ذیل میں آتے ہیں، باقی سارا ملک ہندوؤں کا قومی وطن بن سکتا ہے۔ انگلستان کی کیمبرج یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے مسلمان طلبہ نے علمی تحقیقات کی روشنی میں اس سیاسی فکر کا جائزہ لینا شروع کیا۔ طلبہ کی اس جماعت کے لیڈر چوہدری رحمت علی لائل پوری نے مسلمانوں کے اس قومی وطن کا نام بھی "پاکستان" تجویز کر دیا۔ اس نام کے متعلق چوہدری رحمت علی کی تصریح یہ تھی کہ پاکستان کا حرف "پ" پنجاب سے "الف" افغانی صوبہ سرحد سے "ک" کشمیر سے "س" سندھ سے اور "تان" بلوچستان سے لیا گیا ہے۔ گویا ہمارے ریسرچ سکالر ایک ایسے ملک کو "پاکستان" کا نام دینا چاہتے تھے جو پنجاب، صوبہ سرحد، کشمیر، سندھ اور بلوچستان پر مشتمل ہو۔

یہ نیا سیاسی فکر آہستہ آہستہ مسلم سیاسیین (سیاستدانوں) کی توجہات کو اپنی جانب جلب کرنے لگا۔ ۱۹۳۱ء میں ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم نے مسلمانوں کی ایک سیاسی جماعت "آل انڈیا مسلم لیگ" کے پلیٹ فارم پر سے صدارتی تقریر کرتے ہوئے اس مفکورہ کو مسلمانانِ ہند کے سامنے رکھا، اور ۱۹۴۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنے

سالانہ اجلاس میں جو (قائداعظم) مسٹر محمد علی جناح کی صدارت میں بمقام لاہور منعقد ہوا تھا، سر سکندر حیات خان مرحوم (وزیراعظم صوبۂ پنجاب) کی تحریک پر اس مفکورہ کو مسلمانانِ ہند کا سیاسی نصب العین قرار دے دیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی اس قرارداد کا متن بصورت ذیل تھا:

> "قرار پایا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس کی جچی تلی رائے یہ ہے کہ اس ملک میں دستور بندی کی کوئی تجویز جو حسب ذیل بنیادی اصول پر وضع نہیں کی جائے گی، کسی صورت میں قابل عمل یا مسلمانوں کیلئے قابل قبول نہیں ہو سکتی۔
>
> اصول یہ ہے کہ جغرافیائی لحاظ سے متصل واقع ہونے والے قطعاتِ ملکی کو الگ الگ حلقے قرار دے کر ان کی حد بندی مناسب در و بست کے ساتھ اس طریق سے کر دی جائے کہ وہ رقبے جن میں مسلمان بہ اعتبار تعداد آبادی کی اکثریت رکھتے ہیں، آزاد ریاستیں قائم کر سکیں۔ مثلاً وہ منطقے جو ہندوستان کے شمال، غرب اور مشرق میں واقع ہیں اس مقصد کیلئے الگ کر دیئے جائیں، اور ان منطقوں کے داخلی اجزا اپنی اپنی جگہ خود مختار اور باسیادت سمجھے جائیں"

ہندوؤں کی طرف سے شدید مخالفت:

ہندو قوم کے سیاسی لیڈروں نے ملک کی آئینی ترقی کے ہر مرحلہ پر مسلمانوں کے سیاسی مطالبات کی پُرزور مخالفت کرنا اپنے طے شدہ وتیرہ بنا رکھا تھا۔ ہندوؤں کی بڑی سیاسی جمعیت "انڈین نیشنل کانگرس" کہلاتی تھی۔ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ ہندوستان

میں بسنے والی تمام قوموں کی نمائندہ جماعت ہے لیکن درحقیقت وہ محض غالب ہندو اکثریت کے سیاسی افکار کی ترجمانی کا حق ادا کرتی تھی۔ بعض فریب خوردہ مسلمان بھی اس جماعت میں شامل ہو جاتے تھے لیکن ان کی حیثیت محض آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ ہندو سیاست باز ان کی موجودگی کو نمائش کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اس انڈین نیشنل کانگرس(Indian National Congress)نے مسلمانوں کے نئے سیاسی نصب العین "پاکستان" کی شدید مخالفت کا معرکہ شروع کر دیا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ برطانوی حکومت کے ارباب حل و عقد ہندوستان کو واحد ملک اور ہندیوں (ہندوستان میں بسنے والی تمام قوموں) کو واحد قوم قرار دے کر انڈین نیشنل کانگرس کو ان کا نمائندہ سمجھیں اور ملک کو آزاد کرتے وقت حکومتی اقتدار کی زمام اس جماعت کے ہاتھ میں دے دیں۔ غرض ہندوستان کی فرقہ وار کشمکش ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی اس صورتِ حال پر منتج ہوئی کہ ۱۹۴۰ء کے بعد ہندو قوم کا طے شدہ سیاسی نصب العین "اکھنڈ ہندوستان" قرار پا گیا۔ جس کی علم بردار "انڈین نیشنل کانگرس" بنی اور ایک چوتھائی آبادی رکھنے والی مسلم قوم نے "پاکستان" کو اپنا طے شدہ سیاسی مطمح نظر قرار دے لیا' جس کی نمائندگی کا بیڑا آل انڈیا مسلم لیگ نے اُٹھایا۔

برطانوی حکومت کا وعدہ:

۱۹۳۹ء میں بیسویں صدی مسیحی کی دوسری عالمگیر جنگ شروع ہو گئی' جس میں برطانیہ کو بھی شامل ہونا پڑا۔ اس جنگ کی وجہ سے ہندوستان کی آئینی ترقی کا مسئلہ کھٹائی میں پڑ گیا لیکن کانگرس اور مسلم لیگ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کی رائے عامہ کو اکھنڈ ہندوستان اور پاکستان کے مورچوں میں صف آراء کرنے کی مہمیں پوری طاقت سے

جاری رکھیں۔ برطانوی حکومت کے مدبروں نے دورانِ جنگ میں اس امر کی ہامی بھری کہ جنگ کے خاتمہ کے ایک سال بعد ۱۹۳۵ء کے آئین کے مطابق ہندوستان میں نئے انتخاب کرائے جائیں گے۔ ان انتخابات میں جو پارٹیاں برسرِ اقتدار آئیں گی انہیں آزادی کے اختیارات سونپ دیئے جائیں گے لیکن شرط یہ ہوگی کہ ہندوستان کے سیاسی لیڈر اپنے ہاں کے فرقہ وار مسائل کا حل باہمی مفاہمت سے خود ہی تجویز کریں۔

کنزرویٹو کی جگہ لیبر پارٹی کا اقتدار:

دوسری عالمگیر جنگ اگست ۱۹۴۵ء میں جا کر اختتام پذیر ہوئی اور ہندوستان کی فضائیں ایک دفعہ پھر حصولِ آزادی کی مانگ کے نعروں سے گونجنے لگیں۔ متذکرہ صدر وعدہ برطانوی حکومت نے کنزرویٹو پارٹی کے مدبروں کی زبان سے کیا تھا جو جنگ کے دوران میں برطانیہ عظمیٰ کے اندر برسرِ اقتدار جماعت تھی۔ جنگ کے بعد برطانیہ عظمیٰ میں جو انتخابات ہوئے ان میں لیبر پارٹی نے پارلیمنٹ میں بھاری اکثریت حاصل کر لی اور حکومتی اقتدار کنزرویٹو پارٹی کے ہاتھوں سے منتقل ہو کر لیبر پارٹی کے ہاتھ میں چلا گیا۔ لیبر پارٹی کے لیڈر عام طور پر اہلِ ہند کے مطالبۂ آزادی کی حمایت کیا کرتے تھے اور انڈین نیشنل کانگرس کے ہندو لیڈروں کے ساتھ بہت میل جول رکھتے تھے۔ انگلستان میں حکومت کی یہ تبدیلی ہندوستان کے کانگرسی لیڈروں کیلئے حوصلہ افزائی کا موجب بن گئی اور وہ ہندوستان کے اکھنڈ رکھنے کے مطالبہ پر پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ جم گئے۔

ہندوستان میں انتخابات:

۱۹۴۶ء کے آغاز میں موعودہ انتخابات کا وقت آیا۔ یہ انتخابات اکھنڈ

ہندوستان اور پاکستان کے ٹکٹوں پر لڑے گئے۔ ہندوؤں میں کانگرس کے مقابلے پر کوئی ایسی سیاسی جماعت نہ تھی جو اکھنڈ ہندوستان کی مخالفت اور مسلمانوں کے ساتھ انہیں پاکستان دینے کی بناء پر مفاہمت کرنے کی حامی ہو۔ مسلمانوں میں متعدد ایسی پارٹیاں موجود تھیں جو انتخابی معرکہ میں پاکستان کی مخالفت بن کر ہندوؤں کے ساتھ دوسری شرائط پر مفاہمت کر لینے کی اپیل لے کر شامل ہوئیں۔ ان میں کانگرسی مسلمان، احرار، پنجاب کے یونینسٹ (Unionist) اور علامہ مشرقی کے خاکسار قابل ذکر ہیں۔ انتخابات کے نتائج نکلے تو ہندو قوم کی رائے عامہ اکھنڈ ہندوستان کے مورچے پر منظم کھڑی نظر آئی یعنی ہندو حلقوں سے کانگرسی پارٹی کے اُمیدوار ۹۰ فیصد کامیاب ہو گئے۔

مسلمانوں کی بھاری اکثریت نے پاکستان کے نصب العین کے حق میں ووٹ دے کر مسلم لیگ کے اُمیدواروں کو کامیاب کرایا۔ اس طرح دونوں قومیں متضاد سیاسی منازل کو اپنا نصب العین قرار دے کر ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہو گئیں۔ ان انتخابات کی بناء پر ہندو اکثریت رکھنے والے صوبوں مثلاً یو پی، بہار، سی پی، بمبئی، مدارس اور اڑیسہ میں ۱۹۳۵ء کے آئین کے مطابق جو صوبوں کو خود مختاری کا حق تفویض کر چکا تھا، کانگرس پارٹی نے وزارتیں قائم کر لیں۔ سندھ اور بنگال میں مسلم لیگ پارٹی کی وزارتیں قائم ہو گئیں۔ نوّے ۹۰ فیصد سے زائد مسلم اکثریت رکھنے والے صوبہ سرحد میں کانگرسی مسلمانوں نے وزارت بنائی۔ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی نے جو مسلمانوں اور ہندوؤں کے حلقوں سے صرف سترہ اُمیدوار کامیاب کرا سکی تھی، پنجاب کے کانگرسی ہندوؤں اور سکھوں نیز اکالی پارٹی کے سکھوں کو ملا کر وزارت بحال کر لی۔ مسلم لیگ اس صوبہ میں بھاری اکثریت کے ساتھ کامیاب ہونے کے باوجود وزارت بنانے سے قاصر رہ گئی۔

آسام میں بھی پنجاب کی سی صورتحال رونما ہوئی، وہاں بھی کانگرس پارٹی وزارت بنانے میں کامیاب ہوگئی۔ یہ وزارتیں اپریل ۱۹۴۶ء کے دوران برسرِ کار آئیں۔

کانگرسی لیڈروں کے اعلانات:

اسی اپریل میں برطانوی حکومت کے وزراء کا ایک وفد ہندوستان آ کر یہاں کے سیاسی لیڈروں سے آزادی کے موضوع پر بات چیت کرنے لگا۔ کانگرس اور مسلم لیگ کے لیڈروں نے اس وفد کو اپنے اپنے زاویۂ نگاہ سے متاثر کرنے کیلئے آستینیں چڑھالیں۔ پنڈت جواہرلال نہرو نے ۳؍اپریل کو ایسوسی ایٹڈ پریس امریکہ اور رائٹر ایجنسی کو بیانات دیتے ہوئے مسلمانوں کے قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کے مطالبۂ پاکستان کی مخالفت کی اور اعلان کر دیا۔

> ”کانگرس چاہتی ہے کہ موجودہ گفتگوؤں کے ذریعہ سے تمام معاملات پُرامن طریق پر طے ہو جائیں لیکن اگر تاخیر ہوئی تو زبردست ہنگامہ برپا ہو جائے گا اور خود کانگرس بھی اس پر قابو نہیں پا سکے گی“

۵؍اپریل کو پنڈت جواہرلال نہرو نے اخبارات کے نام ایک اور بیان جاری کیا جس میں کانگرس کے عزمِ صمیم کا اعلان ذیل کے الفاظ میں کیا گیا۔

> مسلم لیگ کے مطالبۂ پاکستان کو کانگرس کسی صورت میں بھی قبول نہیں کر سکتی اگر برطانوی کابینہ نے اسے منظور بھی کر لیا جب بھی ہم اسے مسترد کر دیں گے ..... دُنیا کی کوئی طاقت حتیٰ کہ یو این او (متحدہ نظامِ اقوام) بھی اس پاکستان کو معرضِ وجود میں نہیں لا سکتی جس کا مطالبہ مسٹر جناح کر رہے ہیں ..... اگر ملک کا کوئی حصہ

> ہمارے خلاف خود کو مسلح کرنا شروع کر دے گا تو ہماری جانب اعلیٰ درجہ کی اسلحہ بندی معرض وجود میں آ جائے گی ..... آئندہ ایٹم بم جنگوں کا فیصلہ کیا جائے گا"۔

مسلم لیگ کے منتخب نمائندوں کا اجتماع:

اِدھر پنڈت جواہر لال نہرو اور دُوسرے ہندو اور سکھ لیڈر ہندوستان کو اکھنڈ رکھنے اور پاکستان کی مخالفت میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے کے عزم کا اعلان کر رہے تھے۔ اُدھر مسلم لیگ نے برطانوی حکومت اور اس کے وزارتی مشن پر دس کروڑ مسلمانانِ ہند کے عزمِ صمیم کا اظہار کرنے کیلئے دہلی میں صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں کے مسلم ارکان کا ایک بھاری اجتماع منعقد کیا۔ اس اجتماع کا اجلاس تین دن یعنی ۸، ۹، ۱۰ اپریل کو جاری رہا۔ مسلم قوم کی رائے عامہ کے نمائندوں نے لگی لپٹی رکھے بغیر اعلان کر دیا کہ اگر برطانوی حکومت اور ہندو کانگرس کی ملی بھگت نے ہندوستان میں عارضی یا مستقل طور پر ہندو راج برپا کرنے کی کوشش کی اور مسلمانوں کو پاکستان نہ دیا تو مسلمان ہر طریقے سے اس کی مزاحمت کریں گے اور اس راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے۔ اس اجتماع نے مسلمانوں کے بعض نمائندوں نے بڑی گرما گرم تقریریں کیں اور اعلان کر دیا کہ اگر برطانوی حکومت نے ملکی اقتدار کی زمام کانگرس کے ہاتھ میں دے کر سارے ہندوستان پر ہندو اکثریت کا راج قائم کرنے کا اقدام کر لیا تو مسلمان جہادِ حریت کیلئے تیار ہو جائیں گے۔

برطانوی حکومت کا وزارتی مشن:

اپریل ۱۹۴۶ء کے دوران میں اور مئی کے آغاز میں برطانوی حکومت کا

وزارتی وفد ہندوستان کے سیاسی لیڈروں سے تبادلۂ خیال کرتا رہا۔ اس وفد کی کوشش سے شملہ میں کانگرسی اور مسلم لیگی لیڈروں کی ایک مشترکہ کانفرنس بھی ہوئی لیکن لیڈر کسی مفاہمت پر نہ پہنچ سکے، نتیجہ یہ ہوا کہ وزارتی مشن نے ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کو اہلِ ہند کے سامنے آزاد ہونے کی ایک تجویز پیش کی جس میں آبادیوں کے اعداد و شمار دے کر بتایا گیا:

> ”ان اعداد سے ظاہر ہے کہ مسلم لیگ کی تجویز کے مطابق پاکستان کی علیحدہ خودمختار ریاست کے قیام سے فرقہ وارانہ اقلیت کا مسئلہ حل نہیں ہوگا، نہ ہی ہمیں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے خودمختار پاکستان میں پنجاب، بنگال اور آسام کے وہ اضلاع شامل کیے جائیں جن کی آبادی زیادہ تر غیر مسلم ہے۔ ہمارے خیال میں ہر وہ دلیل جو پاکستان کے حق میں پیش کی جا سکتی ہے وہ غیر مسلم علاقوں کو پاکستان میں شامل کرنے کے خلاف بھی اُسی طرح پیش کی جا سکتی ہے۔ یہ معاملہ خاص طور پر سکھوں پر اثر انداز ہوتا ہے“۔

وزارتی مشن نے اپنے اس بیان میں تقسیم ملکی کے خلاف اور بھی دلیلیں پیش کیں اور لکھا:

> ”لہٰذا ہم سلطنت برطانیہ کو یہ مشورہ نہیں دے سکتے کہ وہ طاقت جو اس وقت برطانیہ کے ہاتھ میں ہے وہ بالکل علیحدہ خودمختار حکومتوں کے سپرد کر دی جائے“۔

غرض اس قسم کے مفروضات کو بنا قرار دے کر وزارتی مشن نے ہندوستان کو آزاد کرنے کی ایک صورت اپنے دماغ سے نکالی جس کے موٹے موٹے خدوخال یہ تھے

(۱) ہندوستان میں ایک یونین گورنمنٹ قائم کی جائے جس میں دیسی ریاستیں بھی شامل ہوں۔ یہ یونین گورنمنٹ دفاع، رسل و رسائل اور اُمورِ خارجہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھے

(۲) آزاد ملک کا بنیادی آئین بنانے کیلئے ایک دستور ساز اسمبلی قائم کی جائے، جسے قائم ہونے کے بعد تین حصوں میں بانٹ دیا جائے۔ سیکشن ''الف'' مدراس، بمبئی، یوپی، سی پی، بہار، اڑیسہ، دہلی اور اجمیر کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔ سیکشن ''ب'' پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان پر اور سیکشن ''ج'' بنگال اور آسام پر مشتمل ہو۔ یہ سیکشن اپنے اپنے صوبوں کیلئے اپنی اپنی صوابدید کے مطابق آئین بنائیں۔ نیز اس امر کا فیصلہ کریں کہ آیا انہیں کوئی متحدہ آئین بھی بنانا ہے یا نہیں۔ اگر متحد رہنا ہے تو صوبوں اور گروپ کے درمیان اختیارات کی تقسیم کی صورت کیا ہو۔

(۳) جب یہ سیکشن اپنے اپنے گروپ اور اس گروپ کے صوبوں کیلئے آئین بنالیں اور اس آئین کے مطابق صوبوں میں پہلا انتخابی مرحلہ طے ہو جائے تو ہر صوبہ کو اس امر کا اختیار ہو کہ آیا وہ گروپ میں شامل رہنا چاہتا ہے یا نہیں۔

(۴) دستور ساز اسمبلی اپنی مکمل صورت میں یونین گورنمنٹ کا آئین بنائے، جس میں ریاستوں کے نمائندے بھی شامل ہوں۔

(۵) بنیادی قانون میں ایک شرط اس مطلب کی رکھی جائے کہ ہر صوبہ کو ہر دس سال کے بعد دستورِ اساسی پر از سرِ نو غور کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

اس پیچ در پیچ تجویز میں مسلمانوں کے مطالبۂ پاکستان کو صاف اور صریح الفاظ میں مسترد کر دیا گیا لیکن مسلمانوں کی اشک شوئی کیلئے صوبوں کی گروپ بندی کی شق شامل کر دی گئی۔ نیز صوبوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ ہر دس سال کے بعد دستورِ اساسی کی ترمیم کا سوال اُٹھانا چاہیں تو اُٹھا لیا کریں۔ یہ تجویز پیش کرنے کے ساتھ ہی وزارتی مشن نے اس امر کا اعلان کیا کہ ہندوستان میں سرِ دست ایک عارضی عبوری حکومت قائم کر دی جائے گی۔ وزارتی مشن نے اس تجویز کے آخر میں ہندوستان کے لیڈروں سے

اپیل کی کہ وہ اس تجویز کو منظور کر لیں اور ساتھ ہی تنبیہ کر دی کہ:

> ”آپ اس صورت پر بھی غور فرما لیں جو ان تجاویز کو قبول نہ کرنے کی صورت میں رونما ہو کر رہے گی...... ہم صاف طور پر کہہ دینا چاہتے ہیں کہ ہماری رائے میں اس بات کی بہت کم امید ہے کہ ہندوستان کی سیاسی پارٹیاں بطورِ خود کسی مفاہمت کے ذریعے سے کسی پُرامن تصفیہ پر پہنچ سکیں۔ لہٰذا دوسری صورت فقط یہ ہے کہ ملک میں تشدد، بدنظمی بلکہ خانہ جنگی رُونما ہو جائے۔ اس امر کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ ایسی بدامنی کا نتیجہ کس شکل میں برآمد ہو، اور وہ کب تک جاری رہے، لیکن ایک بات یقینی ہے کہ ایسی بدامنی لاکھوں مردوں، عورتوں اور بچوں کیلئے تباہی کا باعث ہو گی۔ یہ ایک ایسی امکانی صورت ہے جسے اہل ہند، ہمارے ہم وطن اور تمام دنیا کے لوگ بحیثیت مجموعی یکساں طور پر نفرت کی نگاہ سے دیکھیں گے“۔

وزارتی مشن کی تجاویز کا ردّ عمل:

وزارتی مشن کی تجاویز شائع ہونے کے بعد بھی کانگرس اور مسلم لیگ کے لیڈر بعض نقاط کی تشریح یا عبوری حکومت کے قیام کے سلسلے میں مشن کے ارکان اور وائسرائے سے ملاقاتیں کرتے رہے۔ جون ۱۹۴۶ء کے آغاز میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس منعقد ہوا، جس نے ایک قرارداد پاس کر کے اعلان کر دیا کہ

> مسلمان کے جذبات کو ان نامناسب الفاظ سے جو وزارتی مشن کے بیان میں موجود ہیں، سخت صدمہ پہنچا ہے لیکن......

> (مشن کی تجویز میں) چھ مسلم صوبوں کو ب اور ج کے لازمی گروپوں میں رکھ کر پاکستان کے بنیادی اصول کو تسلیم کرلیا گیا ہے اور وہ مجوزہ دستور ساز اسمبلی کے ساتھ تعاون کرنے کیلئے آمادہ ہو گئی ہے۔ مسلم لیگ کو توقع ہے کہ اس کا نتیجہ آزاد پاکستان کے قیام کی صورت میں برآمد ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی اس دسیع برِ اعظم کی دونوں بڑی قومیں اور اس کے ساتھ ہی اس کے تمام باشندے آزادی کی منزل تک پہنچ جائیں گے۔ یہ ہیں وہ وجوہ جن کی بناء پر مسلم لیگ اس سکیم کو منظور کر رہی ہے۔ مسلم لیگ دستور ساز اسمبلی میں شامل ہوگی اور علیحدگی کے اختیار کو بحق خود محفوظ رکھے گی"۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل نے یہ قرارداد منظور کر کے اپنی "صلح جوئی" کا ثبوت پیش کر دیا لیکن کانگرسی لیڈر وزارتی مشن اور وائسرائے سے عبوری حکومت کی ہیئت ترکیبی، اس کے اختیارات اور دیگر اُمور کی تشریح کیلئے ملاقاتیں کرتے رہے۔ مسلمانوں کے قائد اعظم نے بھی عبوری حکومت میں مسلم ارکان کا تناسب مقرر کرانے کی غرض سے وائسرائے اور وزارتی مشن کے ارکان سے ملاقاتیں کیں۔ کانگرس نے ابھی سکیم کے متعلق اپنے فیصلے کا اظہار و اعلان نہیں کیا تھا کہ ۱۶ رجون ۱۹۴۶ء کو وائسرائے نے عبوری حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا اور مجوزہ ارکانِ حکومت کے نام دعوت نامے جاری کر دیئے۔ اس حکومت کے چودہ ارکان میں سے صرف پانچ مسلم لیگی لئے گئے حالانکہ مسلم لیگ عبوری حکومت میں کانگرس کے ساتھ مساوات چاہتی تھی اور بارہ ارکان میں سے پانچ کانگرسی، پانچ لیگی اور دو دوسری اقلیتوں سے لینے کے خواب دیکھ رہی تھی۔ بلکہ قائد اعظم وائسرائے ہند لارڈ ویول سے اس بات کا وعدہ لے چکے تھے لیکن وزارتی

مشن کے انگریز مدبروں نے کانگرس کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے پہلے مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کو مسترد کیا۔ اب عبوری حکومت کی تشکیل کے سلسلے میں ان کے واجبی سے مطالبہ مساوات یا کانگرس کو بھی نظر انداز کر دیا۔ اس کے باوجود کانگرس کی ورکنگ کمیٹی نے ۲۵ جون ۱۹۴۶ء کو ایک قرارداد منظور کر کے وائسرائے کو اطلاع دی کہ کانگرس ۱۶ مئی کی سکیم کی ان پیش نہادوں کو قبول کرتی ہے جو دستور سازی سے متعلق ہیں لیکن عبوری حکومت کے قیام کی تجویز سے متفق نہیں۔

اُدھر مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے اس عبوری حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا، جس کا اعلان وائسرائے نے ۱۶ جون کو کیا تھا لیکن ۲۶ جون کو وائسرائے اور وزارتی مشن کی طرف سے اس مضمون کا اعلان کیا گیا کہ بحالت موجودہ عبوری حکومت کی تشکیل ممکن نہیں۔ تاہم اس کے قیام کیلئے کوشش جاری رہے گی اور جب تک عبوری حکومت نہیں بنتی اس وقت تک وائسرائے سرکاری عہدہ داروں کی عارضی حکومت بنا کر کام چلائیں گے۔ اس اعلان سے مسلم لیگ کے لیڈروں کو بہت مایوسی ہوئی، وہ زبانِ حال سے کہہ رہے تھے:

اس نقش پا کے سجدہ نے کیا کیا کِیا ذلیل
مَیں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

دستور ساز اسمبلی کا قیام:

کانگرس نے برطانوی حکومت کے وزارتی مشن کی پیش کردہ تجاویز کا وہ حصہ جو دستور سازی یعنی دستور ساز مجلس (Constituent Assembly کانسٹی چیوانٹ اسمبلی) کے قیام کے متعلق تھا، قبول کر لیا لیکن عبوری حکومت میں شامل ہونے سے اس بناء پر انکار کر دیا کہ وائسرائے ہند عبوری حکومت کو پورا پورا اقتدار سونپنے کیلئے تیار نہ تھا۔

حالانکہ وائسرائے نے اپنے اُن تحریری وعدوں کو جو اس نے مسلم لیگ کے قائداعظم مسٹر محمد علی جناح سے کئے تھے، پس پشت ڈال کر عبوری حکومت میں ہندوؤں کو منہ مانگی نشستیں دینے کیلئے آمادگی کا اظہار کر دیا تھا۔ کانگرسی لیڈر برطانیہ کی لیبر پارٹی کی حکومت کی دبتی ہوئی رگ کو بھانپ چکے تھے، اس لئے بات بات اور نقطہ نقطہ پر جھگڑا کر کے اپنے لئے زیادہ سے زیادہ اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ برطانیہ کی لیبر گورنمنٹ ہر قیمت پر ہندوستان کی ہندو اکثریت کو راضی کرنے کی خواہاں ہے۔ انہوں نے دستور ساز اسمبلی بنانے کی تجویز منظور کر لی لیکن ساتھ ہی ساتھ اعلان کرنے لگے کہ یہ اسمبلی قائم ہونے کے بعد اپنے کام میں پوری طرح آزاد ہوگی۔ اسے حق حاصل ہوگا کہ دستور سازی کے سلسلہ میں وزارتی مشن کی عائد کردہ شرطوں کو مسترد کر دے یا انہیں خاطر میں لائے بغیر اپنا کام جاری رکھے۔ اس کے علاوہ وہ وزارتی مشن کی اسکیم کو بھی اپنے مطلب کے معانی پہنانے لگے اور کہنے لگے کہ دستور ساز اسمبلی کیلئے ضروری نہیں کہ قائم ہونے کے بعد الف، ب، ج کے مجوزّہ گروپوں میں تقسیم ہو یا صوبوں کیلئے لازمی نہیں کہ وہ گروہ بندی میں شامل ہوں۔ مسلم لیگ تو وزارتی مشن کی اسکیم کو اس کی مکمل صورت میں قبول کر چکی تھی اور کانگرس نے اس اسکیم کے دستور سازی والے حصے کو منظور کر لیا تھا۔ ان منظوریوں کی بناء پر وائسرائے نے ہندوستان میں دستور ساز اسمبلی کے ارکان کا انتخاب شروع کرا دیا۔ ماہ جولائی ۱۹۴۶ء کے دوران میں صوبائی اسمبلیوں نے مشن کی تجاویز کے مطابق دستور ساز اسمبلی کیلئے نمائندوں کا انتخاب مکمل کر لیا۔

ڈائرکٹ ایکشن (بلاواسطہ عمل) کا فیصلہ:

مسلم لیگ کے لیڈروں کو عبوری حکومت قائم نہ ہو سکنے کے باعث سخت مایوسی

سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ واقعات کی اس رفتار اور برطانوی حکومت کی ہواؤں کے رُخ نے انہیں مجبور کر دیا کہ اپنی رَوش پر از سرِ نو غور کریں۔ چنانچہ ۲۷ جولائی ۱۹۴۶ء کو بمبئی میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس شروع ہوا۔ کونسل نے تین دن کی بحث و تمحیص کے بعد ایک قرارداد منظور کی؛ جس میں اپنے پہلے فیصلے پر سجدۂ سہو ادا کرنے کے بعد اس امر کا اعلان کر دیا گیا کہ:

> ”برطانوی حکومت کانگرس کو خوش رکھنے کیلئے ان تمام وعدوں اور اقراروں سے منحرف ہوگئی ہے جو اس نے وقتاً فوقتاً مسلمانوں سے کئے تھے۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے اس امر میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا کہ مجوزہ دستور ساز اسمبلی میں مسلمانوں کی شرکت خالی از خطر نہیں۔ اندریں حالات وہ موجودہ قرارداد کی رُو سے اپنی اُس منظوری کو واپس لیتی ہے جو ۶ جون؁ وزارتی مشن کی تجاویز (مجریہ ۱۶ مئی) کے متعلق صادر کی گئی تھی؛ اور جس کی اطلاع مسلم لیگ کے صدر نے اپنے مکتوب مؤرخہ ۶ جون ۱۹۴۶ء کے ذریعے سے وزیرِ ہند کو دے دی تھی“۔

مخفی نہ رہے کہ مسلم لیگ کی قیادت کی عنان بڑے بڑے نوابوں؛ نواب زادوں؛ جاگیرداروں؛ سرمایہ داروں اور دُنیوی جاہ و جلال کے اعتبار سے اُونچے طبقے کے لوگوں کے ہاتھ میں تھی؛ جن میں سے اکثر برطانوی حکومت اور ملک المعظم قیصرِ ہند سے چھوٹے بڑے خطاب حاصل کر چکے تھے۔ اس اجلاس میں اس قسم کے تمام لیڈروں نے اپنے اپنے خطابات اور انگریز کے عطا کردہ اعزازات ترک کر دینے کا اعلان کیا اور فیصلہ ہوا کہ مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ غور و فکر کے بعد مسلمانوں کے لئے ڈائرکٹ ایکشن کا

(بلاواسطہ عمل) کا کوئی پروگرام تیار کرے تا کہ مسلمان قوم استحقاقِ حق کیلئے کسی قسم کی عملی جدوجہد کر سکیں۔ اس اجلاس کے خاتمہ پر مسلم لیگ کے صدر قائداعظم مسٹر محمد علی جناح نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

> ”آج کا کارنامہ ہماری اس تاریخ میں بے حد اہمیت کا مالک ہے۔ مسلم لیگ کی ساری زندگی میں ہم نے آئین پسندی کے سوا اور کوئی طریق کار اختیار نہیں کیا مگر آج ہم مجبور ہو چکے ہیں اور ہمیں اضطراری حالت میں یہ پوزیشن لینی پڑی ہے۔ آج ہم آئینی طریق کار کو الوداعی سلام عرض کر رہے ہیں۔ برطانیہ اور کانگرس دونوں کے ہاتھ میں ایک ایک پستول ہوا کرتا تھا۔ برطانیہ کے ہاتھ میں حکومت اور اسلحہ کا اور کانگرس کے ہاتھ میں عمومی جدوجہد اور عدم تعاون کا۔ آج ہم نے بھی ایک پستول بنا لیا ہے، جسے استعمال کرنے کیلئے ہم تیار ہو چکے ہیں“۔

قرارداد کی منظوری کے بعد کونسل نے مسلم لیگ کی مجلسِ عمل کو ڈائرکٹ ایکشن کا پروگرام مرتب کرنے کا حکم دے دیا۔

فرقہ وار فسادات:

فرقہ وار فساد یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کی باہمی لڑائی ہندوستان کی شہری زندگی میں ایک چلتا ہوا سکہ بن چکا تھا۔ گاؤکشی، قربانی، محرم کے تعزیوں، پیپل کی ٹہنیوں، دسہرہ اور رام لیلا کے جلوسوں اور دیگر مذہبی تقریبوں پر ہندوستان میں کہیں نہ کہیں سر پھٹول کی نوبتیں آتی رہتی تھیں۔ بعض دفعہ بعض مقامات پر اس نوعیت کے

فسادات شدید صورتیں بھی اختیار کر لیتے تھے' جن ایام میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان سیاسی حقوق کی بانٹ کے جھگڑے تیز ہوا کرتے تھے' ان دنوں میں فسادات کی لہریں بھی شدت کے ساتھ اُٹھنے لگتی تھیں۔

۱۹۴۶ء کے آغاز میں ملک بھر میں انتخابی مہمیں اکھنڈ ہندوستان اور پاکستان کے نکتوں پر لڑی گئیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے یہ سیاسی نصب العین ایک دوسرے کی ضد تھے۔ اس لئے پریس (اخبارات) میں اور پلیٹ فارم (جلسوں کی تقریر بازی) پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان لفظی بحث کی لڑائی شدت اختیار کرنے لگی۔ عوام کے طبائع پر ان بحثوں کا ردِّعمل حسب معمول فسادات کی صورت میں رُونما ہونے لگا۔ اپریل ۱۹۴۶ء کے آغاز میں جابجا فساد کی آگ کی چنگاریاں بھڑکنے لگیں۔ گوالیار میں قرآن کریم کو نذرِ آتش کر دیا گیا' مسجد گرادی گئی' چار مسلمان ہندوؤں کے ہاتھوں مارے گئے۔ اکیس (۲۱) مجروح ہوئے' جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے۔ سہارن پور اور احمد آباد میں بھی معمولی پیانہ پر فساد کی آگ بھڑکی۔ ۲۹ راپریل کو دو مسلمانوں پر قاتلانہ حملے ہوئے۔ یہ واقعات بہت معمولی حیثیت کے تھے لیکن آہستہ آہستہ ان کی کیفیت وکمیت میں ترقی ہونے لگی۔ ۲۱ مئی کو دہلی میں رام لیلا گراؤنڈ میں فساد رُونما ہوا اور یہ بات ظاہر ہوئی کہ ہندوؤں کی ایک جماعت راشٹریہ سیوک سنگھ کے نام سے مرتب ہو رہی ہے جو تیز دھار رکھنے والے آلات استعمال کرنے کی مشق کر رہی ہے۔ اس جماعت کے ممبروں نے دہلی' بریلی' الٰہ آباد اور بعض دوسرے مقامات پر چھرا گھونپ کر مسلمانوں کو ہلاک کرنے کی وارداتیں شروع کر دیں۔ آغاز جون میں بمبئی میں معمولی فساد کی آگ بھڑکی اور بہار شریف ضلع پٹنہ کے ایک گاؤں آردھانا میں ہندوؤں نے مسلمانوں کی برات پر حملہ کر کے سات مسلمان شہید کر دیئے۔ جولائی کے

آغاز میں احمد آباد گجرات میں شدید نوعیت کے فسادات شروع ہوئے جو اواخر جولائی بلکہ اس سے بعد تک جاری رہے۔ اگست کے آغاز میں فسادات کی رفتار اگرچہ تیز تر نظر آ رہی تھی تاہم ہر جگہ کے مقامی حکام انہیں روکنے کی تدابیر اختیار کر رہے تھے۔ مخفی نہ رہے کہ اپریل ۱۹۴۶ء سے ہندوستان کے اکثر صوبوں میں کانگرس پارٹی کی وزارتیں قائم ہو چکی تھیں اور فسادات کے واقعات زیادہ تر اُن صوبوں میں رُونما ہو رہے تھے جہاں پر کانگرس پارٹی برسرِ اقتدار تھی۔

مرکز میں کانگرسی وزارت:

انگلستان کی لیبر گورنمنٹ اپنے وزارتی مشن کی تجاویز کو کامیاب دیکھنے اور دکھانے کی آرزو مند تھی' اور دل سے چاہتی تھی کہ انڈین نیشنل کانگرس کسی نہ کسی صورت پر رضا مند ہو کر ہندوستان کا حکومتی کاروبار سنبھالے اور مستقبل کیلئے اپنے ملک کا دستورِ اساسی مرتب کرنے لگے۔ اس لئے وائسرائے نے ۳راگست کو عبوری حکومت کے قیام کی ایک اور شکل ملک کے سامنے رکھی اور اعلان کیا کہ اس عبوری حکومت میں کانگرس کے چھ اور مسلم لیگ کے پانچ نمائندے لئے جائیں گے۔ ایک اینگلو انڈین نمائندہ ان پر مستزاد ہوگا۔ مسلم لیگ تو ۲۹ جولائی کے اجلاس میں عبوری حکومت اور دستور ساز اسمبلی دونوں سے الگ رہنے کا فیصلہ کر ہی چکی تھی۔ کانگری لیڈروں نے موقع کو غنیمت جان کر ۱۰راگست کو کانگرس کی ورکنگ کمیٹی سے یہ اعلان کرا دیا کہ کانگرس وزارتی مشن کے ۱۶رمئی والے بیان کو مکمل طور پر مانتی ہے۔ وہ صرف بعض مبہم فقروں کی تشریح اپنے طور پر کر رہی ہے۔ اس کی رائے یہ ہے کہ اس بیان کی رو سے صوبوں کو مجوزہ گروپوں میں شامل ہونے یا نہ ہونے کا اختیار حاصل ہے۔ ۱۲راگست کو سکھوں کے پنتھک بورڈ نے جو پہلے

ڈانواں ڈول سے نظر آ رہے تھے، دستور ساز اسمبلی اور عبوری حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ ۱۵راگست کو پنڈت جواہر لال نہرو نے عبوری حکومت قائم کرنے کے سلسلہ میں مسلم لیگ کے قائداعظم مسٹر محمد علی جناح سے ملاقات کی اور کہا کہ وہ عبوری حکومت کی پانچ نشستوں پر رضامند ہو جائیں اور ان میں سے ایک نشست کانگرسی مسلمان کو دے دیں۔ قائداعظم اس بات پر راضی نہ ہوئے۔ ۲۴راگست ۱۹۴۶ء کو وائسرائے نے غیر متوقع طور پر عبوری حکومت کے قیام کا اعلان کر کے سارا اقتدار کانگرس پارٹی کو تفویض کر دیا۔ اس حکومت کے ارکان چودہ قرار پائے، جن میں سے تو خالص کانگرسی رکھے گئے۔ دو ایسے مسلمان لینے کا فیصلہ کیا گیا جو کانگرس اور مسلم لیگ میں سے کسی سے متعلق نہ ہوں۔ ایک سکھ، ایک عیسائی اور ایک پارسی رُکن مقرر ہوا۔ یہ تقرر وائسرائے نے پنڈت جواہر لال نہرو کے مشورہ سے کئے تھے۔ گویا ہندوستان کے مرکز میں پنڈت نہرو کی خالص کانگرسی وزارت قائم کر دی گئی اور برطانیہ کی لیبر گورنمنٹ کے ارکان نے مسلم لیگ کے وجود تک کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لیں جو مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت تھی اور جس کی نمائندگی پر ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کی غالب اکثریت انتخابات کے موقع پر مہر تصدیق ثبت کر چکی تھی۔ اس موقع پر یہ نکتہ ذکر و غور کے قابل ہے کہ جب کانگرس نے عبوری حکومت میں شامل ہونے سے انکار کیا تھا تو برطانوی حکومت نے مرکزی اقتدار کی زمام مسلم لیگ کے ہاتھ میں نہیں دی تھی لیکن جب مسلم لیگ انکاری ہوئی تو فوراً نہرو وزارت قائم کر دی گئی۔

ع۔ ..... بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

وائسرائے نے اس عبوری حکومت کے قیام کے اعلان کے ساتھ ہی مسلم لیگ کی اشک شوئی کیلئے یہ بھی کہہ دیا کہ مسلم لیگ کو چاہیئے کہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرے۔ اگر وہ

عبوری حکومت میں شامل ہونے پر رضامند ہو جائے تو وزارت کی موجودہ شکل کو بدل کر مسلم لیگ کے نمائندوں کو پانچ نشستیں دینے کا انتظام کر دیا جائے گا اور نظم و نسق کے اہم صیغے کانگرس اور مسلم لیگ میں برابر تقسیم کیے جائیں گے۔

وائسرائے کے اس اعلان نے ہندو کانگرس کو اور بھی یقین دلا دیا کہ برطانوی حکومت ہر قیمت پر اُسے رضامند کرنا چاہتی ہے اور مسلم لیگ کو خاطر میں نہیں لاتی۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی عبوری حکومت کو نصب کرنے کیلئے ۲ ستمبر ۱۹۴۶ء کی تاریخ مقرر ہو گئی۔

مسلم لیگ کا یوم عمل:

مسلم لیگ کے لیڈر ایک دفعہ لغزش کھا کر سنبھل چکے تھے اور مسلم لیگ کی مجلس عاملہ ۲۹ جولائی کو فیصلہ کر چکی تھی کہ مسلمانوں کو اپنا حق لینے کیلئے کسی نہ کسی نوعیت کی جدوجہد کرنی پڑے گی۔ اگست کے آغاز میں جب وائسرائے عبوری حکومت کے قیام کیلئے داعی و ساعی ہوا تو مسلم لیگ کے لیڈر ''یوم عمل'' منانے کی تدابیر سوچ رہے تھے۔ مسلمانوں کے اکابر برطانوی حکومت کی وعدہ شکنیوں پر ناراضی کا اظہار کرنے کیلئے سرکار انگریزی کے دیئے ہوئے خطابات و اعزازات ترک کرنے کا اعلان کر رہے تھے۔ ۱۶ راگست کا دن ''یوم عمل'' منانے کیلئے مخصوص کیا گیا اور مسلم لیگ کی مرکزی اور صوبائی مجالس عمل نے اعلانات جاری کیے کہ مسلمان اس روز جلسے منعقد کر کے عوام کو سیاسیات ہند کی رفتار سے آگاہ کریں۔ اپنے کاروبار بند رکھیں، مکانوں اور دُکانوں پر مسلم لیگ کی جھنڈیاں لگائیں اور اپنے بازوؤں پر مسلم لیگ کا نشان باندھیں۔ ۱۴ر اگست کو قائداعظم مسٹر محمد علی جناح نے ایک اعلان میں عامۃ المسلمین سے اپیل کی کہ وہ ۱۶ راگست کا ''یوم عمل'' پورے انضباط سے منائیں۔ مسلم لیگ کی ہدایات پر چلیں اور اپنے دشمنوں کے ہاتھ میں کھیلنے سے محترز رہیں۔ مسلمانوں نے ۱۶ راگست کو ملک بھر میں

جا بجا اپنے لیڈروں کے حسب ہدایات "یومِ عمل" منایا اور ہر جگہ پُرامن رہ کر جلسے منعقد کیئے جلوس نکالے مکانوں اور دکانوں پر جھنڈیاں لہرائیں۔ یہ دن سارے ہندوستان میں امن سے گزر گیا لیکن کلکتہ میں ۱۶؍ اگست کی صبح کا ظہور بہت منحوس ثابت ہوا۔ اس روز وہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فساد کی آگ بھڑک اُٹھی۔

کلکتہ کا فساد:

کلکتہ ایک ایسا شہر تھا جس میں ستر فیصدی سے زائد ہندو آباد تھے۔ مسلمانوں نے "یومِ عمل" منانے کیلیے جلوس مرتب کیئے تا کہ اکٹھے ہو کر جلسہ گاہوں کی طرف جائیں۔ ہندوؤں نے جو فساد انگیزی پر اندر ہی اندر کمربستہ ہو چکے تھے، مسلمانوں کے جلوسوں پر جا بجا خشت باری شروع کر کے شہر کے خرمنِ امن کو آگ لگا دی۔ ۱۶؍ اگست کو کلکتہ میں فساد کی آگ بڑے زور سے بھڑکی اور آن کی آن میں وسیع پیانہ پر پھیل گئی۔ پولیس اور فوج کی پیش بندیاں عاجز آتی نظر آنے لگیں۔ ۱۹؍ اگست تک حالات بہت ہی خراب ہو گیے۔ ہلاک اور زخمی ہونے والوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ بارہ سو سے زائد مقامات پر آگ لگی۔ متعدد جگہوں پر لوٹ مار کی وارداتیں رُونما ہوئیں۔ لوگ کلکتہ سے بھاگنے لگے۔ ابتدائی ایام کے فسادات میں مسلمانوں کا جانی اور مالی نقصان بہت زیادہ ہوا۔ کلکتہ کے بازار اور گلی کوچے مسلمانوں پر تنگ ہو گیے۔ ہندو غنڈے مسلمانوں کو چُن چُن کر قتل کرتے رہے۔ ان فسادات میں سکھوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سکھوں کی ٹولیاں ننگی کرپانوں کے ساتھ گشت کرتی اور مسلمانوں کو ہلاکت کا پیغام دیتی تھیں۔ ۲۷؍ اگست کو حالات کسی قدر رُو بہ اصلاح نظر آنے لگے۔ اس وقت تک سرکاری حساب کے مطابق ۳۸۴۷ جانیں ان فسادات کی نذر ہو چکی تھیں اور ۴۴۲۱ زخمی ہسپتالوں میں داخل کیئے جا چکے تھے:

ہندوؤں نے اس نبرد آزمائی کیلئے کلکتہ کے شہر کو اس لئے منتخب کیا تھا کہ وہاں ان کی بھاری اکثریت تھی۔ ان کا خیال تھا کہ فسادات برپا کر کے وہ بنگال کی مسلم لیگی وزارت کو بدنام و رُسوا کر سکیں گے۔ اس کے ساتھ ہی ہندوؤں کو یہ حوصلہ تھا کہ مرکز میں کانگرس کی عبوری حکومت قائم ہونے والی ہے۔ اس لئے انہیں چاہیئے کہ بنگال کی مسلم لیگی وزارت کو نا اہل ثابت کر کے اس کا تختہ اُلٹ دیں۔ ان فسادات کے دوران میں ہندو لیڈروں نے جو بیانات جاری کئے' ان سب کا مرکزی نقطہ یہی تھا کہ فسادات کی ذمہ داری وہاں کی مسلم لیگی وزارت پر عائد کریں۔ ۲۱ راگست کو کانگرس کی ورکنگ کمیٹی نے فسادات کلکتہ پر جو قرارداد منظور کی اس میں بھی بنگال کی وزارت کو فسادات کیلئے ذمہ دار ٹھہرایا گیا اور ہندو غنڈوں کی کارگزاری پر پردہ ڈالنے کیلئے حسب ذیل فقرہ لکھا گیا:

> ''مسلمان غنڈوں نے یہ تمام فساد شروع کیا اور امن پسند اور شریف ہندوؤں نے فقط جوابی کارروائی کی۔ انہوں نے جو کچھ بھی کیا اپنی حفاظت کیلئے کیا' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ہلاک ہوگئی''۔

اسی ماہ اگست کے آخری ہفتہ میں دہلی' پٹنہ' ڈھاکہ اور چاٹگام میں فسادات کی معمولی لہریں اُٹھیں جنہیں مقامی حکام کی تدابیر نے روک دیا۔

آزادی اور بربادی کی طرف سفر

کانگرس کی عبوری حکومت:

۲ ستمبر ۱۹۴۶ء کو پنڈت جواہر لال نہرو اور ان کے رفقا نے ملک معظم کا حلف وفاداری اُٹھا کر مرکز ہند میں عبوری حکومت کا کاروبار سنبھال لیا۔ مسلم لیگ کو یکسر نظر

انداز کر کے ملکی نظم ونسق کی عنان کانگرسی لیڈروں کے ہاتھ میں سونپ دینا برطانیہ کی لیبر گورنمنٹ اور ہندوستان کے ہندو لیڈروں کی ملی بھگت کا ایک نہایت ہی شرمناک مظاہرہ تھا۔ لیبر پارٹی کے ارباب اقتدار نے برطانوی حکومت کے ان تمام وعدوں کو بالائے طاق رکھ دیا جو اس نے اپنے صد سالہ دورِ حکمرانوی میں ہندوستان کی اقلیتوں کے تحفظ کے متعلق بارہا کئے تھے۔ لیبر گورنمنٹ نے ہندوستان کی مرکزی حکومت کے اختیارات کانگرس پارٹی کو تفویض کرتے وقت اس بات کو یکسر فراموش کر دیا کہ دس کروڑ میں سے آٹھ نو کروڑ مسلمانانِ ہند اپنے اس عزم صمیم کا اعلان کر چکے ہیں کہ وہ ہندو کانگرس کے مطیع ومنقاد بن کر نہیں رہیں گے۔ برطانیہ کی لیبر گورنمنٹ کے اس اقدام کا صاف اور صریح مطلب یہ تھا کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو لڑا کر تماشا دیکھنے کی خواہاں ہے یا وہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر ان کی ابدی اور کلی تباہی کے خواب دیکھ رہی ہے۔ ہندو لیڈر برطانوی حکومت کی اس پشت پناہی پر بدمست ہو رہے تھے۔ ۳ ستمبر کو ہندوؤں کے بے تاج بادشاہ مسٹر گاندھی نے جو ''مہاتما'' کہلاتا تھا' شام کی پرارتھنا کے دوران میں صاف کہہ دیا:

> ''مسلم لیگ نے اعلان کیا ہے کہ وہ انگریز اور کانگرس دونوں کے خلافِ بلاواسطہ عمل کی مہم جاری کرے گی' لیکن وہ ایک ہی وقت میں دونوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ایک ہی وقت میں دو کشتیوں پر سوار ہونا ناممکنات سے ہے''۔

اُدھر مسلم لیگ نے کانگرسی حکومت کے نصب ہونے کے دن کو مسلمانوں کیلئے یوم ماتم قرار دے رکھا تھا اور آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری نوابزادہ لیاقت علی خاں نے اس مضمون کی ہدایات جاری کر دی تھیں کہ مسلمان ۲ ستمبر کو اپنے گھروں' مکانوں' دکانوں'

اداروں، سکولوں اور کالجوں پر سیاہ جھنڈے لہرائیں، تا کہ وہ کانگرسی حکومت کے قیام کے خلاف اپنی دلی منافرت کا مظاہرہ کر سکیں۔ نیز مسجدوں میں جا کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں کہ وہ ہمیں اس جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کی جرأت وطاقت عطا فرمائے تا کہ وہ اس بے انصافی کو اور اس کوشش کو جوان کے گلوں میں ہمیشہ کیلئے غلامی کا طوق پہنانے کیلئے کی گئی ناکام بنا سکیں"۔

مسلمانوں نے ہندوستان کے طول وعرض میں ہر جگہ متذکرہ صدر ہدایت کے مطابق مظاہرے کئے اور ماتمی جلوس نکالے۔

بمبئی میں فساد:

۱۶؍اگست کے "یوم عمل" کے موقع پر ہندوؤں نے کلکتہ میں فسادات کی مہم شروع کی تھی۔ ۲؍ستمبر کے "یوم ماتم" پر انہوں نے بمبئی میں ہڑبونگ مچا کر مسلمانوں کے خلاف اپنی دلی کدورتوں کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ مرکز میں کانگرسی حکومت کے قیام کے باعث ہندو عوام الناس کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے۔ اس کے علاوہ بمبئی کے صوبہ میں بھی کانگرسی حکومت براجمان تھی۔ کلکتہ کی طرح بمبئی بھی ایک ایسا شہر تھا، جس میں ہندوؤں کی بھاری اکثریت آباد تھی اور مسلمان تعداد میں کم تھے۔ اس لئے ہندوؤں نے مسلمانوں کو نیچا دکھانے کیلئے کلکتہ کے بعد بمبئی کو منتخب کیا اور وہاں فسادات شروع کر دیئے۔ چھرا گھونپنے، آگ لگانے اور اینٹیں برسانے کی وارداتیں عام ہو گئیں۔ ۴؍ستمبر کو فسادات خطرناک صورت اختیار کر گئے۔ سینکڑوں اشخاص ہلاک اور مجروح ہوئے۔ مسجدوں اور مندروں کو آگ لگا دی گئی اور بازاروں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی ٹولیاں ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہو کر داد شجاعت دینے لگیں۔ پولیس گولیاں چلا چلا

کر اپنا کام کرنے لگی۔ اسی روز بعض ہندوؤں نے ٹیکسی میں بیٹھ کر مسلمان مزدوروں پر اندھا دھند گولیاں برسائیں۔ فسادات کا یہ سلسلہ بمبئی میں کچھ ایسا چلا کہ اس کے بعد مہینوں جاری رہا۔ کبھی چند دن کیلئے یہ فساد ہلکا ہو جاتا تھا اور پھر چند دن کیلئے بیش از بیش شدت اختیار کر لیتا تھا۔ ۱۳؍ اگست کو کلکتہ میں از سر نو فساد شروع ہو گیا اور اس نے بھی بمبئی کی طرح عمل جاری کی صورت اختیار کر لی۔ ۱۷؍ ستمبر کو احمد آباد میں آتشِ فساد کے شعلے پھر مشتعل ہونے لگے اور ۱۹؍ ستمبر کو ڈھاکہ اور اس کے نواحی دیہات کا امن مختل نظر آنے لگا۔

عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت:

ماہ ستمبر ۱۹۴۶ء میں بمبئی، کلکتہ، ڈھاکہ اور احمد آباد میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان چھرا گھونپنے اور قتل و غارت کرنے کی جو وارداتیں شروع ہوئیں وہ ایک عمل جاری کی صورت اختیار کرتی چلی گئیں۔ فسادات کی لہریں ہندوستان کے شہروں میں پہلے بھی اُٹھا کرتی تھیں لیکن پولیس اور حکام انہیں ہر جگہ دو تین دن کے اندر اندر دبانے اور روکنے میں کامیاب ہو جایا کرتے تھے۔ اگست اور ستمبر ۱۹۴۶ء کے فسادات اس لحاظ سے پہلے ہنگاموں سے بہت مختلف نظر آنے لگے کیونکہ ان کا سلسلہ کچھ ایسا جاری ہوا کہ ختم ہونے کا نام نہ لیتا تھا۔ اِدھر یہ فسادات رُو بہ ترقی تھے، اُدھر ہندوستان کے لیڈر سیاست کے میدان میں تدبیر کے گھوڑے دَوڑا رہے تھے۔ ۲ دسمبر کے یوم مظاہرہ کے دو دن بعد مسلم لیگ کے قائداعظم مسٹر محمد علی جناح نے ایسوسی ایٹڈ پریس (Associated Press) کے نمائندہ کو ایک طویل بیان دیا، جس کے دوران میں آپ نے فرمایا:

> ”عارضی حکومت اور دستور ساز اسمبلی میں مسلمانوں کے شامل ہونے کا کوئی امکان نہیں کیونکہ اس شمول کا واضح طور پر یہ مطلب ہوگا کہ ہم بہت بری طرح گر کر ہتھیار ڈال رہے ہیں اور اپنی اہانت قبول کر رہے ہیں“۔

مسلم لیگ برطانیہ عظمیٰ کی لیبر گورنمنٹ اور ہندوستان کی ہندو کانگرس کے ناپاک اتحاد کا چیلنج قبول کر چکی تھی اور مسلمان ان دونوں کی سازش کا جو مسلمانوں کے مستقبل کو تباہ کرنے اور انہیں ہندوؤں کے سامنے ذلیل کرانے کیلئے کی گئی تھی' پورا پورا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو رہے تھے۔ مسلمان لیڈروں کا معتد بہ طبقہ اس خیال خام میں مبتلا تھا کہ سیاسی مسائل محض لچھے دار تقریروں اور بلند بانگ دعووں سے حل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں سے ۱۶؍اگست کو یوم عمل منانے کیلئے کہا' اور ۲ ستمبر کو ہندو راج کے خلاف مظاہرے کرائے۔ مسلمان لیڈر دیر سے ''بلاواسطہ عمل'' کی رٹ لگا رہے تھے لیکن اس وقت تک نہ انہیں اس بات کا علم تھا کہ یہ ''بلاواسطہ عمل'' کیا ہوگا' اور نہ بھولے بھالے مسلم عوام کو خیال تھا کہ مسلم لیگ کے زعمائے کرام اُن سے کس قسم کی قربانیوں کے طلبگار رہوں گے۔ ان کے مقابلے میں ہندوؤں نے کلکتہ میں ۱۶؍اگست ۱۹۴۶ء سے اور بمبئی میں ۲ ستمبر ۱۹۴۶ء سے مسلمانوں کے خلاف ''بلاواسطہ عمل'' کی مہم فسادات کی شکل میں شروع کر دی۔ اب کہ صاف نظر آنے لگا کہ نہ تو برطانیہ کی حکومت نے مسلمانوں کی کوئی پروا کی ہے اور نہ ہندو کانگرس انہیں خاطر میں لاتی ہے۔ مسلم لیگ کے لیڈروں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ سیاسی جدّوجہد کا کوئی پروگرام مرتب کریں چنانچہ مہینوں ڈائرکٹ ایکشن کا چرچا کرنے کے بعد مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۴۶ء کو اس مضمون کا اعلان کیا گیا کہ ''آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عمل نے مسلمانوں کیلئے بلاواسطہ عمل کا پروگرام تیار کر لیا ہے جو عدم تشدّد اور عدم تعاون پر مبنی ہوگا''۔

مسٹر گاندھی اپنی قوم کو اس نوعیت کے پروگرام کی عملی مشق ۱۹۱۹ء سے کرا رہے تھے۔ مسلم لیگ نے ۱۹۴۷ء میں جا کر ہندو راج کے مقابلے کیلئے یہی راہ اختیار کی اور اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ ہندو قوم عدم تشدّد اور عدم تعاون کو خیرباد کہہ کر اپنے سیاسی

مقاصد کے حصول کیلئے تشدد اور جنگ کی راہ اختیار کر چکی ہے، جس کا عملی ثبوت وہ ۱۹۴۲ء کی عام شورش اور مسٹر سبھاش چندر بوس کی نیشنل آرمی کی سرگرمیوں کی صورت میں دنیا بھر کے سامنے پیش کر چکی ہے اور اب کلکتہ اور بمبئی کی سڑکوں اور بازاروں کو مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بنانے کی شکل میں کر رہی ہے۔

وائسرائے اور کانگرسی لیڈروں کی طرف سے مسلم لیگ کی پری کو شیشہ میں اُتارنے کیلئے کوششیں جاری رہیں۔ ستمبر ۱۹۴۶ء کے آخری ہفتہ میں مسٹر جناح نے وائسرائے سے متعدد ملاقاتیں کیں اور متحیر و متعجب مسلم عوام نے یہ سن لیا کہ ان ملاقاتوں کا موضوع سخن یہ ہے کہ مسلم لیگ عارضی حکومت میں شامل ہو تو کن شرائط پر ہو۔ اپنی پانچ نشستوں میں سے ایک دو نشستیں کانگرسی مسلمانوں کو دے یا نہ دے اور مرکزی نظم و نسق کے کون کون سے صیغوں پر اپنے نمائندے مقرر کرائے۔

اکتوبر کے آغاز میں ریاست بھوپال کے حکمران ہز ہائینس نواب حمید اللہ خان نے کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان مفاہمت کرانے کی غرض سے مسٹر گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو اور مسٹر محمد علی جناح سے متعدد ملاقاتیں کیں۔ نواب حمید اللہ خان، مسٹر گاندھی سے اس امر کا تحریری سرٹیفکیٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ مسلمان ایک جداگانہ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور مسلم لیگ ان کی نمائندہ سیاسی جماعت ہے۔ مسٹر گاندھی نے یہ تحریر تو لکھ دی لیکن اپنے کانگرسی چیلوں کی لعنت ملامت پر جلد ہی سجدۂ سہو ادا کر کے اعلان کر دیا کہ ایسا لکھنے میں میں بہت بڑی غلطی کا مرتکب ہوا ہوں۔

الغرض عبوری حکومت میں شامل ہونے کے متعلق کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان کوئی بات طے نہ ہو سکی لیکن مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے ویسرائے کی ۳ر اگست والی دعوت کی بناء پر جسے وہ مسترد کر چکی تھی، عبوری حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا،

اور آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح نے مجلس عاملہ کے اس فیصلہ کی اطلاع ویسرائے کو دے دی۔ ۱۵/اکتوبر ۱۹۴۶ء کو نئی دہلی سے سرکاری اعلان جاری ہوا کہ

”مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ کرلیا ہے اور ہر میجسٹی ملک معظم نے ازراہ مسرت مندرجہ ذیل حضرات کو عبوری حکومت کا ممبر مقرر فرمایا ہے۔

مسٹر لیاقت علی خاں‘ مسٹر آئی‘ آئی چندریگر‘ مسٹر عبدالرب نشتر‘ مسٹر غضنفر علی خان‘ مسٹر جوگندر ناتھ منڈل

کابینہ میں اصلاح کے کام کو ممکن بنانے کیلئے مندرجہ ذیل ارکان نے اپنے استعفیٰ داخل کردیئے ہیں۔ مسٹر سرت چندر بوس‘ سر شفاعت احمد خان‘ سید علی ظہیر

موجودہ کابینہ کے مندرجہ ذیل ارکان اپنے مناصب پر بدستور فائز رہیں گے۔

پنڈت جواہر لال نہرو‘ مسٹر ولبھ بھائی پٹیل‘ ڈاکٹر راجندر پرشاد‘ مسٹر آصف علی‘ مسٹر سی راجگوپال اچاریہ‘ ڈاکٹر جان متھائی‘ سردار بلدیو سنگھ‘ مسٹر جگ جیون رام‘ مسٹر کو ورجی ہرمزجی“

۱۵/اکتوبر کو یہ اعلان ہوا۔ پنڈت جواہر لال نہرو ان دنوں صوبہ سرحد اور آزاد قبائلی علاقہ (یاغستان) کے دورے پر گئے ہوئے تھے۔ ان کی واپسی پر صیغوں اور محکموں کی تقسیم کے متعلق بات چیت شروع ہوئی اور ۲۶/اکتوبر کو وائسرائے کے قصر سے اعلان جاری ہوا کہ مسلم لیگ کے نمائندوں کو خزانہ‘ ڈاک‘ تجارت‘ انتظام مجالس وضع قوانین اور حفظان صحت کے صیغے سونپے گئے ہیں‘ اور مسلم لیگ کے نمائندہ حضرات ان صیغوں کے حصول پر رضامند ہو گئے ہیں۔

مخفی نہ رہے کہ مسلم لیگ صیغوں کی تقسیم کے سلسلے میں شروع ہی سے دو باتوں پر زور دے رہی تھی‘ ایک یہ کہ وہ مسلمانوں کی پانچ نشستوں میں سے ایک نشست کانگرس

ہیں جو کلکتہ کے ہندو مسلمانوں پر ڈھا رہے ہیں۔ ان فسادیوں نے فینی اور چاند پور کی تحصیلوں کی ہندو آبادی کو بہت خوف زدہ کر دیا۔ کچھ قتل کی وارداتیں بھی وقوع پذیر ہوئیں اور بعض مقامات پر گھروں اور مکانوں کو بھی نذر آتش کر دیا گیا۔ ان واقعات سے اس ضلع کے ہندوؤں میں بہت ہراس پھیل گیا اور وہ گھر بار چھوڑ کر چاند پور شہر، کومیلا شہر کلکتہ اور دیگر مقامات کی طرف بھاگ کر پناہ ڈھونڈنے لگے۔ ۱۰ر اکتوبر سے ۲۰ر اکتوبر تک نواکھلی کے فساد زدہ رقبہ میں سخت ہڑبونگ رہی۔ ۲۱ر اکتوبر کو قیام امن کے لئے فوج کے دو بٹالین اس رقبہ میں بھیجے گئے اور ایک بریگیڈ ہیڈ کوارٹر وہاں قائم کر دیا گیا۔ بدامنی اور ہڑبونگ کافی وسیع پیمانہ پر جاری رہی لیکن نقصانِ جان کا صحیح اندازہ پانچ سو کے لگ بھگ کیا گیا۔ پندرہ بیس ہزار پناہ گزیں تتر بتر ہو رہے تھے۔ بنگال کی صوبائی مسلم لیگ نے ایک قرارداد میں ان بلوؤں کی سخت مذمت کی۔ بنگال کے وزیر اعظم مسٹر حسین سہروردی نے سرکاری اعلان میں فسادیوں کی مذمت کی اور عوام الناس کو قیام امن کا یقین دلایا۔ بنگال کی حکومت نے امن قائم کرنے کیلئے فوری انتظامات کئے۔ ۲۵ر اکتوبر کو قائداعظم مسٹر محمد علی جناح نے ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا:

> ”فساداتِ نواکھلی کے متعلق میں قابلِ اعتماد اطلاعات حاصل کرنے کا آرزومند تھا۔ اب مجھے یہ معلوم کر کے سکون ہوا ہے کہ ان خبروں کی کوئی اصلیت نہیں، جنہیں حد سے زیادہ بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے، اور جو سخت نتائج کی حامل ہیں، اور جن کو خبر رساں ایجنسیوں نے رنگ آمیزی کے ساتھ خوب چمکا دیا ہے۔ تاہم میں ان فسادات کو اور ان وحشیانہ طریقوں کو جو جانی نقصان اور مالی تباہی پر منتج ہوئے ہیں، مذموم قرار دیتا ہوں۔ میں پوری دردمندی سے ہندوؤں

مسلمان کو نہیں دے گی' دوسرے یہ کہ نظم ونسق کے اہم صیغوں میں برابر کی حصہ دار ہوگی۔ لیکن مسلم لیگ کے لیڈروں نے عہدے قبول کرتے وقت یہ دونوں مطالبات نظر انداز کر دیئے۔ کانگرس نے عبوری حکومت میں مسٹر آصف علی کو قائم و برقرار رکھا اور مسلم لیگ نے پانچویں نشست کانگرسی مسلمان کو دینے کی بجائے ادی جاتی (اچھوت قوم) کے ایک فرد مسٹر جے این منڈل کو عطا کر دی۔ جن صیغوں کا چارج لیا وہ سب کے سب غیر اہم تھے۔ کانگرس نے دفاع' صنعت و حرفت اور سپلائی' تعلیم' اُمور خارجہ' امور داخلہ و نشریات' خوراک و زراعت' ریلویز اور ٹرانسپورٹ اور تعمیرات و معاون کے اہم اور کلیدی صیغے اپنے ہاتھ میں رکھے۔

نواکھلی (مشرقی بنگال) میں ہڑبونگ۔

کلکتہ اور بمبئی میں خنجر زنی اور چھرا بازی کی وارداتوں کا جو لامتناہی سلسلہ علی الترتیب ۱۶ راگست ۱۹۴۶ء اور ۲ ستمبر ۱۹۴۶ء سے شروع ہوا تھا' ماہ اکتوبر کے دوران میں بھی برابر جاری رہا۔ ڈھاکہ کا شہر بھی کچھ عرصہ سے بدامنی کی آماجگاہ بن رہا تھا' اور اُدھر احمد آباد گجرات میں بھی فرقہ وار فساد کی لہریں اُٹھ رہی تھیں۔ آغازِ اکتوبر میں ہز ہائی نس نواب حمید اللہ خان والئ بھوپال' کانگرس اور مسلم لیگ کے درمیان مفاہمت کرانے کیلئے تگ و دو کر رہے تھے کہ ۱۰ را اکتوبر کو مشرقی بنگال کے ضلع نواکھلی میں فرقہ وار فساد نے عام بلوے کی صورت اختیار کر لی۔ یہ ایک ایسا ضلع تھا جس میں ہندوؤں کی بہ نسبت مسلمان زیادہ تعداد میں آباد تھے۔ اس ضلع کی دو تحصیلوں فینی اور چاند پور میں مسلمان بلوائیوں کے منظم گروہ آناً فاناً نمودار ہوئے' جنہوں نے ہندوؤں کے دیہات پر حملے کر کے لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ یہ مسلمان بلوائی دعویٰ کر رہے تھے کہ ہم ان مظالم کا بدلا لے رہے

شکار ہو چکے ہیں' اور وہ دوسرے مقامات پر ہولناک تر کیفیات پیدا کر کے دوسری جگہ کے بے گناہ مسلمانوں سے بدلا لے لیں۔ ۲۳، ۲۴، ۲۵ر اکتوبر کو نئی دہلی میں کانگرس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی گئی' جس میں مشرقی بنگال کے فسادات کی ذمہ داری یہ کہہ کر مسلم لیگ پر ڈالی گئی کہ وحشت کا یہ طوفان خانہ جنگی اور نفرت کی اس سیاست سے پیدا ہوا' جس پر مسلم لیگ گذشتہ کئی برس سے عمل پیرا ہے۔ نیز اس کا سرچشمہ وہ دھمکیاں ہیں جو مہینوں سے روزانہ دی جاتی ہیں''۔

اس قرارداد کے ساتھ ہی یہ خبر بھی نشر کی گئی کہ کانگرس کی ورکنگ کمیٹی محض احتجاج کو کافی نہیں سمجھتی' وہ اس سلسلہ میں مزید کارروائی کرے گی۔

پنڈت نہرو کا اعلانِ جنگ:

کلکتہ' بمبئی' ڈھاکہ' احمد آباد کے شہروں اور نواکھلی کی تحصیلوں میں قتل اور غارت گری کی یہ وارداتیں ہو رہی تھیں۔ مسلم لیگ عبوری حکومت میں شامل ہونے کیلئے اپنی رضامندی کا اعلان کر چکی تھی کہ پنڈت جواہر لال نہرو ۱۶ر اکتوبر کو شمال مغربی سرحد کے قبائلی علاقہ کا دورہ کرنے کیلئے روانہ ہو گئے۔ یہ علاقہ افغانستان اور ہندوستان کے طے شدہ سرحدی خط اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کے منظم اضلاع کی حدود کے درمیانی سلسلہ کوہستانِ سلیمان کی پہاڑیوں میں واقع ہے جو جنگ پیشہ پٹھان قبائل کا وطن ہے۔ یہ پٹھان قبائل صدیوں سے آزاد چلے آ رہے ہیں۔ انہوں نے کبھی ہندوستان یا افغانستان کے کسی حکمران کی اطاعت قبول نہیں کی۔ جب ہندوستان اور افغانستان پر دہلی کے مغل بادشاہ حکمرانی کر رہے تھے تو اس دور میں بھی یہ قبائل مغلوں کی حکومت کے خلاف برسر پیکار رہتے تھے' اور جب سے ہندوستان پر انگریزوں نے حکمرانی کا سکہ چلایا' یہ قبائل ان

> ‘مسلمانوں اور دیگر جماعتوں سے اپیل کرتا ہوں کہ اس بدمستی اور خونریزی کو ختم کردو۔ یہ صورت ہندو اور مسلمان ایسی دو عظیم قوموں کے نام پر جو روشن تاریخ اور شاندار ماضی رکھتی ہیں بدنما دھبا ہے‘‘۔

انڈین نیشنل کانگرس اور ہندو مہاسبھا کے لیڈروں نے ان واقعات پر بہت اشتعال انگیز بیانات شائع کرائے۔ کانگرس کے نئے صدر مسٹر اچاریہ کرپلانی نے نواکھلی کا دورہ کرنے کے بعد سخت غیر ذمہ دارانہ بیان جاری کیا۔ پنڈت مدن موہن مالوی نے مرنے سے ایک دن پہلے بہت ہی اشتعال انگیز بیان دیا‘ جس میں ہندوؤں کو منظم اور طاقتور ہو کر نواکھلی کا بدلہ لینے کیلئے اُبھارا گیا تھا۔ ہندو لیڈروں‘ ہندو اخباروں اور ہندوؤں کی خبر رساں ایجنسیوں نے ملک بھر میں اس مضمون کی داستانیں پھیلائیں کہ مسلمان ہندوؤں کو خوفزدہ کر کے انہیں جبراً مسلمان بنا رہے ہیں۔ اُن کی عورتوں کو اپنے گھروں میں ڈال رہے ہیں یا اُن سے زبردستی بدسلوکی کا برتاؤ کر رہے ہیں۔ اس قسم کے پروپیگنڈا نے جو نتائج وعواقب سے بے پرواہ ہو کر کیا گیا ہندو عوام کو بہت متاثر کیا‘ اور اس پروپیگنڈا کو مزید تقویت دینے کیلئے بیسویں صدی میں کے ’’سیاسی مہاتما‘‘ مسٹر گاندھی نے اعلان کر دیا کہ وہ نواکھلی جا کر ہندوؤں کو ازسرِ نو آباد کرانے کیلئے جدوجہد کریں گے‘ اور جب تک ہندو وہاں امن چین سے آباد نہیں ہو جاتے‘ وہاں سے ٹلنے کا نام نہیں لیں گے۔ نواکھلی کے حالات اتنے خراب نہ تھے کہ مسٹر گاندھی کو اپنا ’’مہاتمائی‘‘ اثر ان کیلئے وقف کرنے کی ضرورت پیش آتی‘ لیکن بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ مسٹر گاندھی کا نواکھلی جانا ایک سازش کے ماتحت تھا۔ ہندو لیڈر کسی دوسری جگہ انتقامی ہنگامے برپا کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ مسٹر گاندھی کو نواکھلی بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ دنیا کی نگاہیں اُس کے ’’مہاتمایانہ‘‘ کرتبوں پر لگی رہیں‘ اور عام لوگ یہ سمجھتے رہیں کہ نواکھلی کے ہندو بہت بڑی تباہی کا

سے بھی لڑ بھڑ کر اپنی آزادی کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہوتے رہے۔ بین الاقوامی معاہدات کے رُو سے یہ خطہ ہندوستان کا جزو سمجھا جاتا تھا۔ ہندوستان کے انگریز حکمرانوں نے ان قبائل کو اپنے زیر اثر رکھنے کیلئے یا ان کے ساتھ صلح وصفائی کے تعلقات قائم کرنے کیلئے ایک پولیٹیکل محکمہ قائم کر رکھا تھا، جس کے حکّام ان قبائل کو بلطایف الحیل جنگ وجدال سے باز رکھنے کیلئے کوشاں رہتے تھے۔

شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں کانگرسی مسلمانوں کی وزارت برسرِ اقتدار تھی، جس کے وزیر اعظم ڈاکٹر خان صاحب تھے اور اس صوبہ کی کانگرس پارٹی کے لیڈر ڈاکٹر خان صاحب کے بھائی خان عبدالغفار خاں تھے، جو اپنے لئے "سرحدی گاندھی" کہلانا موجب فخر خیال کر رہے تھے۔ ان خان بھائیوں نے پنڈت جواہر لال نہرو سے کہا کہ آزاد قبائلی علاقہ کے لوگ بھی ہمارے زیر اثر ہیں۔ آپ ان میں دورہ کیجئے، یہ لوگ ہندوستان میں کانگرسی حکومت قائم کرنے میں آپ کے ممد ومعاون بن جائیں گے۔

پنڈت نہرو دہلی سے طیارے پر سوار ہو کر پشاور پہنچے، جہاں مسلم لیگ کے رضاکاروں اور عام مسلمانوں نے ان کے خلاف سیاہ جھنڈیوں کا مظاہرہ کیا۔ ۱۷ر اکتوبر کو جمرود کے مقام پر درۂ خیبر کے شنواری اور افریدی قبائل کا ایک جرگہ مانکی شریف کے حضرت پیر صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس جرگہ نے اعلان کر دیا کہ "قبائلی پٹھان پنڈت نہرو کو مسلمانوں کا دشمن سمجھتے ہیں۔ لہٰذا انہیں چاہیئے کہ قبائلی علاقہ میں دورہ کرنے کا خیال ترک کر دیں۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا اور کوئی ہنگامہ ہو گیا تو اس کیلئے ویسرائے ہند، گورنر صوبہ سرحد اور ہندوؤں کے وہ پٹھو جنہوں نے اسے بلایا ہے، ذمہ دار ہوں گے"۔ اس انتباہ کے باوجود پنڈت جواہر لال نہرو جو ہندوستان کی کانگرسی حکومت کے رئیس بن چکے تھے، ۱۸ر اکتوبر کو برطانوی افواج کی سنگینوں کی چھاؤں میں رزمک

پہنچے۔ رزمک میں انہوں نے قبائلی ملکوں کے ایک جرگہ سے بات چیت کی جو اسی مقصد کیلئے بلایا گیا تھا۔ اس جرگہ نے اپنے آزاد رہنے کے اعلان کے ساتھ ہی ہندوستان کی سیاست کے متعلق پنڈت نہرو کو کھری کھری سنائیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم آزاد ہیں' آزاد رہیں گے' تم کون ہو جو ہمیں سرکارِ ہند کا غلام بنانے کے ارادے سے یہاں آئے ہو۔ ہم مسٹر جناح کے سوا اور کسی سے بات چیت نہیں کریں گے۔

پنڈت نہرو رزمک سے میراں شاہ کی چھاؤنی میں گئے' وہاں بھی وزیری قبائل کے مَلکوں کا ایک اجتماع جمع ہو رہا تھا۔ معمولی بات چیت کے بعد یہ مَلک غصہ سے بھرے ہوئے باہر نکل گئے۔ پنڈت نہرو میراں شاہ سے وانا۔ وانا سے ٹانک اور ٹانک سے جنڈولہ پہنچے۔ ہر جگہ قبائلی نمائندوں نے انہیں کھری کھری سنائیں۔ جنڈولہ سے پشاور آئے۔ ۲۰ر اکتوبر کو پنڈت نہرو خان برادران کی معیت میں ملاکنڈ گئے۔ وہاں سے واپس آ رہے تھے کہ راستے میں قبائلی لوگوں کے ایک ہجوم نے ان کی کار پر پتھر برسائے۔ پنڈت نہرو اور خان برادران۔ ان کو چوٹیں لگیں۔ ۲۱ر اکتوبر کو پنڈت نہرو نے درۂ خیبر کی سیر کی۔ وہاں سے لوٹ رہے تھے کہ قبائل نے بندوقوں سے فائر کئے اور پتھر مارے۔

قبائلی پٹھانوں کے ان مظاہروں کے متعلق پیر صاحب مانکی شریف نے ایک بیان جاری کیا اور کہا کہ "پٹھانوں کو محض مظاہرہ کر کے یہ جتانا مقصود تھا کہ خان برادران نے پنڈت نہرو کو دھوکا دیا ہے۔ ہندوستان کی سیاسی کشمکش میں قبائلی پٹھانوں کی ہمدردیاں مسلم لیگ کے ساتھ ہیں' کانگرس کے ساتھ نہیں۔ ان مظاہروں سے پنڈت صاحب کی ذات کو کوئی گزند پہنچانا مقصود نہ تھا۔ اگر اُن کو چوٹ لگ گئی تو یہ اتفاقی بات تھی"۔ ظاہر ہے کہ اگر قبائلی پٹھان پنڈت نہرو کو قتل کرنے کے خواہش مند ہوتے تو

ساری برطانوی طاقت اور ہندو جاتی کی ساری جمعیت انہیں بچا نہیں سکتی تھی۔[1]

پنڈت نہرو نے ملاکنڈ سے واپس آتے ہوئے سردار یاب ضلع پشاور کے مقام پر خان عبدالغفار خان کے جمع کئے ہوئے پٹھانوں کے ایک جلسہ میں تقریر کی، جس کے دوران میں انہوں نے اپنے غیظ و غضب کا اظہار ذیل کے الفاظ میں کیا:

"میں قبائلی علاقہ میں گیا، میں پھر بھی وہاں جاؤں گا۔ ہم جو ہر قسم کے خوف و خطر کو بالائے طاق رکھ کر دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کے خلاف معرکہ آراء ہوئے غنڈوں، بدمعاشوں اور کلوخ اندازوں سے مرعوب نہیں ہو سکتے — میں ان دونوں کے تلخ تجربہ کو کبھی فراموش نہیں کروں گا — ہم نے انتظامات کا کام اُن لوگوں کے سپرد کر رکھا تھا جن کی ڈیوٹی انتظام کرنا ہے، لیکن یہ کس قسم کے انتظامات کئے گئے۔ بعض گروہ اور بعض جماعتیں اپنی کارگزاری کی بنیاد باہمی منافرت اور بدامنی پر رکھ رہی ہیں، میں انہیں متنبہ کرتا ہوں کہ جو لوگ لڑائی کا راستہ دکھا رہے ہیں وہ لڑائی میں مبتلا کئے جائیں گے۔

پنڈت جواہر لال نہرو قبائلی پٹھانوں اور ہندوستان کے مسلمانوں کو جنگ کا یہ اعلان دے کر واپس دہلی پہنچ گئے اور ۲۳ را کتوبر کو کانگرس کی مجلس عاملہ کے اس جلسہ میں شامل ہوئے جہاں کانگرسی لیڈروں نے مسلمانوں کو نیچا دکھانے کیلئے ایک بہت بڑی سازش تیار کی۔

بہار میں مسلمانوں کا قتل عام:

اِس سازش کو بروئے کار لانے کیلئے بہار کی سرزمین منتخب کی گئی، جس میں

---

[1] انگریزی حکومت کو بارہا اس نوعیت کے تجربے ہو چکے تھے کہ قبائلی پٹھان جس شخص کو اپنا دشمن قرار دے کر اس کی جان لینے کے درپے ہو جاتے تھے وہ زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ (مؤلف)

صرف ۱۴ فیصدی مسلم آبادی جا بجا بکھری ہوئی تھی۔ ذمہ دار کانگرسی لیڈروں نے نواکھلی کے واقعات کو مبالغہ آمیز پیرایوں میں بیان کر کے اور ہندو پریس (اخبارات) نے ان واقعات پر غیر ذمہ دارانہ طریق سے حاشیہ آرائی کر کے مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے جذباتِ منافرت کو سارے ہندوستان میں بھڑکانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی۔ بہار میں ۲۵ر اکتوبر کو ہندوؤں نے "نواکھلی کا دن" منایا اور شہروں، قصبوں اور گاؤں میں جلسے منعقد کر کے سخت اشتعال انگیز تقریریں کیں۔ ۲۶ر اکتوبر کو چھپرا میں فساد کی آگ بھڑکی جسے مقامی حکام نے دبا لیا۔ بہار کا کانگرسی وزیر اعظم مسٹر سنہا اگلے دن چھپرا گیا اور اس نے ہندوؤں کے اجتماعِ عام میں تقریر کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ "لوگوں کو فساد سے باز رہنا چاہیئے اور حکومت کا حکم ماننا چاہیئے کیونکہ یہ حکومت جو ان کی اپنی حکومت ہے فسادیوں کو پہلی بدیشی سرکار کی طرح بندوق کی گولیوں کا نشانہ نہیں بنا سکتی"۔

مسٹر سنہا کا یہ فقرہ کہ حکومت فسادیوں پر گولی نہیں چلائے گی، ایک خوش آئند پیغام کی طرح سارے صوبے میں پھیل گیا، اور اس کے بعد جا بجا ہندوؤں کے منظم گروہ نمودار ہو کر فساد انگیزی کرتے نظر آنے لگے۔ بہار کے دو اضلاع پٹنہ اور سارن میں بالخصوص مسلمانوں کا قتلِ عام شروع ہو گیا۔

بہار میں جب یہ کیفیت رُونما ہوئی تو ملک کی عام حالت اس طرح تھی کہ مسلم لیگ کے نمائندے عبوری حکومت میں شامل ہو چکے تھے۔ مسٹر گاندھی ۲۹ر اکتوبر کو نواکھلی جانے کے ارادے سے کلکتہ پہنچ چکے تھے۔ حکومت بنگال نے نواکھلی میں بھاگے ہوئے ہندوؤں کو از سرِ نو آباد کرنے کی مہم شروع کر دی تھی۔ کلکتہ اور بمبئی کی فضائیں بدستور مکدر تھیں اور بعض دوسرے مقامات پر فساد کی معمولی چنگاریاں بھڑک رہی تھیں۔

مسٹر سنہا وزیر اعظم بہار کے اس اعلان کے بعد کہ فسادیوں پر گولی نہیں چلائی

جائے گی۔ چھپرا میں پھر فساد پھوٹ پڑا اور ۳۱ ر اکتوبر تک چھپرا کے بازار اور راستے مسلمانوں کی لاشوں سے پٹے پڑے تھے۔

اس کے ساتھ ہی ضلع سارن کے متعدد مقامات پر ہندو دیہاتیوں کے بڑے بڑے منظم گروہوں نے جو ہر قسم کے آلات سے مسلح تھے، قلیل التعداد مسلمان دیہاتیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ یہ گروہ پانچ پانچ اور دس ہزار کی جمعیتوں میں منظم ہو کر مسلمانوں کے دیہات پر حملے کرتے تھے۔ دیہات کا محاصرہ کر لیتے۔ جو مسلمان مقابلہ کرتے انہیں اپنی غالب اکثریت کے بل پر تہ تیغ کر دیتے۔ باقی مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو پکڑ پکڑ کر ذبح کر ڈالتے۔ گھروں اور مکانوں کو آگ لگا دیتے۔ پٹنہ صوبے کا مرکزی مقام تھا لیکن اس کے قریب بھی مسلمانوں کے بے دردانہ قتل عام کی مہم زوروں پر شروع ہو گئی۔ ہندو بلوائیوں کے ہجوموں نے ٹرینیں روک کر مسلمان مسافروں کو قتل کیا اور جو مسلمان پناہ گیروں کے کیمپوں تک جانے کیلئے ریلوے سٹیشنوں پر جمع ہو رہے تھے انہیں وہاں پہنچ کر فنا کے گھاٹ اُتار دیا۔ حکومت کا نظام مسلمانوں کی حفاظت کرنے کے غرض سے یکسر غافل ہو چکا تھا۔ ایک مسلمان پٹنہ ڈویژن کے کمشنر مسٹر این بخشی کے پاس اپنے گاؤں کی حفاظت کیلئے امداد مانگنے کیلئے گیا۔ کمشنر صاحب نے اسے یہ جواب دیا:

> ”یہ میرا کام نہیں تمہاری مسلم لیگ کا فرض تھا کہ وہ پہلے سے اس مصیبت سے عہدہ برآہ ہونے کیلئے ضروری انتظام کر لیتی کیونکہ نواکھلی میں ہندوؤں کے قتل عام کی وہی ذمہ دار ہے۔ میری بیوی اب تک اپنے اس بھائی کو رو رہی ہے جو نواکھلی میں مارا گیا، تم کس منہ سے مدد مانگنے آئے ہو“۔

پٹنہ کے مقتدر مسلمانوں کا ایک وفد نومبر کے آغاز میں بہار کے وزیر اعظم مسٹر سنہا کے پاس گیا اور اُس سے مطالبہ کیا کہ صوبہ کے دیہات میں مسلمانوں کو بچانے کیلئے فوج بھیجنا ضروری ہے۔ وزیر اعظم نے جواب دیا کہ ''میں صوبہ میں امن قائم کرنے کیلئے فوج کی امداد حاصل کرنے کے خلاف ہوں۔ میں تو پرارتھنا (دُعا) اور پرچار (تبلیغ) سے فساد کو روکنے کی کوشش کروں گا''۔

مسلمانوں کے جن دیہات پر یہ آفت قیامت کی صورت میں نازل ہوئی' ان میں سے بہت سے مقامات پولیس کے تھانوں سے سَو سَو دو دو سَو گز کے فاصلے پر یا میل دو میل کے فاصلے پر واقع تھے لیکن پولیس نے فساد کو دبانے اور ہندوؤں کی جمعیتوں کو مسلمانوں کے قتل عام سے روکنے کیلئے ذرہ بھر جنبش نہ کی۔ بعض حالات میں تو ہندو پولیس نے بلوائیوں کو اپنی بندوقیں بھی دے دیں تاکہ وہ اپنے کارِ مفوضہ کو بہتر طریق سے سرانجام دے سکیں۔

بچے کھچے مسلمان اور ایسے دیہات کے مسلمان جن پر ابھی حملے نہیں ہوئے تھے سراسیمہ ہو کر بھاگنے لگے اور بے سروسامانی کی حالت میں بعض مقامات پر جمع ہوتے گئے۔ ہندوؤں کے مسلح گروہ ان پناہ گزینوں پر حملے کر کے وہاں بھی انہیں قتل کرنے لگے۔ ۵ نومبر ۱۹۴۶ء تک بہار کے ان دو اضلاع میں کوئی تیس ہزار مسلمان فنا کے گھاٹ اُتار دیئے گئے اور لاکھوں بے خان و ماں ہو کر پناہ گیروں کے کیمپوں میں جمع ہونے لگے۔ ہزاروں بھاگ کر بڑے بڑے شہروں میں آ گئے جن کو وہاں کے مسلمانوں نے اپنے گھروں میں پناہ دی۔ ۵ نومبر تک مسلمانوں کے سینکڑوں دیہات مکمل طور پر صاف ہو چکے تھے۔ اکثر دیہات کی یہ کیفیت تھی کہ وہاں کے مسلمانوں کی تباہی کی کہانی سنانے کیلئے ایک متنفس بھی باقی نہ رہا۔ اس وقت تک بہار کے ان واقعات کی خبریں

ملک بھر میں نشر ہونے لگی تھیں۔ ٦ نومبر کو مسٹر گاندھی نے (غالباً طے شدہ سازش کے مطابق) جو اس وقت تک نواکھلی پہنچ چکے تھے اور اخبارات میں ان کی حرکات و سکنات کے متعلق تفصیلی بیانات چھپ رہے تھے' اعلان جاری کیا کہ اگر بہار کے ہندوؤں نے مسلمانوں کے قتل عام سے اپنا ہاتھ نہ روکا تو میں مرن برت رکھ لوں گا۔ اسی روز پنڈت جواہر لال نہرو بہار پہنچ گئے اور جلسوں میں تقریریں کر کے ہندوؤں کو فساد انگیزی سے باز رہنے کی تلقین کرنے لگے۔

پنڈت نہرو نے اعلان کر دیا کہ آئندہ فساد کرنے والوں پر گولی چلائی جائے گی۔ وو دن بعد بہار کی کانگرسی حکومت نے اعلان کیا کہ مہاتما گاندھی کے اعلان اور پنڈت جواہر لال نہرو کی سرگرمیوں کے باعث فسادات کی رو بہت بڑی حد تک تھم گئی ہے اور پناہ گیروں کیلئے خوراک' پوشاک اور طبی امداد کے انتظامات درست کئے جا رہے ہیں۔ تمیں ہزار کے قریب مسلمان جن میں مرد' عورتیں' بچے' بوڑھے' اپاہج اور معذور ہر قسم کے لوگ شامل تھے' تہ تیغ ہو چکے تو کانگرسی لیڈروں نے اپنے پیروؤں کو ''ہالٹ'' کا حکم دے دیا اور چند دن کے اندر مسلمانوں کے قتل عام کی رفتار مدھم پڑتے پڑتے بالآخر تھم گئی۔

کانگرس کے ہندو لیڈروں نے بعد کے بیانات اور اعلانات میں مسلمانوں کے اس قتل عام پر کئی طرح کے پردے ڈالنے کی کوششیں کیں۔ کسی لیڈر نے بہاری ہندوؤں کی درندگی اور سفاکی کی کھلی کھلی مذمت کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی بلکہ اس کے جواز کے نئے عذر تراشنے لگے۔ نیز اپنی قوم کی معتد بہ آبادی کے اس ''کارنمایاں'' سے وہ سیاسی فوائد حاصل کرنے کے درپے ہو گئے' جن کیلئے یہ سارا کھیل کھیلا گیا تھا۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے مرکزی اسمبلی میں فرقہ وار فسادات کے متعلق بیان دیتے ہوئے کہا کہ ''بہار میں حد سے زیادہ افسوسناک واقعات رُونما ہونے کی وجہ یہ ہے

کہ بہت سے بہاری ہندو کلکتہ کے فسادات میں مارے جا چکے تھے اس لئے ان کے ہم قوموں اور ہم وطنوں نے بہار کے مسلمانوں سے بدلا لینے کی ٹھان لی”۔ اس کے ساتھ ہی پنڈت نہرو نے بہاری ہندوؤں کو یہ کہہ کر دادِ شجاعت دی کہ “بہار کے واقعات نے دکھا دیا کہ بظاہر خوش باش رہنے والے کسان جب کچھ کرنے پر آ جاتے ہیں تو کیا کر دکھاتے ہیں”۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد نے کونسل آف سٹیٹ میں تقریر کرتے ہوئے پہلے تو یہ کہنے کی ضرورت محسوس کی کہ مسلمانوں کے جانی تلفات کو جو پانچ ہندسوں (دہ ہزاروں) میں ظاہر کیا جا رہا ہے وہ غلو ہے۔ مسلمانوں کا جانی نقصان چار ہندسوں کی ادنیٰ رقم سے آگے نہیں بڑھتا (یعنی پانچ ہزار سے بھی کم ہے) پھر انہوں نے بہاری ہندوؤں کی ان حرکات کو جائز یا ناگزیر قرار دینے کیلئے فرمایا کہ حسب ذیل وجوہ وعلل کی بناء پر بہار کے ہندو مسلمانوں کے خلاف مشتعل ہو گئے”۔

(۱) مسلمانوں کا مطالبۂ تقسیم ہند

(۲) ڈائرکٹ ایکشن کا فیصلہ

(۳) کلکتہ کا فساد

(۴) نواکھلی کا ہنگامہ

گویا راجندر بابو نے کہہ دیا کہ ہندوستان کے مسلمان اگر قتل عام سے بچنا چاہتے ہیں تو وہ ایک تو تقسیم ہند کے مطالبہ سے باز آ جائیں، دوسرے اپنی سیاسی جدوجہد کیلئے ڈائرکٹ ایکشن کی قسم کے طریق کار کا نام تک نہ لیں۔ راجندر بابو اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کی کانگرس اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کیلئے بارہا کئی قسم کے ڈائرکٹ ایکشنوں کو اپنا چکی ہے۔

بابو راجندر پرشاد کی طرح انڈین نیشنل کانگرس کے صدر منتخب مسٹر اچاریہ کرپلانی نے ۲۲ نومبر کو صدارتی تقریر کرتے ہوئے کہا:

> میں مشرقی بنگال اور بہار سے ابھی ابھی واپس آیا ہوں، میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مشرقی بنگال کے المناک واقعات کی ذمہ داری جن لوگوں پر عائد ہوتی ہے انہوں نے عوام پر یہ ظاہر کرنا چاہا تھا کہ پاکستان کا قیام طاقت کے بل بوتے پر عمل میں آ سکتا ہے۔ بہار میں جو کچھ ہوا وہ انتقامی جذبات کا نتیجہ تھا۔

بہار کے ہندوؤں نے کانگرسی لیڈروں کے حکم اور ایما سے انتقام کی یہ نئی صورت اختیار کی کہ نواکھلی میں جن لوگوں نے ہندوؤں پر سختیاں کی ہیں وہ اگر ہاتھ نہیں آتے تو اپنی آتش انتقام کو بجھانے کیلئے بہار کے ۱۴ فیصدی مسلمانوں کو جو کمزور نہتے اور منتشر ہیں قتل کر دیا جائے۔

اس سلسلہ میں یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ جب دو ماہ کے بعد بہار اسمبلی میں کانگرسی وزارت سے یہ استفسار کیا گیا کہ کتنے قاتلوں مفسدوں اور بلوائیوں کو گرفتار کر کے ان پر مقدمے چلائے گئے ہیں تو وزیر اعظم مسٹر سنہا نے یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ ”چونکہ مجرموں کے خلاف شہادت دینے والا یا ان کی رپورٹ کرنے والا کوئی نہیں ملتا اس لئے بہت کم گرفتاریاں معرض عمل میں آئی ہیں“۔

مسٹر سنہا کے اس بیان سے ایک تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا قتل عام بہت مکمل اور ہمہ گیر شکل میں کیا گیا۔ دوسرے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کانگرسی وزارت سنگین جرائم کے ان مرتکبین سے باز پرس کرنا ضروری نہیں سمجھتی۔ بہار کی کانگرسی حکومت نے پناہ گیر مسلمانوں کو جو گھروں سے نکل کر کیمپوں میں جمع ہو رہے تھے از سر نو آباد کرنے کی کوئی خاص کوشش نہ کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ماہ دسمبر کے اواخر تک چار

لاکھ سے زائد بہاری مسلمان وہاں سے ہجرت کر کے بنگال چلے گئے اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ سندھ میں جا کر آباد ہو گئے۔

دیگر مقامات پر فسادات:

اسی نومبر ۱۹۴۶ء کے دوران میں بعض دوسرے مقامات پر بھی فرقہ وار فساد کی آگ کے شعلے بھڑکے۔ دہلی، میرٹھ، غازی آباد، کانپور، بنارس، صوبجات متوسط (سی۔پی) کے بعض مقامات اور رہتک میں مسلمانوں کے خون سے ہولیاں کھیلی گئیں۔ صوبجات متحدہ آگرہ اودھ کے ایک مقام گڑھ مکتیشور میں گنگا اشنان کے میلے پر ان مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا جو ہر سال اس میلہ میں مختلف کاموں کے سلسلے میں جایا کرتے تھے۔ ان کی تعداد چار ہزار کے قریب تھی، جن میں سے بہت کم جانبر ہو کر بھاگ سکے۔ گڑھ مکتیشور میں ۷ نومبر سے لے کر ۱۰ نومبر تک مسلمانوں پر ہندوؤں کے ہجوموں نے جن کی تعداد دس دس ہزار کے لگ بھگ تھی، دو دفعہ حملہ کیا اور انہیں انتہائی وحشت اور بربریت کے ساتھ فنا کے گھاٹ اُتار دیا۔ ان کے گھروں کو نذر آتش کر دیا گیا۔ گڑھ مکتیشور میں جو کچھ ہوا وہ بہار کے نقشے کے عین مطابق تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دونوں جگہ ایک ہی قسم کی سازش کے مطابق کام ہو رہا ہے اور مسلمانوں کے قتلِ عام کی ایک ہی ٹیکنیک برتی جا رہی ہے۔ یہ نئے مقامات تھے، جہاں فساد کی آگ بھڑکی اور جلد ہی فرو کر دی گئی لیکن بمبئی، ڈھاکہ اور احمد آباد میں خنجر زنی کی وارداتیں برابر جاری تھیں۔ کلکتہ میں فساد کی رفتار مدھم پڑ گئی تھی۔ ۲۸ نومبر کو حکومت برطانیہ کے وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس نے پارلیمنٹ میں اعلان کیا کہ جس دن (۲ ستمبر) سے ہندوستان میں عبوری حکومت قائم ہوئی ہے فرقہ وار فسادات میں ۶۷۰۰ آدمی ہلاک ہو چکے ہیں۔ یہ تعداد پوری طرح

صحیح نہیں کیونکہ بعض دُور اُفتادہ مقامات سے اطلاعات موصول نہیں ہوئیں۔ وزیر ہند نے اس تعداد میں ان ہزاروں مسلمانوں کی گنتی کو شامل نہ کیا جو بہار کے قتل عام میں مارے گئے تھے۔ اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ ہندوستان سے اطلاعات کا بھیجنا کانگریس کی عبوری حکومت کا کام تھا۔

مسلمانوں کا صبر جمیل:

بہار سے مسلمانوں کے بے پناہ قتل عام کی خبریں نشر ہوئیں تو ہندوستان بھر کے مسلمان دم بخود رہ گئے۔ انہیں اس بات کا سان گمان بھی نہ تھا کہ ہندو قوم قتل اور غارت گری کیلئے اس حد تک منظم اور تیار کی جا چکی ہے۔ مسلمانوں کے عوام کی ذہنیت یہ تھی کہ ہندو لڑائی بھڑائی میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مسلمانوں کے لیڈر محض بڑھ چڑھ کر باتیں بنانا جانتے تھے اور یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ ہم محض خالی خولی دھمکیوں سے ہندوؤں اور انگریزوں کو ڈرا دھمکا کر پاکستان حاصل کر لیں گے۔ اس قسم کی ذہنیتیں رکھنے والے عوام و خواص مسلمانوں کے دماغوں پر بہار کے خونچکاں واقعات کی ہولناک داستانیں بجلی کی طرح گریں، جنہوں نے اُن کے قوائے فکری و ذہنی کو معطل کر دیا۔ اور تو اور مسلمانوں کے قائداعظم مسٹر محمد علی جناح نے ۵ نومبر کو عید قرباں کے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے کہا تو یہ کہا:

> ”مجھے معلوم ہے کہ مسلمان بہادر ہیں، مگر وقت آ گیا ہے کہ وہ اپنے گھر کی نگہداشت خود کریں۔ کیا آپ کا گھر ٹھیک ہے، اس کا جائزہ لو اور اس کے بعد اس کا جواب اپنے آپ کو دو کہ آپ نے ان ابتر حالیوں میں کیا کیا ہے۔ میں جہاں کہیں بھی جاتا ہوں، وہاں یہی

> شور سنائی دیتا ہے کہ "قائداعظم ہم آپ کے حکم کے منتظر کھڑے ہیں" واضح رہے کہ قائداعظم اس وقت تک کوئی حکم نہیں دے گا جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ آپ حضرات تیار ہیں۔ اگر میں اس سے پہلے کوئی حکم صادر کر دوں تو میں جرنیل نہیں بلکہ مجرم ٹھہروں گا۔ اس لئے میرا کہنا یہ ہے کہ اپنا گھر درست کر لو اب دیر ہو چکی ہے لیکن ابھی حد سے زیادہ دیر نہیں ہوئی"

قائداعظم کی تقریر کے یہ فقرے ہی پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ مسلمان عوام تو کیا ان کے لیڈروں کو بھی اس قسم کی اُفتاد کا خواب وخیال تک نہ تھا جو بہار میں مسلمانوں کو پیش آئی۔ قائداعظم صحیح اور بجا طور پر جانتے تھے کہ مسلمان اس قسم کے فتنہ وفساد کے لئے مطلقاً تیار نہیں۔ اپنی طرف سے فساد انگیزی تو ایک طرف رہی وہ دوسروں کی فتنہ آرائیوں کے مقابلے میں اپنی حفاظت ومدافعت کی تواں بھی نہیں رکھتے۔ قائداعظم کو جنہیں اُن کے حاشیہ نشین یہ بتایا کرتے تھے کہ مسلمان عوام بہت طاقتور ہیں، بہار میں مسلمانوں کے مولی گاجر کی طرح کٹ جانے پر حیرت ہوئی۔ انہوں نے سوچا ہو گا کہ میرے اردگرد جو لوگ جمع رہتے ہیں وہ مجھے صحیح صورتحال سے باخبر نہیں رکھتے۔ اس لئے انہوں نے اس عید کے روز کی تقریر میں حسب ذیل اعلان کرنے کی ضرورت بھی محسوس کی۔

"ہندوستان کے طول وعرض میں جو کچھ بیت رہی ہے وہ سب کی سب میرے دل میں ہے، میں ہر ایک تنقید کا خیر مقدم کرتا ہوں، جس قدر زیادہ آپ نکتہ چینی کریں گے اُسی قدر میں اسے پسند کروں گا، یہ آپ کا حق ہے۔ جو خط مجھے بھیجا جاتا ہے میں اُس کا ایک ایک لفظ پڑھتا ہوں، میرے وقت کا بیشتر حصہ پڑھنے، سننے اور مطالعہ کرنے میں صرف ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے دل بہار کے حادثہ پر آزردہ ہو چکے تھے۔ وہ صحیح رہنمائی کیلئے اپنے ارباب قیادت کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں کچھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ بہار کے مصیبت زدہ مسلمانوں کی امداد و اعانت کیلئے اُن سے جو کچھ بن آیا وہ انہوں نے کیا۔ عامۃ المسلمین بہت متاثر تھے۔ راقم الحروف نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک پھٹے پرانے کپڑوں والا بوڑھا مزدور حبیب بینک آف انڈیا کی ایک شاخ کے دروازے پر چالیس روپے کے نوٹ ہاتھ میں لئے کھڑا ہے اور اپنی نم آلود آنکھوں سے پوچھ رہا ہے کہ مصیبت زدگان بہار کی امداد کیلئے یہ روپیہ کہاں جمع کرانا چاہیئے۔ عام مسلمان صحیح رہنمائی کیلئے اپنے لیڈروں کی طرف دیکھ رہے تھے لیکن قائداعظم نے عید کی تقریر میں عام مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے اپنے افکار و خیالات سے انہیں آگاہ کریں۔ قائد اعظم کی اس دعوتِ عامہ کے جواب میں بہت سے مسلمانوں نے اپنے اپنے فکر اور اپنی اپنی سمجھ کے مطابق چٹھیاں لکھیں۔ راقم الحروف کو ذاتی طور پر علم ہے کہ لاہور کے ایک گوشہ نشیں بزرگ نے جنہیں سیاسیات کی رفتار سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا' یکے بعد دیگرے تین چٹھیاں قائداعظم کے نام بھیجیں۔ پہلی دو چٹھیوں کی نقل تو مجھے میسر نہیں آ سکی لیکن تیسرے اہم مکتوب کا مضمون میں اُن گوشہ نشین بزرگ کی اجازت سے ذیل میں درج کئے دیتا ہوں تا کہ سند رہے۔

قائداعظم سلامت با کرامت باشند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! آپ کہتے ہوں گے کہ میں بار بار خط لکھ کر آپ کے قیمتی وقت کو ضائع کر رہا ہوں لیکن لیڈروں کی غفلت کے باعث بہار کے مسلمانوں پر جو کچھ گزری اس نے مجھے جبری خاموشی کا روزہ توڑنے پر مجبور کر دیا' اور میں نے حالات کی

نزاکت کے پیش نظر یہی مناسب سمجھا کہ براہ راست آپ کو لکھوں۔ اس کے سوا میرے لئے اور کوئی ذریعہ بھی نہ تھا کہ اپنے خیالات واحساسات سے ملت کی کشتی کے ناخداؤں کو آگاہ کر سکتا۔ پہلے عریضہ میں میں نے آپ کو چند اہم فروگذاشتوں اور ضرورتوں کی طرف توجہ دلائی تھی، دوسرے عریضہ میں میں نے صورتحال پر سرسری سا تبصرہ کیا تھا۔ اس عریضہ میں چند ٹھوس تجویزیں پیش کرتا ہوں، انہیں اگر آپ اعتنا کے قابل سمجھیں تو اپنی مجلس عمل، مجلس عاملہ اور آل انڈیا کونسل کے ساتھ ان پر غور فرما لیں۔ تجویزیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ کانسٹی ٹیوانٹ اسمبلی میں شرکت سے اس وقت تک پرہیز کی جائے جب تک ہندو کانگرس اور برطانوی حکام صاف طور پر تسلیم نہیں کرتے کہ مسلمانوں کو جمہوریۂ پاکستان قائم کرنے کا حق حاصل ہے۔

(آپ نے دو کانسٹی ٹیوانٹ (Constituent) اسمبلیاں بنانے کا مطالبہ چھوڑنے میں سخت غلطی کی، وزارتی مشن کی سکیم کو یکسر ٹھکرا دینا چاہیے تھا)

۲۔ اگر کانسٹی ٹیو اَنٹ اسمبلی سے الگ رہنے کے باعث انٹرم گورنمنٹ (Entirm Government) کے عہدے بھی چھوڑنے پڑیں تو وہ چھوڑ دیئے جائیں۔ اس صورت میں اگر ویسرائے خود مسلمانوں کو نکال دے تو اور بھی اچھا ہو۔

۳۔ اعلان کر دیا جائے کہ انگریز نے مسلمانوں کو دھوکا دیا ہے، وہ ملک کا سارا اقتدار صرف ایک قوم کے حوالے کر رہا ہے۔ لہٰذا مسلمان عزت کی موت مرنے کیلئے انگریز اور ہندو دونوں کی متحدہ طاقت کا مقابلہ کرنے کا عزم کر رہا ہے۔ اقوام عالم ایک

معزز قوم کی تباہی پر گواہ رہیں۔

۴۔ مسلمان ان علاقوں سے جہاں ان کی قلیل آبادیاں غالب ہندو اکثریت کے اندر بکھری پڑی ہیں ہجرت کر کے ایسے علاقوں میں چلی جائیں جہاں مسلمانوں کی خاصی تعداد آباد ہو۔

۵۔ مسلمانوں کی آبادیاں ہر جگہ دفاعی انتظامات درست کریں۔

(ا) گانو دل، محلوں اور شہروں میں قلعے اور حصار بنالیں۔

(ب) حملوں کی صورت میں اپنی حفاظت کے لئے مقامی دفاعی جیش منظم کرلیں۔

۶۔ ہدایات جاری کردی جائیں جن میں تشریح کے ساتھ مسلمانوں کو بتادیا جائے کہ حملہ ہو جانے اور بدامنی واقع ہونے کی صورت میں انہیں اپنی حفاظت کیلئے کیا کچھ کرنا چاہیئے اور کن کن باتوں سے محترز رہنا چاہیئے۔

۷۔ کسی موزوں شخص کی قیاوت میں سربازوں کی ایک جماعت منظم کی جائے۔ اس جماعت کے پاس ہر قسم کا سامان ہونا چاہیئے' بالخصوص نقل و حرکت کے ذرائع' چھاپے خانے' ریڈیو اسٹیشن اور ہتھیار و مالیزم بہا۔

۸۔ کچھ مبلغ اور سفیر سرحد کے قبائلی علاقہ میں بھیج دیئے جائیں جو انہیں حکومت ہند سے برسر جنگ ہونے کیلئے کہیں۔

۹۔ بیرونی ملکوں میں پروپیگنڈا کرنے کیلئے مناسب طریقے اختیار کئے جائیں تاکہ باہر کی دنیا پر مسلمانوں کا صحیح حال ظاہر ہوتا رہے۔

۱۰۔ مسلمان اخبارات کی حالت' حیثیت اور معیار کو بہتر بنانے کی کوشش کی جائے اور لیگ کے مغرور لیڈر اخبارات کے ایڈیٹر صاحبان سے اچھے تعلقات پیدا کریں۔ پریس کو غلام سمجھنے اور غلام بنانے کی عادت ترک کردی جائے۔

۱۱۔ جو لوگ حقیقی درد اور اخلاص سے قوم کا کام کرنے کیلئے آگے بڑھیں انہیں حقیر نہ سمجھا جائے' اور جو لوگ محض ذاتی فوائد کی خاطر شامل ہو رہے ہیں ان پر خاص نگاہ رکھی جائے۔ سچے ایثار اور قربانی کی روح کو ترقی دی جائے۔ جب تک یہ نہ ہو گا کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

۱۲۔ کانگرسی مسلمانوں' احراریوں' خاکساروں وغیرہ سے دلسوزی کے ساتھ اپیل کی جائے کہ وہ اس آڑے وقت میں قوم کا ساتھ دیں۔

مسلم لیگ کی لیڈر شپ (Leadership) کا موجودہ نظام سیاست کو محض ذاتی نفع کی تجارت خیال کرتا ہے' کام کرنے کا یہ محرک تبدیل ہونا چاہیئے۔ کام اور ایثار محض خدا کی رضا حاصل کرنے کیلئے اور قوم کی حالت بہتر بنانے کیلئے کیا جائے۔ اسی نیک جذبے سے مسلمانوں کی دُنیا اور آخرت سُدھر سکتی ہے اور بس۔

قائداعظم! میری ان گذارشات پر اچھی طرح غور فرمالیں۔ میں نے صرف اشارات کئے ہیں' مکمل قرارداد کا مسودہ جو مذکورہ بالا مطالب و مضامین کا حامل ہو مجھ سے بہتر لوگ تیار کر سکتے ہیں' بشرطیکہ آپ قوم کے آئندہ راہِ عمل کیلئے میری پیش کردہ تجاویز سے متفق ہوں۔ آپ ملت کے جرنیل ہیں اور اس پوزیشن میں ہیں کہ ملت کی طاقت و مقدرتِ عمل کا جائزہ لے سکیں۔ میں اس عریضہ کے بعد آپ کو سرِ دست اور عریضہ بھیج کر پڑھنے یا سننے کی زحمت نہ دوں گا اور انتظار کروں گا کہ آپ موجودہ حالات میں مسلمانوں کو کس راہ پر چلانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ آپ نے میری گذارشات کو ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیا یا اُن پر غور کیا اس کا حال مجھے معلوم نہیں ہو سکتا البتہ خدائے قدیر علیم و خبیر ہے۔ والسلام (روح الملت)

اس کے بعد مسلم لیگ کے اربابِ قیادت نے مسلمانوں کی رہنمائی کس طریق

سے کی اس کا حال اوراقِ آئندہ میں بیان کیا جائے گا۔ سرِ دست یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ مسلم لیگ کی قائدیت نے اور عام مسلمانوں نے حادثہ بہار کو صبرِ جمیل کے ساتھ برداشت کر لینے کے سوا اور کچھ نہ کیا۔ حالات و واقعات کے ارتقا نے ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کے اربابِ قیادت بدستور غافل رہے اور انہوں نے مسلمانوں کو اپنے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کیلئے منظم و مضبوط کرنے کیلئے ذرہ بھر جنبش نہ کی۔ وہ اسی خیال میں مست رہے کہ ہر جگہ کے مسلمان پیش آنے والے حالات سے خود ہی نبٹتے پھریں گے۔

بہار کا المیہ قدرت کی طرف سے ایک زبردست انتباہ تھا لیکن مسلمانوں کے اربابِ قیادت اس انتباہ سے متنبہ ہونے سے قاصر رہ گئے۔

لندن کانفرنس:

ہندوستان کی عبوری حکومت میں مسلم لیگ کے نمائندوں کی شرکت کے بعد اس حکومت کے کانگرسی اور مسلم لیگی گروپوں کے درمیان رسہ کشی سی شروع ہوگئی۔ یہ وزارت یا ایگزیکٹو کونسل (Executive Council) ایسی نہ تھی جسے مخلوط کہا جا سکے کیونکہ اس میں دونوں پارٹیاں کسی قسم کی باہمی مفاہمت اور کسی نوعیت کے مشترکہ لائحہ عمل کو سامنے رکھے بغیر شامل ہوئی تھیں۔ ہر پارٹی یہ چاہتی تھی کہ دوسری پارٹی کو وزارت سے نکل جانے پر مجبور کر دے۔ یہ عبوری حکومت دنیا کی آئینی تاریخ میں یکسر نرالی نوعیت کی تھی۔ اس حکومت کا ہر رکن اپنے اپنے محکمہ کا مختار مطلق تھا اور من مانی کارروائی کر رہا تھا۔ ازبس کہ نظم و نسق کے اہم صیغے کانگرسی نمائندوں کے ہاتھ میں تھے اس لئے وہ مسلم لیگی نمائندوں کی بہ نسبت بہتر پوزیشن میں تھے اور خارجہ کا قلمدان پنڈت جواہر لال نہرو کے ہاتھ میں تھا اس لئے انہوں نے بیرونی ممالک کیلئے جو سفراء اور نمائندے مقرر کیے وہ

سب کے سب کانگرسی مقرر کیے۔ اس کے جواب میں مسٹر چندریگر نے' جن کے پاس کامرس (تجارت) کا قلمدان تھا' بیرونی ملکوں میں ایسے تجارتی نمائندے بھیجے جو مسلم لیگ کی حمایت کا دم بھرتے تھے۔ عبوری حکومتِ نے حکومت برطانیہ کے ۱۶ رمئی ۱۹۴۹ء والے اعلان کے مطابق دستور ساز اسمبلی کا اجلاس منعقد کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں اور مرکزی اسمبلی سے اس کے اخراجات کی منظوری لے لی۔ ۱۷ نومبر کو قائداعظم مسٹر محمد علی جناح نے وائسرائے کو خط بھیجا کہ المیۂ بہار کا تقاضا یہ ہے کہ حکومت اپنی تمام تر توجہات ملک میں امن و آئین کی بحالی پر صرف کر دے' اس لئے سرِ دست دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا جائے۔ لیکن مسٹر جناح کی اس درخواست کے علی الرغم ۲۰ نومبر کو نئی دہلی سے اس مضمون کا اعلان جاری ہو گیا کہ دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ۹ دسمبر کو شروع ہو جائے گا۔ مسٹر جناح یہ چاہتے تھے کہ دستور ساز اسمبلی کی آئینی بحثیں پُر امن فضا میں شروع ہوں تو بہتر نتائج مرتب ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے لیکن کانگرسی لیڈر اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ وہ دستور ساز اسمبلی کی کارروائی کو اپنے ڈھب پر چلا کر رہیں گے۔ مسٹر جناح یہ کہہ رہے تھے کہ کانگرسی لیڈروں نے برطانوی حکومت کے اعلان مجریہ ۱۶ مئی کو اس کی صحیح اسپرٹ کے ساتھ قبول نہیں کیا۔ وہ اس کی دفعات کی تاویلیں اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق کر رہے ہیں۔ جب تک یہ معاملہ صاف نہیں ہو جاتا مسلم لیگ دستور ساز اسمبلی کے کاروبار میں شریک نہیں ہو سکتی۔ مابہ النزاع مسئلہ صوبوں کی گروپ بندی' گروپوں کی آئین سازی اور گروپ سے صوبہ کی علیحدگی کے حق کا تھا' جس میں مسلم لیگ کے لیڈروں کو پاکستان کے جراثیم نظر آ گئے تھے لیکن کانگرس ان جراثیم کو بھی پیدائش سے پہلے ہی کچلنے کا تہیہ کیے بیٹھی تھی۔ اس لئے وہ ۱۶ مئی کے اعلان کی تاویلیں کر رہی تھی۔ کانگرسی لیڈر اس بات پر زور دے رہے تھے کہ مسلم لیگ

اس سوال کو فیڈرل کورٹ (Federal Court) میں لے جا سکتی ہے۔

۳۰ نومبر کو نئی دہلی سے یہ اعلان جاری ہوا کہ ۹ دسمبر ۱۹۴۶ء کو دستور ساز اسمبلی کا اجلاس شروع ہو جائے گا۔ ۲۱ نومبر کو قائداعظم مسٹر محمد علی جناح نے حکم جاری کر دیا کہ دستور ساز اسمبلی کے اس اجلاس میں جو ۹ دسمبر کو شروع ہو رہا ہے مسلم لیگ کا کوئی نمائندہ شامل نہ ہو۔

قائداعظم کے اس اعلان نے ایک نئی کیفیت پیدا کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۷ نومبر کو حکومت برطانیہ نے ویسرائے کو لندن آنے کی دعوت دی اور کہا کہ

ویسرائے اپنے ساتھ مسٹر جناح، مسٹر لیاقت علی خان، پنڈت جواہر لال نہرو، شری بُت ولبھ بھائی پٹیل اور سردار بلدیو سنگھ کو بھی لیتے آئیں۔ مسٹر جناح اور مسٹر لیاقت علی خان نے برطانوی حکومت کی یہ دعوت اس خیال سے قبول کر لی کہ وہاں جا کر وہ ہندوستان کے سیاسی مسائل پر نئے سرے سے مذاکرات کر سکیں گے لیکن کانگرسی لیڈروں نے حسب عادت پہلے انکار کیا اور جب برطانوی وزیر اعظم مسٹر اٹیلی نے پنڈت جواہر لال نہرو کو اس مضمون کا تار بھیجا کہ لندن کی مجوزہ کانفرنس میں برطانیہ کے وزارتی وفد کے بیان مجریہ ۱۶ مئی کے بعض نقاط کی وضاحت کی جائے گی اور کانفرنس زیادہ دیر تک جاری نہیں رہے گی، اس لئے اس کے باعث دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ملتوی نہ ہو گا۔ اس تار کی اشاعت ہوئی تو مسٹر جناح بگڑ بیٹھے انہوں نے مسٹر اٹیلی کو تار بھیجا کہ "جب تک ہمارے لئے یہ راستہ کھلا نہ ہو کہ ہم ساری صورتحال کو زیر بحث لا سکیں تب تک میرا لندن جانا کسی فائدہ کا موجب نہیں ہو سکتا۔ براہِ کرم پوزیشن واضح فرمائیں"۔

مسٹر اٹیلی نے تار کے ذریعہ جواب دیا کہ "میرے اس تار کا جو میں نے پنڈت نہرو کو بھیجا ہے مفہوم غلط سمجھا گیا ہے اس لئے آپ ضرور لندن آئیں"۔

غرض اس قسم کے انکار واصرار کے بعد مسٹر جناح، مسٹر لیاقت علی، پنڈت نہرو اور سردار بلدیو سنگھ لندن جانے پر آمادہ ہو گئے اور یکم دسمبر کو طیارہ انہیں لندن لے گیا۔

لندن میں چار پانچ دن کی بات چیت کے بعد حکومت برطانیہ کی طرف سے اس مضمون کا سرکاری اعلان شائع ہوا کہ ہندوستانی لیڈر لندن کانفرنس میں کسی قطعی فیصلہ پر نہیں پہنچ سکے، لیکن حکومت برطانیہ اس امر کا اعلان کرتی ہے کہ وزارتی مشن کے بیان مجریہ ۱۶ مئی کے مابہ النزاع نقاط کے جو معنی مسلم لیگ لے رہی ہے وہی مشن کا مقصود عین تھے۔ کانگرس کو اگر ان معانی سے اختلاف ہے تو اسے چاہیئے کہ اس معاملہ کو جیسا کہ وہ کہہ رہی ہے فیڈرل کورٹ کے سامنے پیش کر دے تاکہ دستور ساز اسمبلی کا کام خوش اسلوبی کے ساتھ چل سکے۔ اس اعلان کے آخیر میں کہا گیا:

دستور ساز اسمبلی کیلئے کامیابی کی کوئی صورت ہرگز پیدا نہیں ہو سکتی الا یہ کہ اسے متفقہ طریق کار کے اصول پر چلایا جائے۔ اگر کانسٹی ٹیوشن (Constitution) کسی ایسی دستور ساز اسمبلی کا ساختہ پرداختہ ہوگا جس میں ہندوستان آبادی کے کسی بہت بڑے طبقہ کے نمائندے حصہ نہ لیں گے تو ملک معظم کی حکومت اس کانسٹی ٹیوشن (Constitution) کو ملک کے غیر رضامند حصوں پر بالجبر نافذ کرنے کا اقدام ہرگز نہیں کر سکے گا۔ کانگرس خود کہہ چکی ہے کہ اس نوعیت کے کانسٹی ٹیوشن کو نافذ العمل کرنے کا اقدام ہرگز نہیں ہو سکتا۔

ملک معظم کی حکومت سے وزارتی مشن کے مابہا النزاع نقاط کے متعلق یہ تشریح حاصل کرنے کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو اور سردار بلدیو سنگھ ۷ دسمبر ہی کو لندن سے چل پڑے تاکہ ۹ دسمبر کو دستور ساز اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں شرکت حاصل کر سکیں۔ کانگرس پارٹی نے برطانوی حکومت کی متذکرہ صدر وضاحت کے باوجود ۹ دسمبر کو

دستور ساز اسمبلی کا اجلاس شروع کر دیا اور مسلم لیگ کے نمائندے اس میں شریک نہ ہوئے۔ قائداعظم انگلستان اور امریکہ کی رائے عامہ پر مسلم لیگ کے زاویۂ نگاہ کی وضاحت کرنے کیلئے مزید دو ہفتے وہیں قیام پذیر رہے اور اس دوران میں انہوں نے تقریروں، نشری بیانوں، نمائندگان جرائد کی ملاقاتوں اور دیگر ذرائع سے بہت مفید مطلب کام کیا۔

وائسرائے کی تبدیلی اور انتقال اختیارات کی تاریخ کا تعین:

برطانوی حکومت کے متذکرہ صدر اعلان کے باوجود کانگرسی نمائندوں نے مسلم لیگ کی پروا کئے بغیر دستور ساز اسمبلی کا اجلاس شروع کر دیا لیکن وہ جانتے تھے کہ برطانیہ کی حکومت اس دستور ساز اسمبلی کے بنائے ہوئے دستور اساسی کو ملک کے ان حصوں پر نافذ نہیں کرے گی جو اسے منظور نہیں کریں گے۔ اس طرح مسلمانوں کو منفی حیثیت سے یعنی الگ تھلگ رہنے کے باعث خود بخود پاکستان مل جائے گا۔ اس لئے پنڈت جواہر لال نہرو نے آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا اجلاس بلا کر اس کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا اور تحریک کی کہ برطانوی حکومت کی وہ تصریحات جو اس نے ۶ دسمبر ۱۹۴۶ء کے اعلان میں کی ہیں قبول کر لی جائیں۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اس اجلاس میں بہت سے ممبروں نے اس تجویز کی مخالفت میں زوردار تقریریں کیں لیکن پنڈت نہرو کی تحریک ۶ جنوری ۱۹۴۷ء کو منظور کر لی گئی۔ یہ منظوری محض نمائشی تھی کیونکہ دستور ساز اسمبلی نے مسلم لیگ کی شرکت کا انتظار کئے بغیر اپنا کام جاری رکھا اور بعض فیصلے ایسے کر لئے جو سیکشنوں اور گروپوں کے حق واختیار پر اثر انداز ہوتے تھے۔

۳۱ جنوری ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ نے ملک کی سیاسی رفتار

کا جائزہ لے کر ایک قرارداد منظور کی' جس میں کہا گیا کہ کانگرس اگر دستور ساز اسمبلی میں مسلم لیگ کے اشتراکِ عمل کی خواہاں ہے تو اسے اپنی نیک نیتی کا ثبوت دینے کیلئے اس اسمبلی کی وہ تمام کارروائی منسوخ قرار دے دینی چاہیئے جو اس وقت تک ہو چکی ہے' اور اس امر کا یقین دلانا چاہیئے کہ وہ ۱۶ مئی کے بنیادی اعلان کو انہی معنوں کے ساتھ مانتی ہے جو اس اعلان کے مصنفوں نے ۶ دسمبر ۱۹۴۶ء کے اعلان میں بیان کر دیئے ہیں۔

کانگرسی حلقے اس بات کیلئے تیار نہ تھے' وہ محض نمائشی منظوری کا چکمہ دے کر برطانوی حکومت کو اور مسلمانوں کو فریب دینا چاہتے تھے۔ اس لئے مفاہمت کی کوئی راہ پیدا نہ ہو سکی۔ پنڈت جواہر لال نہرو کا مزاج حالات و واقعات کی اس رفتار پر بہت برہم ہو رہا تھا۔ ایک تو عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت کے باعث ان کا مُطلقانہ اقتدار چھن چکا تھا جو انہیں خالص کانگرسی کابینہ کا رئیس ہونے کے باعث حاصل رہا ہے۔ دوسرے ان کی وہ عیارانہ چال کارگر نہ ہو سکی جو انہوں نے ۶ دسمبر والے سرکارِ برطانیہ کے اعلان کی منظوری کا اعتراف کرنے کی صورت میں چلی تھی۔ پنڈت جواہر لال نہرو اپنے آپ کو ہندوستان کا فرمانروائے مطلق سمجھ رہے تھے اور عبوری حکومت کے مسلم لیگی ارکان سے مشورہ کئے بغیر من مانی کارروائیاں کرتے رہتے تھے۔ بیرونی ملکوں میں جن لوگوں کو سفیر بنا کر بھیجا گیا وہ سب کے سب کانگرسی تھے۔ اس کے جواب میں مسٹر چندریگر جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اپنے ڈھب کے آدمیوں کو ٹریڈ (Trade) ایجنٹ بنا بنا کر بیرونی ملکوں کو بھیجنے لگے تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اس مطلب کا مطالبہ کھڑا کر دیا کہ بیرونی ملکوں کے تجارتی نمائندوں (ٹریڈ ایجنٹوں) کا تقرر بھی ان کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے کیونکہ اُمورِ خارجہ کے کرتا دھرتا وہی ہیں۔ کانگرسی اور مسلم لیگی نمائندوں کے درمیان اس قسم کی رسہ کشی عبوری حکومت میں دیر سے جاری

تھی۔ اب پنڈت جواہر لال نہرو کہنے لگے کہ چونکہ مسلم لیگ نے دستور ساز اسمبلی کی کارروائی میں حصہ لینے سے انکار کردیا ہے' اس لئے وائسرائے کو چاہیئے کہ مسلم لیگ کے نمائندوں کو عبوری حکومت سے نکال دے۔ یہ بات ابھی تک صیغۂ راز ہی میں ہے کہ اس اثنا میں پنڈت جواہر لال نہرو اور برطانیہ کی لیبر گورنمنٹ کے درمیان کس مضمون کے نامہ و پیام ہوتے رہے لیکن ۲۰ فروری کو حکومت برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر اٹیلی نے برطانیہ پارلیمنٹ میں ایک نیا بیان دے کر ایک دنیا کو حیران کردیا۔ اعلان کیا گیا کہ برطانوی حکومت جون ۱۹۴۸ء تک حکومت ہند کے کلی اختیارات ہندوستانیوں کے ہاتھ میں منتقل کردینے کا حتمی ارادہ کرچکی ہے۔ یہ اختیارات بتدریج منتقل ہوتے رہیں گے اور جون ۱۹۴۸ء تک پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیں گے۔ اگر ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی اُس وقت تک کانسٹی ٹیوشن (Constitution) بنانے سے قاصر رہ گئی تو ملک معظم کی حکومت کو یہ سوچنا ہوگا کہ ہندوستان کا حکومتی اقتدار کس کے حوالے کیا جائے۔ آیا یہ اختیارات بحیثیت مجموعی کسی نوعیت کی مرکزی حکومت کے سپرد کئے جائیں یا اقتدار کی زمام صوبائی حکومتوں کو تفویض کردی جائے یا کوئی اور مناسب اور معقول انتظام سوچا جائے جو اہل ہند کے بہترین مفاد کا حامل ہو۔

انتقال اقتدار (Transfer of Power) کی تاریخ معین کرنے کے ساتھ ہی مسٹر اٹیلی نے اعلان کیا کہ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ویول کی میعاد حکومت ختم کر دی گئی ہے' اب ان کی جگہ ویکاؤنٹ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا ویسرائے اور گورنر جنرل مقرر کیا گیا ہے' جو ماہ مارچ میں لارڈ ویول سے اپنے عہدہ کا چارج لے لیں گے۔

برطانیہ کی لیبر گورنمنٹ نے یہ دونوں کام ہندوستان کے کانگرسی حلقوں کو اس امر کا یقین دلانے کیلئے کئے کہ وہ یعنی لیبر گورنمنٹ نیک نیتی سے ہندوستان کو کلی طور پر

آزاد کر دینے کی متمنی ہے۔ حزب مخالف کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے برطانوی وزیر اعظم نے یہ بھی کہا کہ لارڈ مونٹ موبیٹن کو اس ہدایت کے ساتھ ویسرائے اور گورنر جنرل بنایا جا رہا ہے کہ وہ حکومت کے اختیارات ہندوستانیوں کے ہاتھ میں منتقل کرنے کا کام خوش اسلوبی سے انجام دیں۔

حکومت برطانیہ کے اس اعلان نے ہندوستان کے سیاسی واقعات کی رفتار کی کایا پلٹ دی۔ سیاسی لیڈروں کے فکر و عمل میں یکسر نئی تبدیلی آ گئی۔ ہر پارٹی اپنی اپنی جگہ پر سوچنے لگے کہ جب حکومتی اختیارات منتقل ہونے لگیں تو اقتدار کی زمام اسی کے ہاتھ میں آ جائے۔ اس نئے اندازِ فکر نے ہندوستان کی سرزمین میں کیا گل کھلائے اس کا حال آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔ سر دست بعض دوسرے اہم واقعات کا تذکرہ کر دینا ضروری ہے جو اس اثنا میں یعنی آغاز دسمبر ۱۹۴۶ء سے اواخر فروری ۱۹۴۷ء تک ظہور پذیر ہوئے۔

ضلع ہزارہ میں فساد:

بمبئی میں فرقہ وار فسادات یعنی چھرے گھونپنے کی وارداتوں کا جو لامتناہی سلسلہ ۲ستمبر ۱۹۴۶ء سے شروع ہوا تھا، کم و بیش شدت کے ساتھ برابر جاری رہا۔ اواخر دسمبر میں بمبئی میں آتش فساد تیز ہو گئی۔ الہ آباد میں بھی دسمبر کے آخری دنوں فرقہ وار فسادات نے شدید نوعیت اختیار کر لی۔ جنوری ۱۹۴۷ء کے آغاز میں ایک نئے علاقہ میں فساد کی آگ بھڑکی وہ شمالی مغربی سرحدی صوبہ کا ضلع ہزارہ تھا۔ اس علاقہ کے بعض دیہات میں مسلمانوں نے ہندوؤں اور سکھوں پر حملے کئے۔ معمولی سا جانی اور مالی نقصان ہوا اور دو تین ہزار کے قریب ہندو اور سکھ بے خانماں ہو گئے۔

حملہ آوروں میں آزاد علاقہ کے کچھ قبائلی بھی شامل تھے۔ حکام نے جلد ہی صورتحال پر قابو پالیا اور آزاد قبائل کے لوگوں پر تعزیری جرمانے عائد کیے گئے۔

صوبہ سرحد کے کانگرسی وزیر اعظم ڈاکٹر خان صاحب نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ ضلع ہزارہ کے فسادات کی نوعیت غیر فرقہ وارانہ ہے۔ اس کے بانی وہ لوگ ہیں جو لوٹ مار کی تلاش میں رہتے ہیں۔

مسلم لیگ کا ڈائرکٹ ایکشن:

اکتوبر کے آخری اور نومبر کے ابتدائی ہفتہ میں بہار کے اندر مسلمانوں کے قتل عام سے ملک بھر میں فرقہ وار کشیدگی کی رَو کا ترقی پا جانا لازمی امر تھا۔ اس کے علاوہ گڈھ مکتیشور کے میلہ میں بھی ہندوؤں نے بے خبر مسلمانوں پر وحشیانہ حملے کر کے پنجاب کی سرحد کے قریب فرقہ وار امن مختل کر دیا۔ اس میلے میں ضلع رہتک کے ہندو جاٹ بھی کثیر تعداد میں شامل ہوئے تھے، جنہوں نے واپس آتے ہوئے مسلمانوں کے متعدد دیہات پر حملے کیے۔ یہ حال دیکھ کر پنجاب کی حکومت نے اپنے ہاں کی مخلوط وزارت (جو اتحاد پارٹی، کانگرس اور اکالی پارٹی پر مشتمل تھی) کے مشورہ سے صوبہ میں پبلک سیفٹی آرڈی نینس (تحفظ عامہ کا ہنگامی ضابطہ) نافذ کر دیا، جس کے رُو سے اضلاع کے حاکموں کو فسادات کا سدِ باب کرنے کیلئے بہت وسیع اختیارات سونپ دیئے گئے۔ عوام الناس سے تقریر و اجتماع کی آزادیاں سلب کر لی گئیں۔ اخبارات پر کئی قسم کی پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ اس ہنگامی قانون کے اختیارات کے رُو سے ۲۴ جنوری ۱۹۴۷ء کو حکومت پنجاب نے راشٹریہ سیوک سنگھ اور مسلم لیگ کے نیشنل گارڈز کی رضا کارانہ تنظیموں کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ راشٹر سیوک سنگھ ایک آزاد اور غیر ذمہ دارانہ نظام تھا جو ملک

بھر میں فسادات برپا کرنے کیلئے قائم کیا گیا تھا۔ مسلم لیگ کا نیشنل گارڈز کا نظام ایک ذمہ دار سیاسی انجمن کا جزو لاینفک تھا۔ لہٰذا مسلم لیگ نے حکومت پنجاب کے اس حکم کو اپنی جائز سیاسی سرگرمیوں پر ضرب کے مترادف خیال کیا۔ حکومت پنجاب کی پولیس نے یہ حکم صادر ہونے کے ساتھ ہی صوبائی مسلم لیگ کے دفاتر پر چھاپہ مارا اور نیشنل گارڈز کے ہیڈ کوارٹر کی تلاشی لینے کا مطالبہ کیا۔ صوبائی مسلم لیگ کے مقتدر لیڈر دفتر میں جمع ہو گئے اور سب نے فیصلہ کیا کہ تلاشی نہیں دی جائے گی اور حکومت پنجاب کے اس ناروا حکم اور قانون کی خلاف ورزی کی جائے گی۔ صوبائی مسلم لیگ کے تمام لیڈر گرفتار کر لئے گئے اور مسلم لیگ نے سول لبرٹی (عوام کی شہری آزادی) کو بحال کرانے کیلئے آرڈی نینس کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک جاری کر دی۔ پولیس نے پنجاب بھر میں مسلم لیگ اور نیشنل گارڈز کے دفاتر پر چھاپے مار کر تلاشیاں لی تھیں' اس لئے سول نافرمانی کی تحریک صوبہ بھر میں بیک وقت شروع ہو گئی۔

مسلمان ہر جگہ جلسے منعقد کر کے اور جلوس نکال کر آرڈی نینس کی خلاف ورزی کرنے لگے۔ حکومت پنجاب نے اس تحریک کو تشدد سے دبانے کی کوشش کی' مردوں' عورتوں اور بچوں کے جلوسوں پر اشک آور (آنسو) گیس چھوڑی گئی۔ دھڑا دھڑ گرفتاریاں ہونے لگیں۔ حکومت پنجاب نے تین دن کے بعد مسلم لیگ کے نیشنل گارڈز کو خلافِ قانون قرار دینے کا حکم واپس لے لیا اور ان لیڈروں کو جو تلاشی کی مزاحمت کے سلسلے میں گرفتار ہوئے تھے رہا کر دیا لیکن مسلم لیگ کی سول لبرٹی کی تحریک جاری رہی۔

مسلم لیگ کے ڈائرکٹ ایکشن کی یہ تحریک مہینہ بھر جاری رہی۔ مسلمانوں نے ہزار ہا کی تعداد میں اپنے آپ کو گرفتاری کیلئے پیش کرنا شروع کر دیا۔ پنجاب میں جا بجا جلسے منعقد ہوتے رہے اور جلوس نکلتے رہے۔ لاہور میں بعض ہندوؤں نے

مسلمانوں کے ایک ایسے جلوس پر اینٹ پھینک کر ایک مسلمان کو شہید کر دیا لیکن مسلمان اشتعال میں نہ آئے اور فضا فرقہ وار فساد سے محفوظ رہی۔ پنجاب کے کونے کونے میں جلسوں، جلوسوں اور مظاہروں کی بہتات اور تکرار نے پبلک سیفٹی آرڈی نینس کو عملاً بیکار اور معطل بنا کر دکھا دیا۔ پولیس نے اکثر مقامات پر لاٹھی چارج بھی کیے۔ اشک آور (آنسو) گیسیں بھی استعمال کیں۔ گولیاں بھی چلائیں لیکن تحریک زور پکڑتی گئی۔ آخر ۳۴ دن کی کشمکش کے بعد ۲۶ فروری ۱۹۴۶ء کو حکومت پنجاب اور مسلم لیگ کے درمیان اس بناء پر مفاہمت ہو گئی کہ آرڈی نینس ہٹا دیا جائے گا اور اس کے بجائے پنجاب اسمبلی میں صوبہ کا امن بحال رکھنے کیلئے کوئی مسودۂ قانون باقاعدہ پیش کیا جائے گا۔ جلسوں پر کسی قسم کی پابندی نہ ہو گی، البتہ جلوس نکالنے کی ممانعت جاری رہے گی۔ قیدی رہا کر دیئے جائیں گے۔ اس مفاہمت سے ۶ دن پہلے برطانوی حکومت کا وزیر اعظم اعلان کر چکا تھا کہ جون ۱۹۴۸ء تک حکمرانی کے اختیارات ہندوستانیوں کے ہاتھ میں منتقل کر دیئے جائیں گے۔

۲۱ فروری ۱۹۴۷ء سے شمال مغربی سرحدی صوبہ میں بھی مسلم لیگ نے شہری آزادی کا حق بحال کرانے کیلئے سول نافرمانی کی مہم شروع کر دی کیونکہ وہاں کی کانگرسی وزارت بھی مسلم لیگ کی سیاسی سرگرمیوں کی راہ میں طرح طرح کے روڑے اٹکا رہی تھی۔ اس نے بھی جا بجا جلسے منعقد کرنے اور جلوس وغیرہ نکالنے پر پابندیاں عائد کر رکھی تھیں۔ اس تحریک کا حال آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔

پنجاب کے سکھوں کی پوزیشن:

پنجاب کی سیاسی انجمنوں کا تذکرہ کرنے سے پہلے ایک عجیب و غریب قوم کا

کچھ حال بیان کر دینا ضروری ہے جو سکھ کہلاتی ہے۔ یہ قوم پنجاب کی ایک اہم اقلیت تھی۔ ساری آبادی میں اس کا تناسب ۱۴ فیصدی سے زیادہ نہ تھا‘ لیکن انگریزوں کی آمد سے پہلے یہ قوم کوئی چالیس سال کیلئے پنجاب اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کی حکمران رہ چکی تھی۔ انگریزوں نے پنجاب کا ملک ۱۸۴۶ء میں سکھوں کے ہاتھ سے چھینا تھا لیکن انگریزی عملداری قائم ہونے کے ساتھ ہی سکھ انگریزوں کے مطیع و فرمانبردار بن گیے اور سرکاری فوج میں بھرتی ہونے لگے۔ سکھ درحقیقت ہندو سماج ہی کی ایک شاخ تھے لیکن انگریزوں نے انہیں اہمیت دے کر جداگانہ قوم قرار دے لیا‘ اور سیاسی حقوق کی بانٹ کے معاملہ میں ہمیشہ ان کی خاطرداری کو ملحوظِ خاطر رکھا۔

سکھوں کی جمعیت پہلے پہل ایک مذہبی فرقہ کی حیثیت سے نمودار ہوئی۔ ان کے پہلے گرو بابا نانک صاحب تھے جو ظہیر الدین بابر بادشاہ کے عہد میں درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے عہد کے مسلمان صوفیا اور اولیائے کرام کے بہت عقیدت مند تھے۔ انہوں نے اپنے چیلوں کی ایک جمعیت قائم کی جو سکھ کہلاتے تھے۔ یہ جمعیت آہستہ آہستہ زور پکڑتی گئی‘ اور کوئی دو سو سال تک اس کی سرگرمیاں محض مذہبی رنگ تک محدود رہیں جب یہ جمعیت زیادہ ہو گئی تو اس کے گوروں نے جو ہندو سماج سے آتے تھے اسے سیاسی مقاصد کیلئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اُن ہندوؤں نے جو شاہان مغلیہ کے اقتدار کے خلاف سازباز کرتے رہتے تھے‘ اس فرقہ کی جتھے بندی کو باغیانہ سرگرمیوں پر لگا دیا۔ ہندوؤں نے دہلی کے مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد (۱۶۶۵ء سے ۱۷۰۷ء) تک میں جابجا باغیانہ تحریکیں جاری کیں۔ ان میں مرہٹوں‘ ست نامیوں اور سکھوں کی شورشیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ پنجاب میں ہندوؤں نے سکھوں کی مذہبی گروہ بندی کو اپنا آلۂ کار بنایا۔ اس وقت اس فرقہ کے گرو گوبند سنگھ نامی ایک بزرگ

تھے۔ گورو گوبند سنگھ نے ”روپڑ“ کے قریب موضع انند پور سکھووال کو اپنا مرکز قرار دے کر سکھوں کی فوجی تنظیم شروع کر دی۔ انہیں عسکری حیثیت سے عام ہندو سماج سے ممتاز کرنے کیلئے 'کنگھا' 'کڑا' 'کاچھا' 'کرپان' اور کیس پانچ امتیازی نشان رکھنے کا مکلف بنایا۔ ”رن جیت“ نام سے ایک بڑا نقارہ رکھا جو اس زمانہ میں حکمرانی کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ گرو گوبند سنگھ کی جمعیت اور عسکری طاقت کو زور پکڑتے دیکھ کر دربار دہلی کی سیاست نے پہلے مشرقی کوہستان کے ہندو راجاؤں کو شہ دی جن کا سلسلہ جموں سے لے کر گڑھوال تک پھیلا ہوا تھا۔ ان راجاؤں نے گرو گوبند سنگھ کی خالصہ فوج کے ساتھ لڑائیاں کیں لیکن شکست کھائی۔ ان جنگوں میں ساڈھورہ ضلع انبالہ کے ایک سجادہ نشین بزرگ سید بدرالدین گیلانی عرف سائیں بدھو شاہ کی عملی امداد بھی گورو گوبند سنگھ کو حاصل تھی۔ کوہستانی راجاؤں پر فتح حاصل کرنے کے بعد گورو گوبند سنگھ کی طاقت اور بھی بڑھ گئی۔ ان کی خالصہ فوج نے مشرقی پنجاب کے متعدد مقامات پر قلعے تعمیر کر لئے اور شہنشاہ دہلی کے خلاف ان کی باغیانہ سرگرمیوں تیز تر ہو گئیں۔ یہ حال دیکھ کر سرہند کے حاکم (گورنر) کو سکھوں کی سرکوبی کا حکم ملا۔ حاکم سرہند نے گورو گوبند سنگھ کی خالصہ فوج کو متعدد مقامات پر دعوتِ پیکار دے کر شکستیں دیں۔ گورو گوبند سنگھ شکست کھا کر بھاگا اور روپوش ہو گیا۔ اُس کے مسلمان دوستوں نے جن میں ایک اس کے اُستاد قاضی پیر محمد ساکن سلوہ ضلع انبالہ بھی تھے۔ اُسے شاہی پولیس سے بچانے میں بہت مدد دی۔ بہت سے سکھوں نے مشرقی کوہستان کی پہاڑیوں میں پناہ لی۔ گورو گوبند سنگھ اس روپوشی کے عالم میں دمدمہ صاحب پہنچے۔ جہاں سے انہوں نے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی خدمت میں ایک منظوم معافی نامہ بھیجا۔ گورو گوبند سنگھ کی یہ فارسی نظم ”ظفر نامہ“ کے عنوان سے معنون ہے۔ شہنشاہ اورنگ زیب نے گورو کا قصور معاف کر دیا اور انہیں اپنے پاس دکن میں بلا

بھیجا‘ کیونکہ شہنشاہ ان دنوں دکن کی مہمات کو سر کرنے میں مصروف تھے۔ گورو گوبند سنگھ اورنگ زیب کی وفات کے بعد دکن پہنچے۔ شہنشاہ کے جانشین بہادر شاہ اوّل نے انہیں اپنی ملازمت میں لے لیا اور منصب عطا کر کے ناندیر بٹھا دیا۔ جہاں ایک پٹھان نے جس کے باپ کو گورو گوبند سنگھ نے قتل کرا دیا تھا‘ گورو کو قتل کر دیا۔

گورو گوبند سنگھ کے اس طرح قتل ہو جانے کے بعد بندہ بیراگی نام ایک ہندو نے پنجاب میں سکھ جمعیت کی عنانِ قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس جمعیت کو عام مسلمانوں کے خلاف اشتعال دلا کر ضلع انبالہ میں ہڑبونگ مچا دی۔ پہلے اس نے دریا جمنا اور دریائے ستلج کے درمیانی علاقہ میں متعدد قصبات کو تاخت و تاراج کیا۔ پھر ضلع سہارن پور میں مسلمانوں کو قتل عام کیا۔ بعد ازاں اس کی جمعیت دوآبہ بست جالندھر میں داخل ہوئی اور وہاں عام تباہی مچائی۔ پھر دریائے بیاس کو عبور کر کے بندہ بیراگی بٹالہ پہنچا اور مسلمانوں کا قتل عام کرتا ہوا لاہور کے قریب تک پہنچ گیا۔ جہاں لاہور کے حاکم نے اسے آگے بڑھنے سے روکا۔

بندہ بیراگی اور اس کے سکھ چیلے انتہا درجہ کے سفاک اور وحشی تھے۔ انہوں نے عام مسلمانوں کا خون بہانا‘ مسلمان عورتوں کی بے عزتی کرنا‘ بچوں کو نیزوں پر چڑھانا‘ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے جنینوں تک کو ذبح کرنا اپنا مذہبی فریضہ سمجھ رکھا تھا۔ یہ لوگ شہروں‘ قصبوں اور گاؤں کو آگ لگا دیتے تھے۔ مسجدوں‘ مقبروں‘ مزاروں اور بڑی بڑی عمارتوں کو منہدم کر دیتے تھے۔ بندہ بیراگی کی اس سکھ گردی کے دور میں نہ تو حکومت دہلی کا نظام مسلمانوں کی حفاظت کر سکا‘ نہ عام مسلمان ان کا مقابلہ کرنے کیلئے آگے بڑھے۔ دربار دہلی کی گرفت بہت ڈھیلی پڑ چکی تھی۔ اُمراء اور حکام عیش و عشرت میں مصروف ہو کر اپنے فرائض منصبی سے غافل تھے۔ عام مسلمان کاہل اور بزدل بن چکے

تھے۔ اس لئے بندہ بیراگی کے ہاتھوں اس تباہی کا شکار ہو گئے۔

اتنا کچھ ہو لیا تو دہلی کے فرمانروا بہادر شاہ اوّل نے جنبش کی اور لشکر لے کر لاہور کی طرف آیا۔ شاہی لشکر کی یلغار کی اطلاع پا کر بندہ بیراگی مشرقی کوہستان کی پہاڑیوں کی طرف بھاگ گیا۔ شہنشاہ نے اس کی سرکوبی کیلئے لشکر دے کر سالار بھیجے لیکن بادشاہ جلد ہی فوت ہو گیا۔ اس کے چار بیٹوں کے درمیان تختِ شاہی حاصل کرنے کیلئے لڑائی ہونے لگی۔ جہاں دار شاہ غالب آیا اور باپ کی میت لے کر دہلی چلا گیا۔ جہاندار شاہ دہلی پہنچ کر عیش و عشرت میں مصروف ہو گیا اور بندہ بیراگی کو ایک دفعہ پھر مشرقی پنجاب میں تباہی مچانے کا موقع مل گیا۔

جہاندار شاہ کے جانشین فرخ شیر نے نواب عبدالصمد خان کو پنجاب کا حاکم مقرر کیا۔ نواب عبدالصمد خان نے بندہ بیراگی کی سرکوبی کی اور اسے شکستیں دے کر ضلع گورداس پور کے مقام لوہگڈھ میں اسے گرفتار کر لیا۔ بندہ بیراگی شہنشاہ دہلی کے دربار میں بھیجا گیا جہاں وہ شہنشاہ کے حکم سے کیفرِ کردار کو پہنچا یعنی اسے موت کی سزا دی گئی

اس کے باوجود سکھ فرقہ کے لوگ شرارتوں سے باز نہ آئے اور وقتاً فوقتاً شورشیں بلند کرتے رہے۔ پنجاب کے اچھے گورنر ان کی شورشوں سے عہدہ برآ ہوتے رہے لیکن بعض مسلمان نواب اپنی ذاتی اعتراض کی بناء پر انہیں شہ دیتے اور بھڑکاتے رہے۔ دہلی کے مغل شہنشاہوں کا اقتدار روبہ زوال تھا۔ اس لئے اٹھارویں صدی مسیحی کے وسط میں پنجاب کی سرزمین طوائف الملوکی کی آماجگاہ بن گئی۔ مسلمان نوابوں اور سکھ سرداروں نے جا بجا اپنی ریاستیں اور جاگیریں قائم کر لیں۔ اُن کے درمیان حلقہ اثر و اقتدار کو وسعت دینے کیلئے جنگیں ہونے لگیں۔ عام مسلمان سکھوں کی چیرہ دستیوں کے ہاتھوں پھر مبتلائے آلام ہونے لگے۔ ان حالات میں پنجاب کے مظلوم اور ستم رسیدہ

مسلمانوں کی دعوت پر افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ ابدالی نے پنجاب کی سرزمین میں یلغاروں کا سلسلہ شروع کیا اور سکھوں کی سرکوبی کر کے پنجاب کے مسلمانوں کو اُن کے ظلم وستم سے چھڑایا۔ ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش دے کر دہلی کے مغل شہنشاہ کو اور ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندوؤں کے ظلم وستم سے نجات دلائی۔ احمد شاہ ابدالی نے تختِ دہلی کو تو مغلوں کے شاہی خاندانی کیلئے چھوڑ دیا لیکن پنجاب کے صوبہ کو افغانستان کی مملکت درانیہ میں شامل کرلیا۔ پنجاب کے سکھ افغانوں کے مطیع وفرمانبردار بن کر خراج اطاعت ادا کرنے لگے۔ اس لئے سکھوں کی مسلیں اور جاگیرداریاں بدستور قائم ہیں۔

احمد شاہ ابدالی کے جانشین زمان شاہ کو ۱۷۹۸ء میں پنجاب پر لشکر کشی کرنے کی ضرورت پیش آئی لیکن کابل سے اس کی غیر حاضری کے باعث وہاں اس کے بھائیوں نے بغاوت کا علم بلند کردیا۔ زمان شاہ کو عجلت کے ساتھ واپس جانا پڑا۔ دریائے جہلم ان دنوں طغیانی پر تھا، اس لئے اسے اپنی چند بھاری بھرکم توپیں جو دلدل میں پھنس گئی تھیں وہیں چھوڑنی پڑیں۔ بھنگیوں کی سکھ مسل کے ہونہار اور نوجوان سردار رنجیت سنگھ نے وہ توپیں نکلوا کر بادشاہ کے پاس کابل بھجوادیں۔ زمان شاہ نے خوش ہوکر رنجیت سنگھ کو لاہور کا حاکم بنادیا اور اس مضمون کی شاہی سند اُسے بھجوادی۔ رنجیت سنگھ لشکر لے کر لاہور پہنچا اور زمان شاہ کے گورنر کی حیثیت سے پنجاب کا حکمران بن گیا۔ لاہور اور پنجاب کے مسلمان رئیسوں اور نوابوں نے رنجیت سنگھ کی امداد کی۔ زمان شاہ کی وفات کے بعد جب دُرّانی خاندان کے افغان شہزادوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی اور افغانوں کو پنجاب کے معاملات کی طرف توجہ دینے کی فرصت نہ مل سکی تو رنجیت سنگھ پنجاب کا خود مختار فرمانروا بن بیٹھا۔ اس نے اپنے دائرہ اقتدار کو انبالہ سے لے کر درۂ خیبر تک وسعت

دہلی اور پنجاب کا مہاراجہ کہلانے لگا۔ انگریزوں نے ۴۸ ۔ ۱۸۴۶ء میں پنجاب کا ملک مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جانشینوں کے ہاتھ سے چھینا اور سکھ دو چار شکستیں کھانے کے بعد انگریزوں کے وفادار بن گئے۔

۱۹۴۶ء میں سے یعنی اس واقعہ کے سو سال بعد جب ہندوستان میں آزادی و خودمختاری کے چرچے تیز ہونے لگے تو پنجاب کے سکھ مسلمانوں کے مطالبۂ پاکستان کی مخالفت میں ہندوؤں کے ساتھ ہم نوا اور ہم آہنگ نظر آرہے تھے بلکہ یہ کہہ رہے تھے کہ انگریزوں کو چاہیئے کہ پنجاب کی حکومت سکھوں کے ہاتھ سپرد کر کے جائیں۔ مسلم لیگ کے زعمانے بہت کوششیں کیں کہ سکھوں کو جو صرف پنجاب کی اقلیت ہیں مطالبۂ پاکستان کا حامی بنالیں اور اُن سے فیاضی کا سلوک کریں۔ لیکن سکھوں نے بیسویں صدی مسیحی کے سیاسی انقلابات میں بھی اٹھارویں صدی مسیحی کی طرح ہندوؤں کا آلۂ کار بننے کو ترجیح دی اور ہر بات میں مسلمانوں کی مخالفت کرنے کیلئے کمر بستہ نظر آنے لگے۔

ماسٹر تارا سنگھ کے جنگجویانہ بیانات:

سکھوں میں ماسٹر تارا سنگھ نامی ایک شخص کو وہی پوزیشن حاصل تھی جو مسلمانوں میں قائداعظم مسٹر محمد علی جناح کو اور ہندوؤں میں مہاتما گاندھی کو میسر آچکی تھی۔ یہ شخص اپنی قوم کی خدمت کرنے کے باعث سکھوں کا سب سے بڑا لیڈر بن چکا تھا۔ اس نے تیسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ سکھ قوم نے ۱۹۴۰ء میں جبکہ انگریز جرمنوں کے مقابلے میں ہزیمت اُٹھاتے نظر آرہے تھے۔ پنجاب پر مسلط ہونے کیلئے سازش تیار کر رکھی تھی اور اس کیلئے تیاریاں بھی مکمل کرلی تھی۔ سکھ پہلے امرت سر پر اور بعدازاں لاہور پر قبضہ جمانے کیلئے ضروری تدابیر اختیار کر چکے تھے۔ ان کی یہ جتھا

بندی سرکار برطانیہ کے خلاف نہ تھی بلکہ انگریزوں کے گر جانے کی صورت میں وہ پنجاب کا راج حاصل کرنے کا ارادہ کر رہے تھے، لیکن سر سکندر حیات خاں نے جو اُن دنوں خود مختار پنجاب کے وزیر اعظم تھے، سکھوں کی اس سازش کا سراغ لگا کر انگریز حکمرانوں کو سکھوں سے بیزار کرنے کی کوشش کی اور مہاراجہ پٹیالہ کو بھی اس سازش کا شریک قرار دے کر جتلائے آلام کرنے کی ٹھان لی۔ ماسٹر تارا سنگھ کے اس بیان ہی سے مسلمان لیڈروں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں تھیں لیکن مسلمان لیڈر اور مسلم عوام سکھوں کو پرکاہ کی وقعت نہیں دیتے تھے۔ اس لئے وہ ان کے لیڈر کے بیانات کو ہفوات محض خیال کرنے کے عادی بن چکے تھے۔ اس ماسٹر تارا سنگھ نے برطانوی وزارتی مشن کی اسکیم کے اعلان مجریہ ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کے تین دن بعد ایک بیان جاری کیا جس میں مشن کی اسکیم کو سکھوں کیلئے ناقابل قبول قرار دیتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا:

> ”انگریز ہندوستان سے چلے جائیں۔ اس کے بعد سکھ مسلمانوں سے پُرامن طریق سے یا طاقت آزمائی سے حساب فہمی کر لیں گے۔ انگریز یہودیوں کو ان کے وطن فلسطین کا قبضہ دلا رہے ہیں، مگر پنجاب کے سکھوں کو ان کے وطن سے بے دخل کر رہے ہیں۔ مگر اکال پرکھ سچا بادشاہ سب سے بڑا ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے، آنے والی آزمائش سے نبٹنے کیلئے وہ ہمیں قوت اور جرأت عطا کرے گا“۔

ماسٹر تارا سنگھ کی طرف سے سکھوں کے جنگ جویانہ عزائم کا یہ پہلا اعلان تھا لیکن مسلمانوں کے ارباب قیادت نے حسب عادت اس کا نوٹس تک نہ لیا۔

۶ جنوری ۱۹۴۷ء کو جب آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے برطانوی حکومت کی وہ تصریحات قبول کر لیں جو وزیر اعظم انگلستان نے ہندوستانی لیڈروں کی گول میز کانفرنس

کے بعد مورخہ ۶ دسمبر ۱۹۴۶ء کو پارلیمنٹ میں بیان کی تھیں تو ماسٹر تارا سنگھ نے ایک خبر رساں ایجنسی کے نمائندہ کو بیان دیتے ہوئے کہا:

> ”کانگرس کے اس فیصلے نے سکھوں میں عام ناراضی پیدا کر دی ہے۔ اس فیصلے نے مسلم لیگ کی پوزیشن کو مضبوط تر اور سکھوں کی پوزیشن کو کمزور کر دیا ہے۔ سکھ پنجاب میں مسلمانوں کے استیلا کے خلاف جنگ جاری رکھنے کا عزمِ صمیم کر چکے ہیں۔ میں سرِ دست یہ نہیں بتا سکتا کہ یہ لڑائی کب شروع ہو گی“۔

ماسٹر تارا سنگھ کی طرف سے سکھوں کے جنگی ارادوں کا یہ کھلم کھلا اعلان تھا لیکن مسلمانوں کے اربابِ قیادت اس جانب سے بدستور غافل رہے۔ ان کا خیال تھا کہ ماسٹر تارا سنگھ بھی ہماری طرح بڑھ چڑھ کر باتیں بنا رہا ہے۔ ان کی تہ میں کسی قسم کا عزمِ پیکار کسی قسم کی سازش اور کسی نوعیت کی تیاری کار فرما نہیں۔

۲۲ فروری ۱۹۴۷ء کو جب پنجاب میں مسلم لیگ کی طرف سے سول نافرمانی کی تحریک زوروں پر جاری تھی اور صاف نظر آنے لگا تھا کہ حکومتِ پنجاب کو مسلم لیگ کے جائز مطالبات کے سامنے جھکنا پڑے گا تو سکھوں کے ایک جلسۂ عام میں جو گورو کا باغ امرتسر میں منعقد ہوا ماسٹر تارا سنگھ نے اکالی رجمنٹ کے قیام پر زور دیتے ہوئے کہا:

> ”مسلم لیگ والے شہری آزادی کے نام پر جلوس نکال نکال کر ہندوؤں اور سکھوں کو مرعوب کر رہے ہیں۔ دراصل ان کا مقصد پنجاب کی کوالیشن (مخلوط) وزارت کو توڑنا ہے۔ کوالیشن وزارت کو توڑنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ پنجاب میں خالص اسلامی راج قائم کر لیا جائے لیکن سکھ پنجاب کی سرزمین میں پاکستان ہرگز نہ بننے دیں گے“۔

۲۸ فروری ۱۹۴۷ء کو جب پنجاب میں مسلم لیگ کی تحریک حکومت کے مقابلے میں شاندار فتح حاصل کر چکی تھی، ماسٹر تارا سنگھ نے "نیویارک ٹائمز" کے وقائع نگار کو حسب ذیل بیان دیا:

> "میں نہیں کہہ سکتا کہ ہم خانہ جنگی کو ٹال سکیں گے۔ تاہم ہمیں اس کیلئے لازمی طور پر کوشش کرنی پڑے گی۔ اگر مسلمان پنجاب پر حکومت کرنا چاہیں تو ان کے ساتھ ہماری کوئی مفاہمت نہیں ہو سکے گی، ہم کسی حالت میں بھی مسلمانوں پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ ہم نے اپنی پرائیوٹ فوج کو از سرِ نو منظم کرنا شروع کر دیا ہے۔ سکھوں میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ مسلمانوں کو مشرقی پنجاب سے دُور رکھ سکیں لیکن یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہو جائے گا، بھلا ہم رُکنے والے کیوں ہوں ہم تو مسلمانوں کو سارے پنجاب سے بالکل بے دخل کر کے رہیں گے"۔

سکھوں کی طرف سے اعلانِ جنگ:

۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو پنجاب اسمبلی کا بجٹ سیشن شروع ہو رہا تھا لیکن اس روز پنجاب کی سیاسیات نے یکا یک پلٹا کھایا۔ پنجاب کی مخلوط وزارت کے وزیر اعظم ملک سر خضر حیات خان ٹوانہ نے راتوں رات اپنا اور اپنی وزارت کا استعفا گورنر پنجاب کی خدمت میں پیش کر دیا، جو گورنر نے منظور کر لیا۔ ۳ مارچ کی صبح کو گورنر پنجاب نے مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر خان افتخار حسین خان رئیس ممدوٹ کو گورنمنٹ ہاؤس میں بلایا اور وزارت بنانے کیلئے کہا۔ خان افتخار حسین نے یہ دعوت قبول کر لی اور گورنر کو یقین دلایا کہ مسلم لیگ پارٹی اس پوزیشن میں ہے کہ وزارت کا دھندا چلا سکے اسمبلی کا اجلاس ۱۲ بجے شروع ہونا

تھا۔ خان ممدوٹ گورنمنٹ ہاؤس سے سیدھے اسمبلی چیمبر میں پہنچے اور اپنے رفقا کو یہ مژدہ سنایا کہ میں نے نئی وزارت بنانے کی دعوت قبول کرلی ہے۔ ٹھیک ۱۲ بجے اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا اور انعقاد کے بعد گورنر کے حکم کے باعث ملتوی کر دیا گیا۔ اُدھر اسمبلی چیمبر کے کسی کمرے میں اسمبلی کی پنتھک پارٹی کے ممبر جمع ہو کر نئی صورت حال پر غور کر رہے تھے۔ پنتھ کے لیڈر ماسٹر تارا سنگھ بھی اس جلسے میں موجود تھے۔ یہ سکھ ممبر ماسٹر تارا سنگھ کی قیادت میں جنھوں نے اپنی کرپان کندھے پر رکھی ہوئی تھی۔ ٹھیک بارہ بجے "پاکستان مُردہ باد" کے نعرے لگاتے ہوئے کمرے سے باہر نکلے اور اس طرح ہلڑ مچاتے ہوئے بیرونی گیٹ کی سیڑھیوں پر آن کھڑے ہوئے۔ ماسٹر تارا سنگھ (پنتھ کے لیڈر) اور سردار سورن سنگھ (اسمبلی کی پنتھک پارٹی کے لیڈر) نے اپنی کرپانیں بے نیام کر کے ہوا میں لہرائیں اور "پاکستان مردہ باد" کے نعرے لگائے۔ اسمبلی کے باہر سڑک پر اور باغ میں مسلمانوں کا ایک مجمع کھڑا تھا۔ وہ اشتعال میں آ کر "پاکستان زندہ باد" کے نعرے مارنے لگا۔ اس جگہ پر تصادم کا سخت خطرہ پیدا ہو گیا لیکن مسلم لیگ کے لیڈروں نے مسلم عوام سے اپیل کی کہ وہ وقار کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ مسلمان وہاں سے ہٹ گئے اور اسمبلی کی پنتھک پارٹی کے ممبر بھی خاموش ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

اسمبلی چیمبر کی سیڑھیاں تو فرقہ وارانہ فساد سے بچی رہیں لیکن ماسٹر تارا سنگھ کے ننگی تلوار کے مظاہرہ نے پنجاب بھر میں فتنہ و فساد کی آگ مشتعل کر دی۔ وہ جنگ جس کی دھمکیاں دیر سے دی جا رہی تھیں، بالآخر شروع ہو گئی۔

پنجاب میں فسادات:

۳ مارچ کی شام کو ہندو اور سکھ لیڈروں نے ڈی اے وی کالج اور سکھ نیشنل کالج

میں جا کر ہندو اور سکھ طلبہ کے سامنے تقریریں کیں۔ ۴ مارچ کی صبح نمودار ہوئی تو ہندو اور سکھ طالب علموں کی ٹولیاں "پاکستان مردہ باد" کے نعرے لگاتی ہوئی انار کلی، مال روڈ اور دوسری سڑکوں پر گشت کرتی نظر آئیں۔ پولیس نے انہیں جلوس بنا کر چلنے سے روکنے کی کوشش کی۔ طلبہ نے پولیس پر اینٹوں اور سنگریزوں کی بارش برسانی شروع کر دی۔ دو تین جگہ طلبہ اور پولیس کے درمیان تصادم ہوا۔ بعض مقامات پر پولیس کو گولیاں بھی چلانی پڑیں۔ ہندو اور سکھ طلبہ کی یہ ٹولیاں ہلڑ مچاتی ہوئی جہاں جاتی تھیں مسلمانوں کی دکانوں پر سے مسلم لیگ کی جھنڈیاں نوچ نوچ کر پھاڑ رہی تھیں۔ مسلمانوں نے یہ جھنڈیاں دو دن پہلے سول نافرمانی کی تحریک میں فتح حاصل کرنے کی تقریب میں لگائی تھیں۔

دوپہر کے بعد ڈی۔ اے وی کالج لاہور میں سکھ اور ہندو لیڈروں کی ایک کانفرنس ہوئی، جس میں فیصلہ کیا گیا کہ صرف سکھوں کے نعرے لگائے جائیں۔ اس کانفرنس میں ماسٹر تارا سنگھ، گیانی کرتار سنگھ، سردار اودھم سنگھ ناگو کے ڈاکٹر گوپی چند وغیرہم شامل تھے۔

سہ پہر کو شاہ عالمی دروازہ کے باہر چوک متی اور چوک رنگ محل میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فساد شروع ہو گیا، جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ ہندوؤں نے ایک مسلمان کو جو شاہ عالمی دروازہ کے باہر، مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا، چھرا گھونپ کر ہلاک کر دیا۔ مچھی ہٹہ میں بھی ایک مسلمان مارا گیا، رنگ محل اور چوک متی میں ہندوؤں کی جمیتوں نے بار بار گشت کئے، جو مسلمانوں کے خلاف بے حد اشتعال انگیز نعرے مار رہی تھیں۔ ان واقعات کے باعث اندرون شہر میں عام فساد شروع ہو گیا۔

۵ مارچ ۱۹۴۷ء کی صبح کو سارے لاہور میں قتل و خونریزی کی وارداتیں ہونے لگیں اور ہر قسم کے کاروبار معطل ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی امرتسر، گوجرانوالہ، راولپنڈی

اور ملتان میں بھی بلوے شروع ہو گئے۔ امرتسر میں دن کے نصف اوّل میں درجن بھر مسلمان مہلک طور پر مجروح ہوئے۔ اس کے بعد ہندو اور سکھ مجروحین ہسپتال میں داخل ہونے لگے۔ گوجرانوالہ میں سکھوں نے ایک جلسۂ عام منعقد کیا اور فساد شروع کر دیا۔ جالندھر میں بھی یہی کیفیت رُونما ہوئی اور ہندو طالبعلموں نے مسلمان طالبات کی ایک لاری کو گھیر کر جنگ کی ابتدا کر دی۔ راولپنڈی میں ہندو طلبہ نے ایک مسلمان رضا کار کو، جو کار میں بیٹھا تھا، خنجر مارا اور فساد کی ابتداء کر دی۔

اسی ۵ مارچ کو گورنر پنجاب نے دفعہ ۹۳ نافذ کر کے نظم و نسق کے کلی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ ہندوؤں اور سکھوں نے ایک مشترکہ مجلس عمل بنائی، جس کے ڈکٹیٹر ماسٹر تارا سنگھ مقرر ہوئے۔ ماسٹر تارا سنگھ نے ۱۱ مارچ کو اینٹی پاکستان ڈے (یوم مخالفت پاکستان) منانے کا اعلان کر دیا۔

۶ مارچ کو لاہور میں ڈاک اور تار کے پیغامات کی تقسیم بند ہو گئی۔ تار بھیجنے اور ٹیلیفون پر شہر سے باہر بات کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ امرتسر میں مسلمانوں کے بازار نذر آتش کر دیئے گئے۔

۹ مارچ تک راولپنڈی اور ملتان کی قسمتوں میں فسادات کی آگ دیہات میں پھیل گئی۔ ہزارہ، حسن ابدال، کیمل پور، گوجر خاں، کہوٹہ، مندرا، شجاع آباد، میلسی اور خانیوال میں اضطراب انگیز حالات نمودار ہونے لگے۔ ضلع ملتان میں طیارہ سوار فوج بھیجی گئی جو قسمت ملتان کے اضلاع میں پھیل گئی۔

۱۳ مارچ کو لدھیانہ، انبالہ اور رُہتک بھی فساد کی وبا سے متاثر ہو گئے۔ ۲۰ مارچ تک حکومت نے پنجاب کے بیشتر حصہ میں فسادات پر قابو پا لیا۔ لاہور اور امرتسر کی فضائیں کسی قدر پُرسکون نظر آنے لگیں۔ حکومت نے فسادزدہ رقبوں میں پولیس افسروں

اور مجسٹریٹوں کو وسیع اختیارات دے دیئے۔ پنجاب کی فضائیں مائل بہ سکون ہونے لگیں۔ اواخر مارچ تک حالات درست ہو گئے۔ ان فسادات کے باعث راولپنڈی ڈویژن اور ملتان ڈویژن کے اضلاع میں ہندوؤں اور سکھوں کو کافی نقصانات برداشت کرنے پڑے۔ امرتسر میں مسلمانوں کے بازار یکسر تباہ کر دیئے گئے۔ کٹڑہ جیمل سنگھ کا بازار تمام کا تمام راکھ اور اینٹوں کا ڈھیر بن گیا۔ صرف گاندھی بھنڈرا' پربھات ہاؤس اور ایک مندر کی عمارتیں محفوظ رہیں۔ راولپنڈی اور ملتان سے چند ہزار ہندو اور سکھ وسطی اور مشرقی پنجاب میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ قیام امن کے بعد حکام نے ان دونوں ڈویژنوں کے مسلمانوں پر تعزیری جرمانے عائد کئے' گرفتاریاں کر کے سزائیں دلائیں اور لوٹ کا مال چھینا۔

ماہ مارچ میں پنجاب کی سرزمین شدید نوعیت کے فسادات کی آماجگاہ بنی رہی۔ کلکتہ اور بمبئی میں قتل و خونریزی کی وارداتیں جو وسط اگست ۱۹۴۶ء اور آغاز ستمبر ۱۹۴۶ء سے شروع ہوئی تھیں کہ کم و بیش شدت کے ساتھ جاری رہیں۔ ان کے علاوہ اواخر مارچ میں دہلی' کانپور' رانچی اور بعض دوسرے شہروں میں بھی فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکنے لگے' اور ضلع گڑگانوں میں ہندو جاٹوں نے منظم جمعیتیں بنا کر مسلمانوں کے دیہات پر حملے شروع کر دیئے۔

فسادات کے بل پر سیاسی سوداگری:

پنجاب کے ان فسادات کو ہندو اور سکھ لیڈروں نے سیاسی سوداگری کی جنس بنا لیا۔ فسادات کی ابتداء ۴ مارچ کو لاہور کے ان ہنگاموں سے ہوئی جو ہندو اور سکھ لیڈروں نے اپنی قوم کے طلبہ سے کرائے۔ ہر جگہ قتل و خونریزی اور اشتعال انگیزی کی ابتداء

ہندوؤں اور سکھوں نے کی۔ ماسٹر تارا سنگھ ۳ مارچ کو اسمبلی کی سیڑھیوں پر ننگی کرپان کی نمائش کر کے اپنی قوم کو جنگ وجدال شروع کرنے کا پیغام دے چکے تھے۔ ۴ اور ۵ مارچ کو سارے پنجاب بھر میں فتنہ وفساد کی آگ مشتعل ہوگئی۔ اس فساد آرائی کا مطلب ومدعا یہ تھا کہ پنجاب میں مسلم لیگ کی وزارت قائم نہ ہو۔ یہ مقصد انہیں ۵ مارچ ہی کو حاصل ہو گیا جبکہ پنجاب کے گورنر نے دفعہ ۹۳ نافذ کر کے نظم ونسق کے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لئے اور مسلم لیگ کے لیڈر منہ دیکھتے رہ گئے۔

۸ مارچ کو کانگرس کی ورکنگ کمیٹی نے اس مضمون کی قرارداد منظور کی کہ بحالاتِ موجودہ پنجاب کو دو حصوں میں تقسیم کرنے ہی سے پنجاب کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ یعنی مسلم اکثریت رکھنے والا ٹکڑا غیر مسلم اکثریت والے ٹکڑے سے الگ کر دیا جائے۔ یہ ایک یکسر نئی شرارت تھی جس کی کانگرس سے کبھی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔

مسلم لیگ کے لیڈر فسادات کے آغاز ہی سے امن بحال کرنے کی سعی کرنے لگے تھے۔ انہوں نے ہندو اور سکھ لیڈروں سے مشترکہ اپیل شائع کرنے کیلئے کہا لیکن ماسٹر تارا سنگھ نے' جو اعلانِ جنگ دے چکے تھے' امن کی کسی اپیل کے ساتھ اپنی ذات شریف کو منسوب کرنے سے انکار کر دیا۔ ۱۴ مارچ کو ماسٹر صاحب نے ایک بیان جاری کیا' جس کے دوران میں آپ نے فرمایا:

“مجھے مشترکہ اپیل شائع کرنے کی ضرورت نظر نہیں آتی۔ مسلم لیگ کے لیڈروں کا فرض ہے کہ وہ اپنے متبعین سے اپیل کریں کہ لوٹ آ اور آتش زنی کا سلسلہ بند کر دیا جائے”۔

اور سیاسی سوداگری کے خیال کے ماتحت اس بیان میں یہ بھی کہا کہ:

“مسلمان لیڈر ہمیں اپنے ساتھ ملانے کیلئے کہہ رہے ہیں لیکن ہم ہندوؤں

سے غداری نہیں کر سکتے ..... گذشتہ دس سال سے پنجاب کا وزیراعظم مسلمان چلا آرہا ہے اب کوئی سکھ وزیراعظم بننا چاہیئے''۔

۱۵ مارچ کو پنڈت جواہر لال نہرو پنجاب کے حالات کا معائنہ کرنے کی غرض سے لاہور پہنچے۔ میاں افتخار الدین نے پنڈت جی کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ:

''میں اور خان ممدوٹ آپ کی معیت میں فساد زدہ شہروں اور رقبوں کا دورہ کرنے کیلئے حاضر ہیں تاکہ مشترکہ کوشش سے امن قائم کیا جا سکے''۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے میاں صاحب کی اس التجا کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ ''ہم خود امن قائم کر لیں گے''۔

امرتسر کی مقامی کانگرس کمیٹی کے سیکرٹری مسٹر امر ناتھ ودیا لنکر نے ۱۶ مارچ کو تمام سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کا ایک جلسہ طلب کیا تاکہ قتل و غارت اور آتش زنی کی وارداتوں کی مذمت کر کے مصیبت زدہ اشخاص کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا جائے۔ اس جلسہ میں اکالی پارٹی کے نمائندوں نے شمولیت نہ کی۔

پنجاب کی تقسیم کے سوال نے جو کانگرس کی ورکنگ کمیٹی نے عین فساد کے دوران میں اُٹھایا، صوبہ کے اخبارات میں مشرقی اور مغربی پنجاب میں دو وزارتیں قائم کرنے کی بحث چھیڑ دی۔ پنڈت جواہر لال نے کہا کہ پنجاب کو تین حصوں میں تقسیم کر کے تین وزارتیں قائم کر دی جائیں۔ ایک ایک وزارت ایک ایک حصہ کا انتظام کرے۔

۲۲ مارچ کو ماسٹر تارا سنگھ نے ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ سکھ حسب ذیل صورتوں کے سوا اور کسی صورت پر راضی نہ ہوں گے۔

(۱) اسمبلی میں سکھوں اور ہندوؤں اور مسلمانوں کا تناسب ۳۰، ۳۰ اور ۴۰ فیصدی مقرر کر دیا جائے۔ یا

(۲) سکھ وزیراعظم مقرر کیا جائے۔ یا

(۳) پنجاب کے حصے بخرے کر دیئے جائیں۔ یا

(۴) گورنری راج قائم رہے۔

ماسٹر تارا سنگھ نے پنجاب میں فسادات کی آگ مشتعل کرا کے اپنی قوم کا جانی اور مالی نقصان تو گوارا کیا لیکن ان فسادات کے طفیل تقسیم پنجاب کا مقصد حاصل کر لیا (جیسا کہ آگے چل کر بیان کیا جائے) ہمارے مسلم لیگ کے ارباب تدبیر و سیاست نے تقسیم پنجاب کی تجویز اس آمادگی کے ساتھ قبول کی کہ گویا یہ انہی کا عین مقصد تھا۔

ع..... سادگی مسلم کی اور غیروں کی عیاری بھی دیکھ

آزادی کی طرف تیز قدمی

صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کا ڈائرکٹ ایکشن:

۲۱ فروری ۱۹۴۷ء کو جبکہ پنجاب مسلم لیگ کی سول نافرمانی کی مہم اپنے کامیاب اختتام کو دیکھنے لگی تھی، شمال مغربی سرحدی صوبہ میں بھی مسلم لیگ نے شہری آزادی کی بحالی کے لئے سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔ اس مہم کو جاری کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ صوبہ سرحد کی کانگرسی وزارت کے زیر ہدایت اضلاع کے حکام مسلم لیگ کی جائز سیاسی سرگرمیوں کو روکنے لگے تھے۔ مسلم لیگ نے پشاور، مردان، ڈیرہ اسماعیل خان، بنوں اور کوہاٹ میں دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی میں جلوس نکالنے شروع کر دیئے۔ حکومت نے اس تحریک کو دبانے کیلئے تشدد کے حربے استعمال کئے۔ گرفتاریاں شروع کر دیں، جلوس نکالنے والوں پر لاٹھی چارج کئے گئے۔ ان پر اشک آور (آنسو) گیسیں چھوڑی گئیں۔ جب اس تشدد کے باوجود اور اس کے باعث تحریک بہت زور پکڑنے لگی تو پولیس نے بڑے بڑے مجمعوں کو منتشر کرنے کیلئے گولیاں بھی چلائیں۔ یہ تحریک ۲۱ فروری سے ۵

جون تک جاری رہی اور اس میں چار سو سے زائد مسلم لیگی افراد گولیوں اور لاٹھی چارجوں کا شکار ہو کر جان بحق تسلیم ہوئے، گرفتار ہونے والوں کی تعداد چار ہزار کے قریب پہنچ گئی۔ تحریک ابھی جاری تھی کہ ۳ جون ۱۹۴۷ء کو برطانوی حکومت کی طرف سے ہندوستان کے مسائل کے حل کے سلسلے میں ایک نیا اعلامیہ شائع ہوا جس میں ہندوستان کو دو حصوں میں منقسم کرنے کے اعلان کے ساتھ ہی پنجاب اور بنگال کو تقسیم کرنے کا اعلان بھی کیا گیا تھا، اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کے متعلق کہا گیا تھا کہ ”اس صوبہ کے محل وقوع کے پیش نظر صوبہ اسمبلی کے ووٹروں سے استصواب کیا جائے گا کہ آیا وہ اپنے صوبہ کو ہندوستان کے ساتھ شامل کرنا چاہتے ہیں یا پاکستان میں شامل کرنے کے خواہاں ہیں“۔ برطانوی حکومت کے اس اعلان پر قائداعظم مسٹر محمد علی جناح نے ۴ جون کو دہلی کے مرکز نشر اصوات سے جو تقریر کی اس میں صوبہ سرحد کے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ سول نافرمانی کی تحریک بند کر کے استصواب رائے عامہ کیلئے زمین تیار کرنے کی مہم پر لگ جائیں۔ اگلے دن یعنی ۵ جون ۱۹۴۷ء کو یہ تحریک ختم کر دی گئی۔ ۶ جولائی ۱۹۴۷ء کو سرحدی صوبہ میں استصواب رائے عامہ کا کام شروع ہوا جس میں صوبہ سرحد کی کانگرس پارٹی نے عمداً حصہ نہ لیا اور صوبہ سرحد کے مسلمانوں نے بھاری تعداد میں ووٹ دے کر فیصلہ صادر کر دیا کہ وہ اپنے صوبہ کو پاکستان میں شامل کرنے کے خواہاں ہیں۔

کھنڈ ہندوستان اور لنگڑا پاکستان:

۲۴ مارچ ۱۹۴۶ء کو ہندوستان کے نئے ویسرائے لارڈ مونٹ بیٹن نے دہلی پہنچ کر لارڈ ویول سے اپنے عہدے کا چارج لے لیا اور ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں سے ملاقاتیں شروع کر دیں۔ لارڈ مونٹ بیٹن برطانوی حکومت کی طرف سے

ہندوستان کا حکومتی اقتدار بتدریج لیکن جلد ہندوستانیوں کے ہاتھ میں منتقل کرنے کی ہدایت لے کر آئے تھے۔ ہندوستان کے سیاسی لیڈروں سے ان کی ملاقاتوں کا موضوع سخن یہی بات تھی۔ کانگرسی حلقوں نے نئے ویسرائے کی آمد سے پہلے ہی پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا سوال کھڑا کر دیا تھا۔ گویا وہ منفی حیثیت سے ہندوستان کی تقسیم کو گوارا کرنے پر آمادگی کا اظہار کرنے لگے تھے۔ اب ان کا موٴقف یہ تھا کہ جب وہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کو روک نہیں سکتے تو انہیں چاہیئے پاکستان کو تابحدامکان خوردتر' اور کمزور تر بنانے کی سعی کریں۔ اسی خیال کی بناء پر کانگرس کی ورکنگ کمیٹی نے ۸ مارچ ۱۹۴۷ء کی قرارداد میں پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا سوال اُٹھایا۔

پاکستان کے قیام کا مطالبہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لاہور منعقدہ ۱۹۴۰ء کی قرارداد پر مبنی تھا' جس میں صاف طور پر کہہ دیا گیا تھا کہ ہندوستان کی آئینی اور دستوری ترقیات کے سلسلے میں مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے ان صوبوں کو جن میں مسلمانوں کی اکثریت آباد ہے' ان صوبوں سے الگ کر کے اپنی آزاد ریاست یا ریاستیں قائم کرنے کا حق دیا جائے' جن میں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ عام مسلمان پاکستان کا مفہوم یہی لیتے تھے کہ پنجاب' صوبہ سرحد' سندھ اور بلوچستان کے صوبوں کا ایک بلاک ہندوستان کے شمال میں اور بنگال اور آسام کا دوسرا بلاک ہندوستان کے مشرق میں قائم کیا جائے گا۔ کیونکہ ان دونوں بلاکوں میں مسلمان آبادی کی واضح اکثریت موجود ہے۔ مسلمان مفکرین کا خیال تھا کہ پاکستان کے غیر مسلموں اور ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کے ہر گونہ حقوق کے تحفظ کیلئے دونوں ملکوں کی حکومتیں باہمی رضامندی سے یکساں معیار کی کفالتیں طے کر لیں گی۔ اس طرح ہندوستان کی دونوں بڑی قوموں کو اپنی اپنی صوابدید کے مطابق ہر گونہ سیاسی' معاشری'

اقتصادی اور علمی اصلاح و ترقی کے مواقع میسر آ جائیں گے۔ مسلمانوں کے نزدیک پاکستان کے نصب العین کا تصور شروع ہی سے یہی چلا آ رہا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اگر اس تصور کے مطابق عمل پیرا ہو کر پنجاب اور بنگال کے بعض ایسے خطے پاکستان میں آ جائیں گے، جن میں غیر مسلمانوں کی آبادی کا تناسب زیادہ ہے تو وہ ہندوستان میں بھی بعض ایسے خطے چھوڑنے پر مجبور ہوں گے جن میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب وہاں کے غیر مسلموں سے زیادہ یا اُن کے لگ بھگ ہے۔ مسلمان اسی تجویز کو ہندوستان کے پیچ در پیچ مسائل کا صحیح حل قرار دے رہے تھے۔

کانگرس نے پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا سوال اُٹھایا تو مسلمانوں کی رائے عامہ کو سخت صدمہ پہنچا۔ کانگرس کی اس تجویز کے خلاف عامۃ المسلمین جابجا احتجاجی جلسے منعقد کرنے لگے۔ اواخر اپریل میں پنجاب کے سابق وزیر اعظم ملک سر خضر حیات خان ٹوانہ نے ایک بیان میں اس تجویز کو پنجاب کیلئے تباہ کن قرار دیا اور کہا کہ پنجاب کا صوبہ اقتصادی اعتبار سے ایک مستقبل اور مکتفی وحدت بن چکا ہے۔ تقسیم پنجاب کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کے نظام آبپاشی، اس کی بجلی کی اسکیموں اور اس کے مستقبل کی ترقیات کے منصوبوں کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر کے تباہ و برباد کر دیا جائے۔ اس طریق سے پنجاب کے دونوں حصے نادار اور قلاش بن کر رہ جائیں گے۔ ۳۰ اپریل ۱۹۴۷ء کو قائد اعظم نے اس تجویز کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم کی تجویز ایک منحوس تحریک ہے، جس کی تہ میں بغض، حسد اور تلخی کے جذبات کارفرما ہیں۔ راجا غضنفر علی خان نے ۳ مئی کو ایک بیان دیتے ہوئے کہا کہ تقسیم پنجاب کا مطالبہ احمقانہ ہے۔ وقت آنے پر کانگرس کو معلوم ہو جائے گا کہ اس قسم کا مطالبہ ہندوستان کے تمام صوبوں کیلئے کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح سر عبدالرحیم، ملک فیروز خان نون، مسٹر لیاقت علی خان اور قائد اعظم سمیت دیگر زعما

نے اس تجویز کی مذمت کی اور اسے ناقابل قبول قرار دیا لیکن ۲۸ مئی ۱۹۴۷ء کو پنجاب کی صوبہ مسلم لیگ کے صدر خان افتخار حسین خان ممدوٹ نے ایک بیان جاری کر کے مسلمانوں کے افکار و اذہان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ خان ممدوٹ نے کہا کہ:

> اگر اکثریت آبادی کی بناء پر ہندوستان کی صوبہ وار تقسیم پنجاب کانگرس کو اور سکھوں کو منظور نہیں اور وہ پنجاب کو تقسیم کرانے پر تلے بیٹھے ہیں تو مسلم لیگ ضلع وار تقسیم کی مخالفت کرے گی۔ سوال یہ ہے کہ اگر صوبہ کو اکائی نہیں سمجھا جاتا تو ضلع کو کیوں اکائی قرار دیا جائے۔ کیوں نہ تحصیل یا گرداور قانونگو کے حلقہ کو اکائی فرض کیا جائے۔ اس نوعیت کی تقسیم سے ضلع امرتسر کا بڑا حصہ اور جالندھر ڈویژن کا کافی رقبہ پاکستان کے دائرے میں آسکے گا۔

خان ممدوٹ کے اس بیان نے ظاہر کر دیا کہ مسلم لیگ کے زعمائے کرام ان گفتگوؤں میں جو وایسرائے ہند لارڈ مونٹ بیٹن سے ہو رہی تھیں پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا معاملہ تسلیم کر چکے ہیں۔ اب صرف اس بات کو سوچ رہے ہیں کہ اس تقسیم کیلئے ضلع، تحصیل یا ذیل میں سے کس رقبہ کو اکائی کا پیمانہ تصور کیا جائے۔

اپریل اور مئی ۱۹۴۷ء کے دوران میں لارڈ مونٹ بیٹن ویسرائے کی سرگرمیاں زیادہ تر ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں سے بات چیت کرنے پر مرکوز ہیں۔ یکم مئی کو وایسرائے کے قصر سے اعلان جاری کیا گیا کہ برطانوی حکومت جون ۱۹۴۸ء کو حکومتی اختیارات کلی طور پر اہل ہند کے ہاتھوں میں منتقل کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ لہذا برطانوی قومیت کے ان افراد کے متعلق جو وزیر ہند سے قرارداد کر کے یا ملک معظم سے کمیشن لے کر ہندوستان کی ملازمت کے سلسلے میں منسلک ہیں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ایسے ملازموں کی معیاد ملازمت جون ۱۹۴۸ء میں قبل از وقت ختم سمجھی جائے گی

اور جو ملازم رخصت کیئے جائیں گے انہیں قبل از وقت رخصت ہونے کا معاوضہ دیا جائے گا، جو ملازم اپنی ملازمت کو جاری رکھنے کے خواہاں ہوں گے انہیں ہندوستان کی حکومت سابقہ شرائط پر ملازم رکھنے کیلئے تیار ہو گی۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستان کی برطانوی افواج کے صدر دفتر سے اس مضمون کا اعلان جاری کیا گیا کہ ہندوستانی افواج کے انگریز افسروں کو اپنے اہل و عیال اور متعلقین سمیت جون ۱۹۴۸ء تک ہندوستان سے رخصت کرنے اور باہر لے جانے کیلئے سکیم تیار کر لی گئی ہے۔ یہ دونوں اہم اعلان بیک وقت جاری کیئے گئے، جنہوں نے ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں کو بہت متاثر کیا۔ انہیں یقین آنے لگا کہ انگریز فی الواقعہ ہندوستان کو خیر باد کہنے کے لئے بوریا بستر سنبھالنے لگے ہیں۔ ۳ مئی کو ویسرائے کے عملۂ شخصی کے چیف (رئیس) لارڈ اسمے ویسرائے کی طرف سے ایک مکتوب لے کر لندن روانہ ہو گئے تاکہ برطانوی حکومت کے ارکان کے سامنے ہندوستان کے حکومتی اختیارات منتقل کرنے کے بارہ میں ویسرائے کی تجاویز پیش کریں اور اُن تجاویز کے متعلق جو بصیغہ راز تھیں برطانوی حکومت کی منظوری لے کر واپس ہندوستان آجائیں۔

لارڈ اسمے مئی کا سارا مہینہ لندن میں برطانوی حکومت کے ارکان سے مشورت کرتے رہے۔ مئی کے آخری ایام میں خود ویسرائے کو لندن جانا پڑا، جو ۳۰ مئی کو اپنی تجاویز کے متعلق حکومت ہند کی منظوری لے کر واپس آ گئے۔ ۲ جون ۱۹۴۷ء کو ویسرائے نے ہندوستان کے سات لیڈروں کی ایک کانفرنس بلائی، جس میں نہرو، پٹیل اور کرپلانی ہندوؤں کی طرف سے، جناح، لیاقت اور نشتر مسلمانوں کی طرف سے اور بلدیو سنگھ سکھوں کی طرف سے شامل ہوئے۔ ویسرائے نے ان لیڈروں کے سامنے ان تجاویز کی وضاحت کی، جنہیں وہ برطانوی حکومت سے منظور کرا کے لائے تھے اور ان سے کہا

کہ وہ فی الفوران کی منظور یا عدم منظوری کے متعلق اطلاع دیں۔ اُسی دن رات کے بارہ بجے سے پہلے پہلے کانگرس ہائی کمان نے ویسرائے کو مطلع کر دیا کہ پیش کردہ تجاویز انہیں منظور ہیں۔ قائداعظم مسٹر محمد علی جناح نے رات کے گیارہ بجے ویسرائے کو اطلاع دی کہ وہ ان تجاویز کو مسلم لیگ کونسل کی منظوری کی شرط پر قبول کرتے ہیں۔ سکھوں کی طرف سے سردار بلدیو سنگھ نے بھی ویسرائے کو غیر مشروط منظوری کی اطلاع دے دی۔

۳ جون کو ویسرائے کے قصر سے حکومت برطانیہ کا اہم اعلان شائع ہوا، جس میں ہندوستان کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کے ساتھ ہی پنجاب، بنگال اور آسام کو بھی تقسیم کرنے کا فیصلہ کر دیا گیا اور کہا گیا کہ:

(۱) اگر ہندوستان کے تمام اقطاع ایک ہی دستور ساز اسمبلی میں ملک کا متحدہ آئین بنانے کیلئے تیار نہیں تو جو اقطاع شامل نہیں ہو رہے ہیں وہ اپنے لئے الگ دستور ساز اسمبلی قائم کر لیں، اور اپنے لئے جدا دستور و آئین بنائیں۔

(۲) پنجاب کے مسلم اکثریت رکھنے والے سترہ اضلاع کو غیر مسلم اکثریت رکھنے والے بارہ اضلاع سے الگ کر کے اس کے دو حصے کر دیئے جائیں۔ ان حصوں کے مطابق پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی (Punjab Legislative Assembly) کو بانٹ دیا جائے۔ اسمبلی کے ہر حصہ کو یہ فیصلہ کرنے کا حق دیا جائے کہ آیا وہ پنجاب کو متحد رکھنا چاہتے ہیں یا بانٹ لینے کے خواہاں ہیں۔ اگر فیصلہ متحد رکھنے کے حق میں ہو تو پوری اسمبلی کا اجلاس کثرت رائے سے فیصلہ کرے کہ وہ کون سی دستور ساز اسمبلی میں شامل ہوں گے۔ بصورت تقسیم پنجاب کی دونوں اسمبلیوں کو اپنی اپنی راہ اختیار کرنے ک حق حاصل ہوگا۔

(۳) یہی صورت بنگال میں اختیار کی جائے گی۔

(۴) پنجاب اور بنگال کی تقسیم جو اس اعلان کے رُو سے کی گئی ہے عارضی متصور ہو گی۔ آخری فیصلہ حد بندی کا ایک کمیشن جو مقرر کیا جائے گا طے کرے گا۔ اس کمیشن کو ہدایت دی جائے گی کہ وہ حد بندی کا تعین اس بناء پر کرے کہ کون کون سے ملحقہ علاقے مسلم اکثریت کے ہیں اور کون کون سے غیر مسلم اکثریت کے' اس کے ساتھ ہی وہ دیگر اُمور کا بھی خیال رکھے۔

(۵) شمال مغربی سرحدی صوبہ اور آسام کے ضلع سلہٹ میں اسمبلی کے ووٹروں سے استصواب کیا جائے کہ وہ ہندوستان اور پاکستان میں سے کس کے ساتھ رہنے کے خواہاں ہیں۔

(٦) کسی اور طریق سے جس کا فیصلہ بعد میں کیا جائے گا برطانوی بلوچستان کے لوگوں کی رائے بھی ریافت کر لی جائے۔

اس اعلان میں کہا گیا کہ برطانوی حکومت ان اُمور کے متعلق ہر قسم کا فیصلہ کرنے کا اختیار اہل ہند پر چھوڑتی ہے' وہ چاہیں تو ان متبادل اسکیموں میں سے (وزارتی مشن کی اسکیم اور یہ نئی اسکیم) جسے چاہیں قبول کر لیں۔ اور تقسیم ہونے کے فیصلے بھی خود کریں۔ ان کے فیصلوں کے بعد برطانوی حکومت اہل ہند کی واحد حکومت کو یا دو حکومتوں کو درجہ' مستعمرات کے اختیارات سونپ دے گی۔ دستور ساز اسمبلیاں اپنا آئین بنانے اور اس امر کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہوں گی کہ آیا وہ اپنے ملکوں کو دولت متحدہ برطانیہ میں شامل رکھنے کے خواہاں ہیں یا نہیں۔

برطانوی حکومت کی اس نئی تجویز کے رُو سے ہندوستان کو اکھنڈ رکھنے کی خواہشوں کا خاتمہ ہو گیا اور مسلمانوں نے پنجاب کیلئے خود آئین بنانے کا حق حاصل کر لیا لیکن پنجاب' بنگال اور آسام کی تقسیم کے فیصلہ کے باعث پاکستان کی حدود کا وہ تصور جو

مسلمانوں کے دماغوں میں مدت سے جاگزیں ہو رہا تھا، خاک میں مل گیا۔ بارہ اضلاع پنجاب سے کٹ گئے۔ کلکتہ اور بردوان کے ڈویژن بنگال سے الگ کر دیئے گئے۔ آسام بھی ہاتھ سے نکل گیا، ضلع سلہٹ کا معاملہ استصواب رائے عامہ پر چھوڑ دیا گیا۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی کیفیت بھی مخدوش رکھی گئی۔ اس کے لئے رائے عامہ کا استصواب ضروری قرار دیا گیا۔ غرض اس اسکیم نے جہاں ایک طرف اکھنڈ ہندوستان پر ضرب کاری لگائی وہاں اس نے پاکستان کو بھی لنگڑا اور اپاہج بنا کر رکھ دیا۔

۲ جون کو یہ اعلان صادر ہوا، اس روز ویسرائے نے اس اسکیم کے متعلق نشر صوت پر تقریر کی۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے آلات نشر صوت پر تقریر کرتے ہوئے اسے اپنے دیرینہ خوابوں کی تعبیر قرار دیا اور تقریر کے خاتمہ پر "جے ہند" کا نعرہ لگایا۔ قائد اعظم نے ریڈیو پر تقریر کرتے ہوئے اسے مسلمانوں کیلئے قابل قبول قرار دیا۔ نیز یہ کہا کہ آخری فیصلہ مسلم لیگ کی کونسل صادر کرے گی۔ قائد اعظم نے تقریر کے خاتمہ پر "پاکستان زندہ باد" کہا۔

۴ جون کو ویسرائے نے ایک پریس کانفرنس میں اس اعلان کے متعلق تصریحات کرتے ہوئے کہا:

> ہندوستانیوں کے ہاتھ اختیارات منتقل کرنے کا جو کام جون ۱۹۴۸ء تک اختتام پذیر ہونا تھا، وہ اس سال کے اندر اندر پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔ اس تعجیل جاری کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے لیڈر حکومتی اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لینے کیلئے ضرورت سے زیادہ بیتاب ہو رہے تھے۔ برطانیہ ہندوستان سے اسی وقت رخصت ہو جائے گا جب اسے ایسا کرنے کیلئے کہا جائے گا۔ اگر کچھ انگریز یہاں موجود

> رہیں گے تو حکومت کرنے کیلئے نہیں بلکہ تمام جماعتوں کی مدد کرنے کیلئے رہیں گے۔ اگر تقسیم کے بعد آبادیوں کے تبادلہ کی ضرورت محسوس ہوگی تو متعلقہ حکومتیں اس کا انتظام کریں گی۔

ویسرائے نے اس پریس کانفرنس میں اخباری نمائندہ کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ حد بندی کا کمیشن آخری فیصلہ صادر کرے گا اور ہر کیفیت کو ملحوظ خاطر رکھے گا۔ مثلاً گورداسپور کا سالم ضلع مسلمانوں کو نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس میں مسلمانوں کی آبادی ۵۰،۴ اور غیر مسلموں کی آبادی ۴۹،۶ ہے۔

ویسرائے کی یہی تصریح ظاہر کر رہی تھی کہ ہوا کا رُخ کس طرف کو ہے۔ ہندو کانگرس نے اور سکھوں نے یہ تجویز منظور کر لی کیونکہ یہ انہی کی رضامندی سے طے ہوئی تھی اور ویسرائے نے پریس کانفرنس میں یہ بات کہہ بھی دی تھی کہ ساری اسکیم لیڈروں کی اپنی تجاویز پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ ہندو اور سکھ لیڈر سمجھ رہے تھے کہ لنگڑے اور اپاہج پاکستان کو وہ چند دن میں ختم کر دیں گے۔ قائداعظم نے اس اسکیم کو منظور کرنے کی ذمہ داری اپنی گردن پر نہ لی اور فیصلہ مسلم لیگ کونسل پر چھوڑ دیا۔ مسلم لیگ کونسل نے ۹ جون کے اجلاس میں اسے منظور کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس کے اسباب کیا تھے؟ اس سوال کا جواب ویسرائے کی تصریحات کے اس اشارہ کے سوا اور کہیں نہیں ملتا کہ ہندوستان کے لیڈر حکومتی اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لینے کیلئے ضرورت سے زیادہ بیتاب ہو رہے تھے۔ مسلم لیگ کے زعمائے کرام اپنی اس بیتابی کا مظاہرہ وزارتی مشن کی تجاویز کو منظور کرتے وقت، پھر عبوری حکومت میں شامل ہوتے وقت بھی کر چکے تھے۔ حالانکہ ان دونوں موقعوں پر بھی ہوا کا رُخ مسلمانوں کی طے شدہ قراردادوں اور خود ان لیڈروں کے اعلانوں کے سراسر خلاف تھا جیسا کہ اس تیسرے اور اہم موقع پر صاف طور پر نظر آ رہا تھا۔

ڈبل مارچ:

لارڈ مونٹ بیٹن کے ویسرائے بن کر آنے سے پہلے ہندوستان کی سیاسی جماعتیں حصول آزادی کیلئے بیتاب ہوا کرتی تھیں لیکن لارڈ موصوف کے آنے کے بعد برطانوی حکومت اہل ہند کو جلد سے جلد آزادی دینے کیلئے بیتاب نظر آنے لگی۔ لارڈ مونٹ بیٹن نے صرف دو ماہ ہندوستان لیڈروں کے ساتھ بات چیت کرنے میں صرف کئے اور ۴ جون کو اعلان کر دیا کہ اب ہندوستان کے لوگوں کو جون ۱۹۴۸ء تک زحمت انتظار گوارا نہیں کرنی پڑے گی بلکہ حکومتی اختیارات کے انتقال کا کام چند مہینوں کے اندر اندر پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا جائے گا۔ ۶ جون کو ویسرائے نے مہاتما گاندھی کو یہ خوشخبری سنا دی کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو حکومت کے ہر گونہ اختیارات کلی طور پر اہل ہند کو سونپ دیئے جائیں گے۔ اسی دن ویسرائے نے ایک بااختیار مشاورتی کمیٹی مقرر کر دی تھی جس کی ذمہ داری یہ تھی کہ ویسرائے کو ریلوے رسل و رسائل کسٹم (بحری محاصل) کرنسی وغیرہ مشترکہ مسائل پر نیز سرکاری املاک و سامان وغیرہ کی تقسیم پر مشورے دیا کرے۔ نہرو، پٹیل، جناح اور لیاقت اس کمیٹی کے ممبر مقرر ہوئے۔ ۱۰ جون کو پنجاب اور بنگال کی اسمبلیاں دو دو حصوں میں بانٹ دی گئیں اور تقسیم کمیٹی مقرر کر دی گئی، جس کے ماتحت ماہرین کی کمیٹیاں بنا دی گئیں۔ ۲۱، ۲۲ اور ۲۳ جون کو مشرقی پنجاب اور مغربی پنجاب کی اسمبلیوں کے اجلاس لاہور کے اسمبلی چیمبر میں منعقد ہوئے، جنہوں نے تقسیم پنجاب کی تجویز پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ ۶ جولائی کو شمال مغربی سرحدی صوبہ میں استصواب رائے عامہ کا کام شروع ہو گیا۔ عبوری حکومت کے کانگرسی ارکان انتقال اختیارات کے پیش نظر مستعفی ہو گئے۔ ۷ جولائی کو مسلم لیگی ارکان بھی مستعفی ہو گئے۔

پنجاب اور بنگال کیلئے حد بندی کے کمیشن مقرر ہو گئے۔ برطانوی پارلیمنٹ میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں ترمیم کرنے کا بل پیش ہوا جس کا مقصد ہندوستان کیلئے درجۂ مستعمرات کی آزادی کا منظور کرنا تھا۔ یہ بل ۱۸ جولائی کو تمام منزلیں طے کر کے نیا ایکٹ بن گیا۔ پاکستان اور ہندوستان کی آزادی پر ملک معظم کی مہر تصدیق ثبت ہو گئی۔ ۹ جولائی کو مشرقی اور مغربی پنجاب کیلئے الگ الگ انتظامی افسر مقرر کر دیئے گئے۔ ۱۱ جولائی کو پاکستان اور ہندوستان کے درمیان بحری، بری اور فضائی افواج کی تقسیم کا کام شروع ہو گیا۔ ۱۱ جولائی کو اعلان ہوا کہ قائداعظم مسٹر محمد علی جناح کو پاکستان کا اور لارڈ مونٹ بیٹن کو ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر کیا جاتا ہے۔ مسٹر جناح ۱۵ اگست کو اپنے عہدہ کا چارج لیں گے۔ ۱۹ جولائی کو نئی دہلی میں پاکستان اور ہندوستان کی الگ الگ حکومتیں قائم ہو گئیں۔ اسی روز حد بندی کے کمیشن نے اپنا کام شروع کر دیا، اور ۲۴ جولائی کو دونوں حکومتوں نے ایک مشترکہ اعلان میں اقرار کیا کہ حد بندی کے کمیشن کا فیصلہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو دونوں حکومتیں اسے چون و چرا کیے بغیر تسلیم کر لیں گی۔ اس اعلان کے رُو سے پنجاب کے بارہ اضلاع یعنی سیالکوٹ، گوجرانوالہ، شیخوپورہ، لائل پور، منٹگمری، لاہور، امرتسر، گورداسپور، ہوشیار پور، جالندھر، فیروز پور اور لدھیانہ کو قیام امن کیلئے سپیشل ملٹری کمان کے حوالے کر دیا گیا اور ان اضلاع کیلئے خاص باؤنڈری فورس (سرحدی فوج) مقرر کر دی گئی۔ اس فوج میں ۲۵ فیصدی مسلمان اور ۷۵ فیصدی غیر مسلم سپاہی اور افسر لئے گئے۔ ۳۰ جولائی کو پاکستان اور ہندوستان کی الگ الگ افواج کیلئے الگ الگ کمانڈران چیف اور دیگر اعلیٰ فوجی افسر مقرر کر دیئے گئے۔

۳ اگست کو دہلی سے پہلی پاکستان اسپیشل ٹرین کراچی کیلئے روانہ ہوئی، جس میں پاکستان کے حصہ میں آنے والے سرکاری ملازمین سوار تھے۔ ۷ اگست کو قائداعظم

مسٹر محمد علی جناح مجوز گورنر جنرل پاکستان اور اُن کا ذاتی عملہ طیارہ پر سوار ہو کر دہلی سے کراچی کو روانہ ہوا۔ اُسی دن مشرقی پاکستان کے دفاتر کلکتہ سے ڈھاکہ کی طرف منتقل ہونے لگے۔ ۱۴ اگست کو لندن کے دفتر ہند نے ہندوستان اور پاکستان کے گورنر جنرلوں اور صوبائی گورنروں کے تقرر کا باقاعدہ اعلان جاری کیا۔ اُسی روز پنجاب کے بارہ اضلاع میں سپیشل باؤنڈری فورس نے کام شروع کر دیا' اور اعلان ہوا کہ یہ فوج غیر جانبدار ہوگی۔ دو مملکتوں کی مشترکہ سپریم کمان کے ماتحت کام کرے گی۔ یہ فوج ان اضلاع میں امن قائم کرے گی۔ ریل گاڑیوں کی حفاظت کرے گی' پبلک سے مشورہ لے گی' عوام کی دادرسی کرے گی۔

اس طرح ملکی اور صوبائی تقسیم اور اختیارات کے انتقال کے تمام مرحلے ڈبل مارچ کی سُرعت رفتار کے ساتھ طے ہو کر ۱۵؍ اگست کی صبح کو ہندوستان اور پاکستان میں درجہ مستعمرات کی آزادی کے حقوق رکھنے والی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ متحدہ ہندوستان (انڈیا) ختم ہو گیا۔ ہندو اور مسلمان اپنی اپنی جگہ پر آزاد ہو گئے۔ یہ آزادی یعنی اپنے اپنے ملک کے ہر گونہ انتظامات کو خود سنبھالنے اور خود چلانے کا حق ہندوستان کے لوگوں نے حاصل تو کیا لیکن ایسے حالات میں کیا جبکہ ہندوستان کے گلی کوچے ابنائے وطن کے خون سے رنگین ہو رہے تھے۔ جابجا ہندو اور مسلمان عوام ایک دوسرے کو خنجر گھونپ کر ہلاک کر رہے تھے۔ بم پھینکے جا رہے تھے' مکانوں اور عمارتوں کو آگ لگائی جا رہی تھی۔ شہروں کی فضائیں فسادات کی آندھیوں کے باعث تیرہ و تار نظر آ رہی تھیں۔ ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کے لیڈر جو حکومتی اختیارات حاصل کرنے کے بیتاب تھے' یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے لیکن آزادی کی دیوی اور اختیارات کی بعت سے جلد از جلد ہم کنار ہونے کے شوق میں انہوں نے اُس بھیانک صورتحال کی طرف سے یکسر آنکھیں

بند کر رکھی تھیں، جو فرقہ وار فسادات نے ملک بھر میں پیدا کر رکھی تھی۔ یہ کیفیت جس کا حال ہم اگلے عنوان کے تحت بیان کریں گے۔ ۱۵ ر اگست ۱۹۴۷ء یعنی ہندوستان اور پاکستان کے یومِ آزادی سے پہلے کی تھی۔ حصولِ آزادی کے بعد جو کچھ ہوا وہ بعد میں بیان کیا جائے گا اور وہی اس کتاب کا اصل موضوع ہے۔

بردباری کی طرف تیز قدمی

فسادات کی وسعت، شدت اور رفتار میں ترقی:

اواخر مارچ ۱۹۴۷ء میں لارڈ مونٹ بیٹن نے دہلی پہنچ کر ویسرائے اور گورنر جنرل کے عہدہ کا چارج لیا اور چارج لینے کے ساتھ ہی ہندوستان کے سیاسی لیڈروں کو آزادی کی منزلِ مقصود کی طرف تیز قدمی کے ساتھ ہانکنا شروع کر دیا۔ اواخر مارچ میں ملک کی فضا فرقہ وار فضا فسادات کے باعث کافی حد تک مکدر نظر آ رہی تھی۔ پنجاب کی سرزمین ماہ مارچ میں شدید قسم کی بدامنی کی آماجگاہ بن چکی تھی۔ کلکتہ اور بمبئی میں خنجر زنی کی وارداتیں جو ۱۶ ر اگست ۱۹۴۶ء اور ۲ ستمبر ۱۹۴۶ء سے شروع ہوئی تھیں، کم و بیش شدت کے ساتھ جاری چلی آ رہی تھیں۔ مارچ ۱۹۴۷ء کے آخری دنوں میں پنجاب کے مغربی اضلاع کے کوائف مائل بہ سکون نظر آنے لگے۔ تاہم لاہور اور امرتسر میں کلکتہ اور بمبئی کی طرح خنجروں اور چھروں سے ایک دوسرے کو ہلاک اور زخمی کرنے کی وارداتیں واقع ہو رہی تھیں۔ مغربی پنجاب کی فرقہ وار فضا پُرسکون ہوئی تو مشرقی پنجاب کے ضلع گڑگانوں میں ہندو جاٹوں کی جمعیتوں نے مسلمانوں کے دیہات پر منظم حملے شروع کر دیئے۔ ان مقامات کے علاوہ کانپور، رانچی، دہلی اور بنگلور میں بھی اسی نوعیت کے کھیل شروع ہو گئے۔ ملک بھر میں فرقہ وار فسادات ترقی پذیر تھے لیکن کانگرسی لیڈر کہہ چکے تھے

کہ ملک کی حالت خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو، برطانوی حکومت کو اختیارات منتقل کرنے کے معاملہ میں سستی سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جیسے جیسے ہمارے لیڈر وسیع تر اختیارات کے مالک بنتے ہوئے آزادی کی منزل سے قریب تر ہوتے گئے، ویسے ویسے فسادات کی رفتار وسعت اور شدت کے اعتبار سے ترقی کرتی چلی گئی۔ اپریل ۱۹۴۷ء کے آغاز سے لے کر جولائی ۱۹۴۷ء کے اختتام تک زد و خورد کے لحاظ سے جو شہر اور قصبے زیادہ متاثر ہوئے ان کا مجمل سا ذکر کر دینا ضروری ہے۔

ضلع گڑگانوں کے دیہات:

ضلع گڑگانوں کے دیہات پر ہندو جاٹوں کی منظم جمعیتوں نے اواخر مارچ ہی میں حملے شروع کر دیئے تھے۔ ان دیہات میں میو قوم کے مسلمان آباد تھے، انہوں نے حملہ آوروں کے ساتھ مقابلے گئے اور اکثر مقامات پر ان کی جمعیتوں کو مار بھگایا۔ اب ہندو جاٹوں کو اپنے ہم قوم بھائیوں کی طرف سے جو قریب ہی ریاست بھرت پور میں آباد تھے، کمک پہنچنے لگی۔ ریاست بھرت پور کے جاٹوں کی جمعیتیں جو آتشیں اسلحہ سے مسلح ہوتی تھیں، ضلع گڑگانوں میں آ کر میواتی مسلمانوں کے دیہات کو نذر آتش کرنے لگیں۔ بعض مقامات پر ریاست بھرت پور اور الور کی فوجی ٹولیوں نے بھی حملہ آوروں کی امداد کی۔ اس کے ساتھ ہی خود ریاست بھرت پور کے اندر مسلمانوں پر حملے ہونے لگے اور بدامنی وسعت اور شدت اختیار کرتی رہی۔ وسط جولائی تک کی اطلاعات یہ تھیں کہ ضلع گڑگانوں میں مسلمانوں کے ایک سو سے زائد دیہات نذر آتش ہو کر راکھ کا ڈھیر بن چکے ہیں اور ریاست بھرت پور میں ۲۰۹ دیہات تباہ کر دیئے گئے ہیں۔ اس کیفیت کے باوجود ضلع گڑگانوں کے میواتی مسلمان ہندو جاٹوں کا برابر مقابلہ کرتے رہے اور ہندوؤں کی فساد آرائی سے

جس کو بھرت پور اور الور کی ریاستوں کی کھلی امداد حاصل تھی عہدہ برآ ہوتے رہے۔

ڈیرہ اسماعیل خان: وسط میں اپریل ۱۹۴۷ء میں جبکہ شمال مغربی سرحدی صوبہ میں مسلم لیگ کی طرف سے شہری آزادی کی تحریک اپنے جوبن پر تھی' ڈیرہ اسماعیل خان میں فرقہ وارفساد کی آگ بھڑک اُٹھی اور فساد کے تین چار دنوں میں وہاں پر نو سو دکانیں اور مکان' ٹاؤن ہال' سینما ہال' سرائے' کالج اور سکول کی عمارتیں نذرِ آتش کردی گئیں۔ انہی دنوں میں صوبہ سرحد کے بعض دوسرے مقامات پر بھی فرقہ وار فساد کی وارداتیں وقوع پذیر ہوئیں' جو معمولی حیثیت کی تھیں۔ ۳ر اپریل کو صوبہ سرحد کے ہندو وزیر لالہ مہر چند کھنہ نے بیان دیا کہ صوبہ سرحد کے فسادات میں چار سو سے زائد اشخاص ہلاک اور زخمی ہو چکے ہیں۔ پچاس ہندو اغوا کیے جا چکے ہیں۔ چار ہزار دو سو کے قریب مکانات اور دکانیں وغیرہ آگ کی نذر ہو چکی ہیں اور پچاس عبادت گاہوں کو نقصان پہنچایا جا چکا ہے۔ اس کے بعد صوبہ سرحد میں فرقہ وارنوعیت کے فسادات کی رَو تھم گئی' کیونکہ مسلم لیگ کے لیڈر اپنی تحریک کو پُرامن طریقے سے چلانے کے خواہش مند تھے۔

ہندوستان کے بلاد و امصار:

کلکتہ اور بمبئی میں چھرے گھونپ کر ایک دوسرے کو ہلاک کرنے کا مشغلہ برابر جاری رہا۔ کلکتہ میں آغاز مئی میں آتشیں اسلحہ بھی استعمال ہونے لگے اور فسادات شدت اختیار کرتے گئے۔ ڈھاکہ میں بھی ان چار مہینوں (اپریل سے جولائی تک) کے دوران میں دو تین مرتبہ فساد کی آگ مشتعل ہوئی' جسے جلد ہی فرد کرلیا گیا۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں رانچی' بنگلور' پٹنہ' خورجہ (یوپی) علی گڈھ اور بعض دوسرے مقامات پر فسادات کے شعلے بلند ہوتے رہے' جو جلد فرد کر لئے گئے۔

امرتسر اور لاہور:

ان چار مہینوں میں امرتسر اور لاہور شدید قسم کے فسادات کی آماجگاہ بنے رہے۔ حکام کی ہر گونہ انسدادی تدابیر کے باوجود ان دونوں شہروں میں فرقہ وار نوعیت کی جنگ شدت اور وسعت اختیار کرتی چلی گئی۔ ان شہروں میں فسادات ۴ اور ۵ مارچ ۱۹۴۷ء کو ماسٹر تارا سنگھ کی طرف سے اسمبلی چیمبر کی سیڑھیوں پر شمشیر برہنہ کا مظاہرہ کرنے کے بعد شروع ہوئے تھے جو بتدریج شدت اختیار کرتے چلے گئے۔ قتل و خونریزی اور مکانوں' دکانوں وغیرہ کو نذر آتش کرنا ان فسادات کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ حالات روز بروز ابتر سے ابتر صورت اختیار کرتے چلے گئے۔ آغاز جون میں امرتسر اور لاہور کی ہندو اور سکھ آبادیوں نے مسلمانوں کو ہلاک کرنے کیلئے بموں کا استعمال شروع کر دیا' مسلمان اس وقت تک عمارتوں کو آگ لگانے میں کافی مہارت حاصل کر چلے تھے۔ جون کے مہینے میں کیفیت یہاں تک پہنچ گئی کہ بم پھٹنے کی وارداتیں کثرت سے رُونما ہونے لگیں اور آگ کے شعلے غیر مختتم صورت میں بلند ہوتے نظر آنے لگے۔ ان دونوں شہروں میں کاروبار معطل ہو گئے۔ آزادی کے ساتھ چلنا پھرنا ناممکن نظر آنے لگا۔ حکام فسادات کی رو کو روکنے کیلئے دو دو اور تین تین دن کے لئے متواتر کرفیو آرڈر نافذ کرتے تھے۔ پولیس اور فوج کی جمعیتیں بھی قیام امن کیلئے کوشاں رہتی تھیں اور باشندگان شہر پر بہت سختی کرتی تھیں لیکن فسادات کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی رہی۔ وسط جولائی تک یہ کیفیت ہو گئی کہ امرتسر کا نصف شہر اور لاہور میں ہندوؤں کے محلے تباہ و برباد ہو کر اس طرح دکھائی دینے لگے گویا ان پر شدید قسم کی بمباری ہو چکی ہے۔ بڑی بڑی عمارتیں' محلے کے محلے' بازار اور کوچے کھنڈروں میں تبدیل ہو گئے۔ لوگ ان شہروں

کو چھوڑ کر دوسری اطراف میں جانے لگے۔ وسط جولائی تک امرتسر کی نصف آبادی شہر سے نکل گئی تھی، اور لاہور سے محتاط ہندوؤں کا فرار کافی تیزی کے ساتھ جاری ہو چکا تھا۔

جون ۱۹۴۷ء کے دوران میں راقم الحروف شدید طور پر علیل ہونے کے باعث لاہور کے میو ہسپتال میں صاحب فراش تھا۔ ان دنوں لاہور میں فسادات کی کیفیت کا ایک خاص پہلو یہ دیکھا گیا کہ جب کبھی دو چار دن کیلئے خنجر زنی اور آتش زدگی کی وارداتوں میں کسی قدر کمی واقع ہوتی تھی تو ہندو اور سکھ فساد کی آگ کو تیز تر کرنے کیلئے کوئی نہ کوئی حرکت کر بیٹھتے تھے۔ وہ مسلمانوں کو اشتعال دلانے کا موجب بن جاتی تھی۔ مثال کے طور پر ۲۲، ۲۳ جون کے اہم واقعات کا مختصر سا حال درج کیا جاتا ہے۔

۲۱ جون کو چند دن کے شدید فسادات کے بعد حالت روبہ اصلاح نظر آ رہی تھی کہ ۲۲ جون ۱۹۴۷ء کی صبح کو سبزی منڈی واقعہ چیمبرلین روڈ لاہور میں خطرناک قسم کے تین بم ان مسلمانوں پر پھینکے گئے جو صبح کے وقت منڈی میں اپنے کاروبار کے سلسلہ میں جمع ہو رہے تھے۔ ان بموں سے کوئی بیس مسلمان ہلاک اور سو کے قریب زخمی ہو گئے۔ اس پر ایک سکھ تھانیدار اور ایک سکھ ہیڈ کنسٹیبل (Head Constable) نے مسلمانوں کے خوف زدہ ہجوم پر ریوالوروں سے فیر کرنے شروع کر دیئے جنہیں موچی دروازہ کے انسپکٹر پولیس نے موقع پر جا کر روکا۔ سبزی منڈی میں مسلمانوں کے اجتماع پر اس طرح حملہ ہونے کی اطلاع پھیلی تو مسلمان اشتعال میں آ گئے اور شہر بھر میں اس روز شدید نوعیت کے فسادات ظہور پذیر ہوئے، جو پولیس کی گولیوں کے باوجود دن بھر جاری رہے۔ شام کے سات بجے کرفیو لگنے کے باعث لوگ گھروں میں دبک کر جا بیٹھے لیکن اسی رات چند مسلمان نوجوانوں نے جان ہتھیلی پر رکھ کر اندرون شہر میں ہندوؤں کے

مرکز یعنی اندرون شاہ عالمی دروازہ کے بازار کو آگ لگادی۔ متعدد عمارتیں جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گئیں۔ اس قسم کے واقعات ظاہر کرتے تھے کہ فسادات کا چکر اگرچہ پورے زور کے ساتھ چل رہا تھا اور ہندو سکھ اور مسلمان انتقامی طور پر ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی ایک لامتناہی مہم جاری کر چکے تھے۔ تاہم مسلمانوں کی عام کیفیت یہ تھی کہ وہ امن و سکون کی بحالی کو خوش آمدید کہنے کیلئے تیار تھے۔ لیکن لاہور اور امرتسر میں ہندوؤں اور سکھوں کی کوشش یہ تھی کہ فسادات جاری رہیں۔ وہ اپنے ڈکٹیٹر (Dicator) ماسٹر تارا سنگھ کے حکم کے بغیر مائل بہ امن نہیں ہو سکتے تھے اور ماسٹر تارا سنگھ قیام امن کی کوششوں میں اپنے نام تک کی شمولیت کو اپنے لئے باعث ہتک خیال کرتے تھے۔ جنگ جاری رکھ کر ہندو اور سکھ اپنے مخصوص مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ان فسادات کے بل پر وہ مسلمان لیڈروں کے تقسیم پنجاب کا مطالبہ منوا چکے تھے' اور وسط جولائی تک مشرقی اور مغربی پنجاب کی حکومتیں بھی قائم ہو گئی تھیں لیکن ہندو اور سکھ اس سے زیادہ کچھ اور چاہتے تھے اس لئے وہ فساد کی آگ کو برابر ہوا دیتے رہے۔ ان کا یہ سارا کاروبار کسی منظم اور طے شدہ سازش کے ماتحت ہو رہا تھا جیسا کہ بعد میں رونما ہونے والے واقعات ظاہر کریں گے۔ مسلمان لیڈر اس لحاظ سے غفلت کی نیند کا شکار تھے۔ ان کے دماغوں نے یہ سوچنے کی زحمت تک گوارا نہ کی کہ ہوا کا رُخ کس طرف کو ہے؟ کیا ہو رہا ہے؟ اور کیا کچھ ہونے والا ہے؟ اور کیا کچھ ہو کر رہے گا؟ ان کا خیال تھا کہ پاکستان کے نام سے انہیں جو کچھ مل جائے گا اس پر وہ مزے سے حکمرانی کریں گے اور انتقال اختیارات کے بعد حالات خود بخود روبہ اصلاح ہو جائیں گے۔ پاکستان کے قیام کے بعد کوئی چیز ان کے جشن ہائے عیش و مسرت میں حائل نہ ہو سکے گی۔

دیگر مقامات:

امرتسر اور لاہور کے واقعات کی رفتار سے گوجرانوالہ کی فضا بھی وسط جون میں متاثر ہوئی اور گوجرانوالہ کا شہر بھی وسط جولائی تک کرفیو آرڈر کا تختۂ مشق بنا رہا۔ پنجاب کے بعض دوسرے شہروں مثلاً لائل پور، سیالکوٹ، جالندھر میں بھی فساد کی چنگاریاں بھڑکیں جن پر حکام وقت نے جلد قابو پا لیا۔ اواخر جولائی تک ضلع فیروز پور اور ضلع امرت سر کے بعض دیہات میں مسلمانوں پر حملے کرنے کی وارداتیں معمولی پیمانہ پر شروع ہو گئیں۔ ۱۸ جولائی کو امرتسر کا ضلع فساد زدہ رقبہ قرار دے دیا گیا۔ ۲۳ جولائی کو لاہور کے قریب ایک ٹرین روک کر چند مسلمان مسافروں کو قتل کر دیا گیا۔ ۲۵ جولائی کو قادیاں اور بٹالہ کے درمیان ایک ریلوے ٹرین پر حملہ ہوا اور مسلمان مسافروں کو قتل کر دیا گیا۔ ۳۱ جولائی تک ضلع امرتسر کی تحصیل اجنالہ میں بھوگ پورہ جسر وال سے اور تحصیل ترنتارن میں ناگوکے سے اور تحصیل امرتسر میں سلطان ونڈ اور جنڈیالہ گرو سے مسلمانوں پر سکھوں کے شدید حملوں کی اطلاعات موصول ہو چکی تھیں۔

یکم اگست سے پندرہ اگست تک:

یکم اگست سے پندرہ اگست تک سرکاری محکموں اور ان کے عملوں کو ایک جگہ سے دوسرے جگہ منتقل کرنے کی سرگرمیاں زور شور سے جاری رہیں۔ نئی دہلی سے قائد اعظم اپنے عملہ سمیت ۷راگست کو طیارہ پر سوار ہو کر کراچی چلے گئے۔ پاکستان کے وزراء بھی اپنے اہل و عیال سمیت کراچی چلے گئے۔ پاکستانی سرکار کے ملازموں کو کراچی پہنچانے کیلئے اسپیشل ٹرینیں چلنے لگیں۔ مشرقی پنجاب کے دفاتر بھی ۹راگست تک اپنے عملوں سمیت لاہور سے مشرقی پنجاب میں منتقل ہو گئے۔ ۱۴راگست کو پنجاب کے بارہ

مرکزی اضلاع میں امن قائم رکھنے کی ذمہ داری اسپیشل باؤنڈری فورس نے سنبھال لی۔

لیکن ان تبدیلیوں کے ساتھ ہی امرتسر شہر اور اس کے مضافات میں سکھ غنڈوں کے منظم گروہ مسلمانوں پر حملے کرنے لگے۔ یہ حملے اگست کی ابتدائی تاریخوں میں اتنی شدت اختیار کر گئے کہ مسلمان ہزاروں کی تعداد میں نقل مکانی کر کے لاہور کی طرف آنے لگے۔ پاکستان سے بھی ہندو دیر سے نکل رہے تھے، اور اگست کے پہلے ہفتہ میں بھی ان کا رضاکارانہ اخراج برابر جاری رہا۔ ۶ر اگست تک پناہ گزینوں کا مسئلہ اتنی اہمیت اختیار کر گیا کہ اس روز مرکزی مجلس تقسیم کی طرف سے پاکستان اور ہندوستان کی حکومتوں کا ایک مشترکہ بیان جاری کیا گیا، جس میں کہا گیا کہ "دونوں ملکوں میں پناہ گزینوں کے کیمپ جو حکومتوں اور مخیر اداروں نے کھول رکھے ہیں، برقرار رکھے جائیں گے اور دونوں حکومتیں اپنے اپنے ہاں اُن کیمپوں کے انتظام کی ذمہ دار ہوں گی اور ان کی امداد کریں گی۔

پاکستان کے حکام کو ہندوستان میں اور ہندوستان کے حکام کو پاکستان میں پناہ گزینوں کے حالات دریافت کرنے، انہیں امداد بہم پہنچانے اور مقامی حکام سے تبادلۂ خیالات کرنے کی اجازت ہوگی۔ پناہ گزینوں کی املاک اور جائیداد کے تحفظ کیلئے دونوں حکومتیں منیجر مقرر کر دیں گی جن کے اخراجات ان جائیدادوں کی آمدنی سے ادا کیے جائیں گے، مجرموں کو سزائیں دی جائیں گی اور جن مقامات پر فسادات رُونما ہوں گے، وہاں کے مقامی حکام کو نیز ذیلداروں، سفید پوشوں اور نمبرداروں کو ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا، اور دونوں حکومتیں پناہ گزینوں کو پھر سے بسانے کیلئے تدابیر اختیار کریں گی"۔

یہ اعلان کس قدر معصومانہ افکار کا حامل تھا۔ اس کے ایک ایک لفظ سے ہندوستان اور پاکستان کے ارباب اقتدار کی کتنی بڑی نیک نیتی مترشح ہو رہی تھی اور دونوں ملکوں کی خوف زدہ اقلیتوں کیلئے یہ اعلان کس قدر تسلی کا پیغام تھا، لیکن افسوس کہ یہ

علان اور اسی نوعیت کے دیگر اعلانات جو اس دور میں کیئے گئے محض فریب ثابت ہوئے۔ جہاں تک ہندوستان کے حکمرانوں کا تعلق ہے انہوں نے اس قسم کے اعلانات کو اپنے بھیانک عزائم کیلیے پردے کے طور پر استعمال کیا۔ یہ اعلانات دھوئیں کے بادل تھے جو ان سیاہ کارناموں کو چھپانے کے لئے جاری کیئے گئے جن کی سازش اور تیاری ہندو اور سکھ لیڈروں نے پہلے سے کر رکھی تھی۔

ہاں تو جوں جوں آزادی کی تاریخ قریب آتی گئی۔ مشرقی پنجاب کے اضلاع میں مسلمانوں پر حملے کر کے انہیں موت کے گھاٹ اُتارنے کی مہم ترقی کرتی گئی۔ پہلے ضلع امرتسر کے دیہات میں یہ سلسلہ شروع ہوا۔ ۵؍اگست کو موضع کوکری ارائیاں ضلع فیروزپور میں سکھوں کے ایک گروہ نے رات کے وقت حملہ کر کے دو تین کنبوں کے انیس مسلمانوں کو ہلاک کر دیا۔ بچوں کو ان کے ماں باپ کے سامنے برچھوں سے چھیدا۔ اسی تاریخ کے لگ بھگ موضع جرالہ ضلع لدھیانہ میں اسی قسم کا کھیل کھیلا گیا اور ۱۳ مسلمان مرد وزن خاک وخون میں لوٹا دیئے گئے۔ ان مقامات کے مسلمان تھانے میں اور دیگر حکام کے پاس فریاد لے کر گئے لیکن وہاں کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ مسلمانوں نے جان لیا کہ حالات خراب ہیں، لیکن انہیں خیال تھا کہ ۱۵؍اگست کے بعد جب نئی حکومتیں قائم ہوں گی تو حالات درست ہو جائیں گے۔

۸؍اگست تک امرتسر، جالندھر، ہوشیار پور اور گڑگانوں میں متعدد مقامات پر ایسی ہی کیفیات رونما ہوئیں۔ یہ حملے مسلمانوں کے گھروں پر بے خبری کے عالم میں کیئے جاتے تھے اور بسا اوقات شبخون مارے جاتے تھے۔ ان حملوں کا مقصد ڈکیتی یا لوٹ ہرگز نہ تھا، یہ محض مسلمانوں کو قتل کرنے کیلیے جاتے تھے۔

۱۰؍اگست کو سکھوں اور ہندوؤں نے امرتسر میں اندھیر مچا دیا۔ پولیس کے

مسلمان ملازموں سے بندوقیں لے لی گئیں۔ ان میں سے جن ملازموں نے پاکستان کی ملازمت میں جانے کیلئے کہہ رکھا تھا انہیں نہتا کر کے اسٹیشن کی طرف روانہ کر دیا۔ اسٹیشن پر انہیں گولیوں کا نشانہ بنا لیا گیا۔ اُس روز شہر میں اندھیر مچا ہوا تھا۔ مسلمانوں پر ہر طرف سے گولیوں کی بارش ہو رہی تھی۔ مشرقی پنجاب کی پولیس جو ہندوؤں اور سکھوں پر مشتمل تھی اور باؤنڈری فورس کے دستے جو زیادہ تر ہندوؤں اور سکھوں پر مشتمل تھے' مسلمانوں پر گولیاں برسانے لگے۔ امرتسر کے مسلمان جو چھ ماہ سے وہاں کے ہندوؤں اور سکھوں کا مردانہ وار مقابلہ کر رہے تھے' پولیس اور فوج کی آتشباری کی تاب نہ لا کر وہاں سے بھاگے اور قافلے بنا کر جس طرح کسی سے بن پڑی لاہور کی طرف روانہ ہو گئے یا شریف پورہ کے کیمپ میں جمع ہونے لگے۔ امرت سر سے مسلمانوں کے اخراج کا یہ سلسلہ کئی دن جاری رہا۔ ہندو اور سکھ غنڈے اپنی پولیس اور فوج کی مدد سے جن مسلمان گھرانوں کو اپنے مکانوں اور محلوں سے نکالتے تھے' وہ بیچارے شہر کے باہر کیمپوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اس افراتفری کے عالم میں امرتسر کے سینکڑوں مسلمان مارے گئے۔ پناہ گزینوں کو حفاظت سے لانے کا کام پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ اب اس کی رفتار المضاعف کرنی پڑی۔

۱۲ راگست کو حالات اِس حد تک مخدوش ہو چکے تھے کہ پنجاب پراونشل مسلم لیگ کے لیڈروں نے ۱۵ راگست کے اُن جشن ہائے مسرت سے محترز رہنے کا اعلان جاری کر دیا جو پاکستان کے قیام کی تقریب پر منائے جا رہے تھے اور جن کا پروگرام طے ہو چکا تھا۔ کراچی میں پاکستان کے ارباب اقتدار نے ۱۵ راگست کو یہ جشن دھوم دھام سے منائے اور وزرائے کرام کے عالیشان قصروں میں رقص و سرود کی محفلیں گرم ہوئیں۔ کراچی میں جو جشن منائے گئے ان میں پاکستان کی بری اور بحری افواج کے

یونٹوں نے شرکت کی جو بروقت وہاں پہنچ گئے تھے۔

امرتسر سے مسلمانوں کو خارج کرنے میں ہندوؤں اور سکھوں کو جو کامیابی ہوئی اس نے ان کے حوصلے اور بھی بلند کر دیئے۔ اب امرتسر کے دیہات میں سکھ گردی شروع ہو گئی۔ ضلع امرتسر کی زمین مسلمانوں کے خون سے جابجا رنگین ہونے لگی۔

پناہ گزینوں کی ٹولیاں ہزاروں کی تعداد میں پہلے کیمپوں کی طرف اور پھر کیمپوں سے لاہور کی طرف حرکت کرتی نظر آنے لگیں۔

۱۴ر اگست کو لاہور پر امرتسر کا ردِعمل ہوا۔ یہ دن لاہور کے ہندوؤں اور سکھوں کیلئے اُتنا ہی سخت تھا' جس قدر ۱۰ر اگست کا دن امرتسر کے مسلمانوں کیلئے منحوس ثابت ہوا تھا۔ ۱۴ر اگست کو لاہور میں حکام کا کنٹرول یکسر معطل نظر آنے لگا۔ خنجر زنی کی وارداتیں کثرت سے وقوع پذیر ہونے لگیں۔ ہندو اور سکھ گھروں سے نکل نکل کر پناہ گاہوں میں جمع ہونے لگے اور ان کے قافلے لاہور کو خیرباد کہہ کر مشرقی پنجاب کی طرف جانے لگے۔ لاہور اُسی دن ہندو اور سکھ آبادی سے خالی ہو گیا۔ ہندوؤں کے گھروں سے جو ساز و سامان برآمد ہوا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ہندو لاہور سے نکلنے کا خیال تک نہیں رکھتے تھے۔ ۸ر اگست تک لاہور کے ہندو اخبار اور ہندو لیڈر انہیں تسلی دے رہے تھے کہ لاہور مشرقی پنجاب میں جائے گا۔ ان کا یہ تیقن محض ان خفیہ جنگی طیاروں کے باعث تھا جو انہوں نے لاہور کو بہیمانہ طاقت کے بل پر مشرقی پنجاب میں شامل کرنے کیلئے کر رکھی تھیں۔ اگر ۱۴ر اگست کو لاہور میں امرتسر کی طرح باؤنڈری فورس کی محض ہندو اور سکھ بٹالینَن متعین ہوتیں تو لاہور پر ۱۵ر اگست کی صبح کو پاکستانی پرچم کے بجائے ہندوستان کا جھنڈا لہراتا نظر آتا۔ ہندو اور سکھ اس بات کو پورا کرنے کیلئے مکمل تیاریاں کر چکے تھے لیکن مسلمانانِ لاہور کی ہمت اور پامردی نے لاہور کو یہ روزِ بد دکھانے سے محفوظ رکھا۔

آزادی

اور

بربادی

آفتابِ آزادی کا طلوع

ہندوستان اور پاکستان کا ظہور:

پندرہ اگست ۱۹۴۷ء کو آفتاب طلوع ہوا تو یونین جیک کی جگہ کراچی میں پاکستان کا ہلالی پرچم اور دہلی میں ہندوستان کا ترنگا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ دُنیا میں دو نئی مملکتوں نے جنم لیا' جنہیں دولت متحدہ برطانیہ کے بادشاہ جارج ششم نے درجۂ مستعمرات کی آزادی عطا کر دی تھی۔ ان دونوں مملکتوں کے لوگوں کو اپنے ہر گونہ معاملات اور انتظامات خود سنبھالنے کا پورا پورا اختیار واقتدار مل گیا۔ انہیں حق حاصل تھا کہ وہ چاہیں تو دولت متحدہ برطانیہ کے خاندان میں دو ممبروں کی حیثیت سے شامل رہیں یا الگ ہو جائیں۔ برطانیہ کے سلطنتی نظام میں درجۂ مستعمرات کی آزادی کامل آزادی کے ہم معنی بن چکی ہیں۔ اس لئے پندرہ اگست کا آفتاب طلوع ہوا تو پاکستان کی تقدیر کے والی نوابزدہ لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان اور ہندوستان کی قسمت کے مالک پنڈت جواہر لال بنے ہوئے تھے۔ ان دونوں کو یہ رفیع مقام ہندوستان کی مسلم قوم اور ہندو قوم نے دیا تھا جو لیڈروں کی گرما گرم تقریریں سن کر ''زندہ باد'' کے نعرے لگانے میں ماہر و مشاق ہو چکی تھیں۔

پاکستان کا حکمران طبقہ یعنی اس کے گورنر جنرل قائد اعظم محمد علی جناح' نوابزادہ لیاقت علی خان اور دیگر وزرائے کرام پاکستان کی مرکزی حکومت کے اعلیٰ عہدے دار اور ادنیٰ اہلکار اپنے اہل وعیال اور اپنے گھروں کے ساز وسامان سمیت نئی دہلی سے ہجرت کر کے کراچی پہنچ چکے تھے' ان میں سے اکثر اپنی جائیدادیں فروخت کر آئے تھے اور اکثر اپنے گھروں کی دیواروں پر آویزاں ہونے والی تصاویر تک اُٹھا لائے

تھے۔ اُن کو منتقل کرنے کیلئے پاکستان کے خزانہ سے طیاروں اور اسپیشلوں کا انتظام کر دیا گیا تھا جو یکم اگست سے ۱۴ راگست تک دھڑا دھڑ چلتی رہیں۔ یہ لوگ پاکستان کے حکمران تھے۔ انہیں حق حاصل تھا کہ ہندوستان سے پوری سہولت اور عافیت کے ساتھ ہجرت کریں۔ اپنے گھروں کا ساز و سامان اپنے ساتھ لے جائیں۔ اپنی جائیدادیں فروخت کرلیں اور اطمینانِ خاطر سے منزلِ مقصود پر پہنچ کر پاکستان پر حکومت کریں۔

۱۵ راگست کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیڈروں کو نئی مملکتیں سنبھالنے کے وہ کلی اختیارات مل گئے' جن کیلئے وہ ضرورت سے زیادہ بیتاب ہو رہے تھے۔ اس لئے پندرہ اگست کو وہ دہلی اور کراچی میں مسرت و شادمانی کے جشن منا رہے تھے۔ انہیں ایسا کرنے کا حق حاصل تھا کیونکہ پاکستان اور ہندوستان کو جو آزادی ملی وہ انہی حضرات کے بَل پر ملی تھی یا "زندہ باد" کے ان نعروں کے بل پر ملی جو ہندو اور مسلمان اپنے اپنے اربابِ قیادت کیلئے لگایا کرتے تھے۔

تعجیل کاری کے باعث اہم فروگذاشتیں:

ہندوستان کے لیڈر ہندو اور مسلمان آزادی کی منزلِ مقصود کی طرف خود چل کر نہیں آئے تھے بلکہ ہانک کی سُرعتِ رفتار کے ساتھ لائے گئے تھے۔ وہ خود بھی حکمرانی کا اقتدار حاصل کرنے کیلئے بیتاب تھے اور لارڈ مونٹ بیٹن نے بھی انہیں اس زور اور شدت کے ساتھ ہانکا کہ انہیں کچھ سوچنے اور سمجھنے کی فرصت تک نہ دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے اہم مسائل جن کا فیصلہ انہیں اختیارات کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینے سے بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا' وہ ۱۵ راگست کی صبح تک ادھورے اور غیر منفصل پڑے تھے۔ اس غفلت میں ہندوستان کے لیڈروں کی بہ نسبت پاکستان کے اربابِ اقتدار نمایاں طور پر ممتاز نظر آئے۔

کیفیت یہ تھی کہ پاکستان کے حصے کا بہت سا ساز و سامان ابھی ہندوستان میں پڑا تھا۔ ان سرکاری ملازمین کا تبادلہ بھی ابھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا تھا جو اُدھر سے اِدھر یا اِدھر سے اُدھر جانے کیلئے آمادگی کا اظہار کر چکے تھے۔ پاکستان کے حصہ کا کروڑوں روپیہ بھی ابھی اُن بنکوں میں پڑا تھا جو ہندوستان کی زمین پر کام کر رہی تھیں۔ پاکستان کے حصہ میں آنے والی فوجیں جاپان، سنگاپور، عراق اور سمندر پار کے بعض دوسرے مقامات پر بکھری ہوئی تھیں۔ صرف چند یونٹ ۱۵ر اگست کے جشن شادمانی میں شامل ہونے کیلئے بروقت کراچی پہنچ گئے تھے، جنہوں نے اس نئی مملکت، اس کے گورنر جنرل اور اس کے وزیر اعظم کی سلامیاں اُتاریں۔

ابھی حد بندی کے اس کمیشن نے بھی اپنا فیصلہ صادر نہ کیا تھا جو پنجاب اور بنگال میں پاکستان اور ہندوستان کی حدیں مقرر کرنے کیلئے مقرر ہو چکا تھا۔ اسے ۱۲ر اگست کو اپنا فیصلہ صادر کر دینا چاہیئے تھا لیکن اس نے لیت و لعل سے کام لے کر حد بندی کے اعلان کو معرضِ التوا میں ڈالے رکھا۔ پندرہ اگست کو جب پاکستان اور ہندوستان کے حکمرانوں نے اختیارات سنبھالے تو انہیں اس بات کا علم تک نہ تھا کہ ان کے حلقۂ اقتدار کی وسعتیں کہاں کہاں ختم ہوتی ہیں۔ اگر انہیں بصیغۂ راز داری علم ہو چکا تھا تو متنازعہ اضلاع کے باشندوں اور دونوں مملکتوں کے عام لوگوں کو خبر تک دینے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی کہ وہ کس مملکت میں دھر لئے گئے ہیں یا ان کی حدیں کہاں کہاں ہیں؟

سب سے بڑی اور سب سے زیادہ خطرناک فروگذاشت یہ تھی کہ ہندوستان کے ارباب اقتدار نے پاکستان کی مملکت میں آنے والے ساڑھے تین کروڑ ہندوؤں اور سکھوں اور مسلمانوں کے اربابِ قیادت نے ہندوستان میں رہ جانے والے پانچ کروڑ سے زائد مسلمانوں کے حال و مستقبل کی طرف سے یکسر آنکھیں بند کر کے سمند

حکمرانی کی عنان اپنے ہاتھ میں لینے کی جلدی کی، حالانکہ ہندوستان کو اکھنڈ رکھنے کیلئے پاکستان کے ہندو اور سکھ سب سے زیادہ بیتاب تھے اور پاکستان بنانے پر زور دینے میں ہندوستان کے مسلمان سب سے زیادہ بلند آہنگ تھے۔ ہندو ارباب قیادت کیلئے پاکستان کے ہندوؤں اور سکھوں کی قربانی دینا آسان بات تھی کیونکہ وہ پینتیس کروڑ کی آزادی کے لئے دو کروڑ کو یعنی اپنی قوم کے صرف ۶ فیصدی حصہ کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ رہے تھے، لیکن مسلمانوں کی قائدیت نے پانچ کروڑ مسلمانوں پر حکمرانی کرنے کی خاطر پانچ کروڑ مسلمانوں کو یعنی اپنی قوم کے نصف حصہ کو دھتا بتا دی۔ اپنے ملی جسم کے نصف حصہ کو کاٹ کر بیدردی کے ساتھ الگ پھینک دیا، کچھ نہ سوچا کہ انہیں کس قسم کے حالات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ان کا سیاسی، تمدنی، معاشرتی اور ثقافتی مستقبل کیا ہو گا۔ ہندو لیڈروں کی بہ نسبت مسلمان لیڈروں کیلئے زیادہ ضروری تھا کہ وہ لنگڑے پاکستان کو قبول کرتے وقت اس امر کا اطمینان حاصل کر لیتے کہ ہندوستان میں رہ جانے والے پانچ کروڑ مسلمانوں سے وہاں کے حکمران کیا سلوک کریں گے۔ اگر بدسلوکی کریں گے تو ان کیلئے چارۂ کار کیا ہو گا؟ لیکن مسلمان لیڈروں کو تو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کی حکمرانی مل رہی تھی، وہ ہندوستان کے پانچ کروڑ مسلمانوں کے متعلق سوچنے کی زحمت کیونکر گوارا کر سکتے تھے؟

یہ اور اس سے کم اہمیت کے دیگر بیسیوں امور ایسے تھے جنہیں طے کئے بغیر ہندوستان اور پاکستان کے حکمرانوں نے آزادی کی ذمہ داریاں اپنے پُر اشتیاق کندھوں پر اُٹھا لیں۔

حصولِ آزادی کے وقت ملک کی کیفیت:

پندرہ اگست ۱۹۴۷ء کو جب دہلی اور کراچی میں مسرت و شادمانی کے جشن

منائے جا رہے تھے، پنجاب کی کیفیت جو دو حصوں میں بٹ چکا تھا، یوں نظر آ رہی تھی:۔

امرتسر کے مسلمان اور لاہور کے ہندو اور سکھ اپنے اپنے گھروں سے بے دخل ہو کر یکسر اُجڑ چکے تھے۔ ان کے قافلے ریلوے ٹرینوں، فوجی ٹرکوں، لاریوں، بسوں اور تانگوں پر نیز پاپیادہ سراسیمگی کی حالت میں مشرق سے مغرب کو اور مغرب سے مشرق کو جا رہے تھے۔ امرتسر کے مسلمان شریف پورہ اور چھاؤنی کے کیمپوں میں جمع کر دیئے گئے تھے اور لاہور کے ہندو اور سکھ ڈی اے وی کالج اور مغلپورہ کے کیمپوں میں اکٹھے ہو چکے تھے۔ ضلع امرتسر کے دیہات میں سکھوں نے مسلمانوں پر حملے کر کے انہیں آمادۂ پیکار کرنے کی مہم کافی شدّت کے ساتھ شروع کر دی تھی۔ اس کے علاوہ گورداسپور، فیروزپور، ہوشیارپور اور جالندھر کے اضلاع میں بھی فرقہ وار فسادات کی وارداتیں ترقی پذیر ہوتی نظر آ رہی تھیں۔ ان اقطاع میں ہر جگہ پیش دستی سکھوں کی طرف سے ہو رہی تھی۔ یہ کیفیات ماہ اگست کے آغاز ہی سے نمودار ہونے لگی تھیں لیکن ابھی کسی کو اس امر کا وہم وگمان بھی نہ تھا کہ یہ سب کچھ کسی منظم سازش کے ماتحت معرض ظہور میں آ رہا ہے۔ مغربی پنجاب اور پاکستان کے دوسرے اقطاع میں کامل امن وسکون تھا، صرف لاہور میں فرقہ وار فساد ظہور پاکستان کے ایک دن پہلے اپنی انتہائی معراج کو پہنچ چکا تھا، اور اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ لاہور کے ہندوؤں اور سکھوں نے سرحدی افواج کے سکھ اور ہندو عنصر کے بھروسے پر امرتسر کی طرح لاہور سے مسلمانوں کو بے دخل کرنے کی ٹھان رکھی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ لاہور میں انہیں امرتسر کی طرح کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

ہندوستان اور پاکستان کے ارباب اقتدار کو شادمانی کے جشن منانے سے فرصت ملی تو انہوں نے ہر لحظہ بگڑتی ہوئی فرقہ وار صورتحال کو سنبھالنے کی طرف توجہ مبذول کی۔ ۱۷/اگست کو انبالہ میں ہندوستان اور پاکستان کے ذمہ دار ارباب اقتدار کی

ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں ہندوستان کی طرف سے حسب ذیل مقتدر ہستیاں شریک ہوئیں۔

پنڈت جواہرلال وزیراعظم، سردار بلدیو سنگھ وزیر دفاع، سر چندولال ترویدی گورنر مشرقی پنجاب، ڈاکٹر گوپی چند بھارگو وزیراعظم مشرقی پنجاب، سردار سورن سنگھ وزیر اور مسٹر نواب سنگھ ہوم سیکرٹری مشرقی پنجاب۔

پاکستان کے حسب ذیل ارباب اقتدار اس کانفرنس میں شریک تھے۔

مسٹر لیاقت علی خان وزیراعظم پاکستان، سر فرانس مودی گورنر مغربی پنجاب، مسٹر محمد علی سیکرٹری جنرل پاکستان، خان افتخار حسین خان ممدوٹ وزیراعظم مغربی پنجاب، میاں ممتاز دولتانہ وزیر مالگزاری مغربی پنجاب، مسٹر اختر حسین چیف سیکرٹری مغربی پنجاب، مسٹر قربان علی خان انسپکٹر جنرل پولیس۔

ان کے علاوہ پنجاب کی مشترکہ سرحدی افواج کے لیفٹیننٹ جنرل سر آرتھر سمتھ اور میجر جنرل ریس بھی اس کانفرنس میں شریک ہوئے۔

اس کانفرنس نے فیصلہ کیا کہ دونوں حکومتیں پناہ گزینوں کو حفاظت اور سہولت سے منتقل کرنے کا ذمہ اُٹھائیں گی۔ دونوں مملکتوں کی مرکزی حکومتیں اسپیشلیں چلانے میں مدد دیں گی۔ لاہور اور امرتسر میں سول حکام کے ساتھ رابطۂ باہمی قائم کرنے والے افسر مقرر کیے جائیں گے۔ سرحدی افواج کے زیر انتظام رقبہ میں کمی کر دی جائے گی اور اسے ہٹانے کے بعد دونوں حکومتوں کی افواج اپنے اپنے اضلاع کے انتظام کی ذمہ دار بن جائیں گی۔

۱۹ اگست کو پنڈت جواہرلال نہرو اور مسٹر لیاقت علی خان کا ایک مشترکہ بیان شائع ہوا جس میں لوگوں سے پُرامن رہنے کی اپیل کی گئی تھی۔ اسی روز مشرقی اور مغربی

پنجاب کے چار وزیروں کا ایک مشترکہ بیان جاری ہوا، جس میں کہا گیا تھا کہ دونوں صوبوں کی حکومتیں انبالہ کانفرنس کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنائیں گی۔ ہم بدامنی اور تشدد کو برداشت نہیں کر سکتے اور جرائم کو طاقت سے دبا کر رہیں گے۔ اس مقصد کیلئے دونوں حکومتیں مل کر کام کریں گی۔

یہ اعلانات اور بیانات ۱۷؍اگست کی انبالہ کانفرنس کے فیصلہ کے مطابق ۱۹؍اگست کو جاری کیے گئے، لیکن ۱۷؍اور ۱۸؍اگست سے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل عام کی مہم پوری تنظیم اور انتہائی شدت کے ساتھ شروع ہو گئی اور بیان جاری کرنے والے اصحاب ''ٹک ٹک دیدم دم نکشیدم'' کے سوا کچھ نہ کر سکے۔

حد بندی کمیشن کا فیصلہ:

پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے سلسلہ میں حد بندی کا جو کمیشن مقرر ہوا تھا، اس میں دو مسلمان، ایک ہندو اور ایک سکھ جج صاحبان رکھے گئے تھے، اور ان کے ساتھ پانچویں جج سر سول ریڈ کلف نامی کمیشن کے صدر بنائے گئے تھے۔ کمیشن کو ملک معظم کی حکومت (برطانوی) کی طرف سے ہدایات دی گئی تھیں کہ وہ پنجاب کے دو حصوں کی حدود کا تعین اس بناء پر کرے کہ کون کون سے ملحقہ علاقے مسلم اکثریت کے ہیں، اور کون سے غیر مسلم اکثریت کے۔ اسے اس بات کی بھی ہدایت کی گئی تھی کہ وہ دیگر عوامل کا بھی خیال رکھے۔

۳ جون ۱۹۴۷ء کے اعلان میں پنجاب کو عارضی طور پر دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا، اور اس عارضی تقسیم میں ضلع امرتسر، ضلع فیروز پور اور ضلع جالندھر کے خالص مسلم اکثریت رکھنے والے بڑے بڑے اقطاع مشرقی پنجاب میں شامل کر دیے گئے۔ مسلمانوں کا خیال یہ تھا کہ پنجاب اور بنگال کے صوبے تو برطانوی حکومت کے تدبر نے

ان کی چھاتی پر مونگ دل کر تقسیم کر ہی دیئے ہیں، لیکن حد بندی کا کمیشن ان کی اشک شوئی کرے گا اور سرکاری اعلان کی صاف اور صریح ہدایات پر چل کر مسلم اکثریت رکھنے والے متذکرہ صدر اقطاع مغربی پنجاب کے ساتھ ملحق کر دے گا۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ برطانوی تدبر نے "دیگر عوامل" کی جو شرط رکھی ہے اس میں مسلمانوں کے حق کا مزید گلا گھونٹنے کی گنجائش رکھ لی گئی ہے۔ راقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ اعلان میں یہ الفاظ ہندو اور سکھ لیڈروں کے اصرار پر درج کئے گئے ہوں گے، جو کہ ہر شئے کو سوچی سمجھی تدابیر کے مطابق چلا رہے تھے۔ بہرکیف کمیشن مقرر ہوا، اس کے مسلم اور غیر مسلم جج جیسا کہ توقع کی جا سکتی تھی، کسی متفقہ فیصلہ پر نہ پہنچ سکے اور ثالثی کرنے کی زحمت سر سول ریڈکلف صاحب کو برداشت کرنی پڑی۔ انہوں نے اصل ہدایت کو جو مسلم اور غیر مسلم اکثریت رکھنے والے ملحقہ علاقوں کو اِدھر سے اُدھر یا اُدھر سے اِدھر کرنے کے متعلق تھی بالائے طاق رکھ دیا اور دیگر عوام میں سے صرف ایک ہی عامل یعنی ہندو اور سکھ لیڈروں کی خوشنودیٔ مزاج کو ملحوظ خاطر رکھ کر ایسا فیصلہ صادر کیا جو فیصلوں کی تاریخ میں "یکسر نادر" شمار ہوتا رہے گا۔ ریڈکلف صاحب نے زیرہ ضلع فیروز پور، نکودر ضلع جالندھر اور ضلع جالندھر کی تحصیلوں کو تو جن میں ۸۰ فیصدی مسلم اکثریت تھی، اور یہ تحصیلیں ایک دوسرے سے ملحق ہوتی ہوئی مسلمہ پاکستان کی زمین کے ساتھ جا ملتی تھیں، مشرقی پنجاب میں برقرار رکھا، لیکن ہندوؤں اور سکھوں کی رضا جوئی کی خاطر لاہور اور گورداسپور کے ضلعے دونوں صوبوں کے درمیان بانٹ دیئے۔ ضلع گورداسپور میں سے شکر گڑھ کی تحصیل جو دریائے راوی کے مغرب میں واقع تھی، مغربی پنجاب کے پاس رہنے دی۔ پٹھان کوٹ، گورداسپور اور بٹالہ کی تین تحصیلیں کاٹ کر مشرقی پنجاب کے حوالے کر دیں۔ اسی طرح ضلع لاہور کی ایک تحصیل قصور کو کاٹ کر اس کا ایک حصہ مشرقی پنجاب کے حوالے کر دیا۔

۳ جون کے اعلان نے پنجاب اور بنگال کے مسلم اکثریت رکھنے والے صوبوں کو تقسیم کر کے حقیقی پاکستان کے بجائے لنگڑا پاکستان قائم کیا تھا' اب حد بندی کے کمیشن نے اس لنگڑے کی ٹانگ پر اور کاری ضرب لگا کر اُسے بالکل اپاہج بنا دیا۔

گورداسپور کے ضلع میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی' اور عیسائیوں کو ملا کر مسلمانوں کا پلہ ہندوؤں اور سکھوں کے مقابلے بہت بھاری ہو جاتا تھا' لیکن اس ضلع کی تین تحصیلیں ہندوستان کو دے دی گئیں' اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان اپنا تعلق جموں اور کشمیر کی ریاست کے ساتھ قائم کرنا چاہتا تھا۔ یہ تین تحصیلیں حاصل کرنے کیلئے ہندو سیاست بازوں نے ریڈکلف صاحب کو کسی نہ کسی دلیل سے قائل کر ہی لیا۔ ویسرائے لارڈ مونٹ بیٹن نے ۴ جون کی پریس کانفرنس ہی میں کہہ دیا تھا کہ گورداسپور کا ضلع سالم کا سالم پاکستان کو نہیں دیا جائے گا۔ گویا بات اس سے پہلے ہی طے ہو چکی تھی۔

حد بندی کے اس کمیشن کو ۱۵ راگست سے پہلے پہلے اپنے فیصلہ کا اعلان کر دینا چاہئے تھا' اور اس نے ایسا کرنے کے لئے ۱۲ راگست کی تاریخ بھی مقرر کر دی تھی لیکن نامعلوم وجوہ کی بناء پر پہلے یہ تاریخ ۱۴ پر اور پھر ۱۶ پر ملتوی ہوئی اور اعلان مورخہ ۱۷ ر اگست ۱۹۴۷ء کو کیا گیا۔ اس اعلان کے اگلے ہی دن یعنی ۱۸ راگست کو مشرقی پنجاب کے تمام اضلاع میں مسلمانوں کے بیدردانہ قتل عام کی مہم پورے زور شور سے شروع ہو گئی۔ مخفی نہ رہے کہ ۱۸ راگست کو مسلمانوں کا یوم عید تھا۔ یہ تلخ اتفاقات کی باتیں ہیں کہ کمیشن کے فیصلہ' مسلمانوں کی عید اور سکھ گردی کے آغاز کی تاریخیں اکٹھی پڑ گئیں۔ چونکہ ان تاریخوں کو یکجا ہونا تھا اس لئے کمیشن کے فیصلہ کی تاریخ دو تین دفعہ ملتوی ہوتی چلی گئی۔

مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا قتل عام

۱۷/اگست سے ۳۱/اگست تک دو قیامت خیز ہفتے:

حد بندی کے کمیشن کا اعلان گویا ایک طے شدہ سگنل تھا، جسے ۱۷/اگست کو ریڈیو پر سنتے ہی امرتسر، گورداسپور، فیروز پور، ہوشیار پور اور جالندھر کے اضلاع میں سکھوں کے منظم جتھوں نے جا بجا مسلمانوں کے قتلِ عام کا منظم معرکہ شروع کر دیا۔

ان اضلاع کے بعض مقامات پر اس سے قبل بھی سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان زد و خورد کا بازار گرم ہو چکا تھا اور سکھ جتھے مسلمانوں کے بعض خورد دیہات پر شبخون مار کر مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو نہایت سفاکانہ طریق سے ہلاک کر چکے تھے لیکن یہ واقعات ایک سمجھی بوجھی اسکیم کا محض پیش خیمہ تھے۔ جن کا مقصد ایک طرف عام مسلمان آبادیوں پر خوف و ہراس طاری کرنا تھا اور دوسری جانب سکھ عوام پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ مسلمانوں کو قتل کرنے والے سکھ قانونی مؤاخذہ سے محفوظ ہیں، کیونکہ پولیس سول اور فوج کے حکام جو اس وقت تک سب کے سب ہندو اور سکھ تھے، مسلمانوں کی فریاد تک نہیں سنتے تھے اور فساد برپا کرنے والوں قاتلوں سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کرتے تھے۔

مشرقی پنجاب کے مسلمان جو تقسیم پنجاب کے فیصلہ ہی سے بہت آزردہ خاطر ہو چکے تھے، ان حالات کو دیکھ دیکھ کر بہت پریشان ہو رہے تھے۔ ایسے واقعات نے ان کے حوصلے اور بھی پست کر دیئے۔

۱۷/اگست کو حد بندی کمیشن کے فیصلہ کے اعلان نے اُن اقطاع کے مسلمانوں کو اور بھی پست ہمت بنا دیا جو یہ سمجھ رہے تھے کہ فیصلہ کے رُو سے ان کی

تحصیلیں پاکستان میں جائیں گی۔ ۱۵ راگست تک تحصیل جالندھر، تحصیل نکودر، اور تحصیل زیرہ کے مسلمانوں کو خان افتخار حسین خان ممدوٹ کے حوصلہ افزاء پیغامات پہنچتے رہے کہ یہ تحصیلیں لازمی طور پر پاکستان میں آ کر رہیں گی۔ (راقم الحروف کو لاہور پہنچ کر معلوم ہوا کہ خان ممدوٹ اور دیگر زعمائے کرام ۷ راگست ہی کو مطلع ہو چکے تھے کہ ریڈ کلف صاحب کے فیصلے مسلمانوں کے خلاف ہیں) اس لئے ۱۷ راگست کو جب کمیشن کا فیصلہ یکسر دوسری صورت میں رُونما ہوا تو ان اقطاع کے مسلمان ہکے بکے رہ گئے۔

مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتلِ عام کی مہم شروع کرنے کیلئے نفسیاتی اعتبار سے اس سے بہتر اور کون سی ساعت ہو سکتی تھی جو سکھوں نے اختیار کی۔ یعنی جونہی مسلمانوں پر حد بندی کمیشن کے حوصلہ فرسا فیصلہ کی بجلی گرے، سکھوں کے جتھے جو پہلے ہی سے اس کام کیلئے تیار کئے جا چکے تھے جا بجا مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں اور اُن کا قتل شروع کر دیں۔

سکھوں نے مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کے خلاف یہ مہم اُس وقت تک کیلئے اُٹھا رکھی تھی جب تک کہ انہیں یقین نہیں ہو گیا کہ اب انہیں مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو ذبح کرنے سے روکنے والا کوئی نہیں بلکہ حکومت کی ساری مشینری، اس کے حکام، اس کی پولیس حتیٰ کہ اس کی فوج بھی اس گھناؤنے کام میں ان کی پوری پوری امداد کرنے والی ہے۔

۱۷، ۱۸، اور ۱۹ راگست کو ماسٹر تارا سنگھ کی پرائیویٹ آرمی ''اکال سینا'' کے دستے مشرقی پنجاب میں جا بجا حرکت میں آئے۔ ان جتھوں کو فرید کوٹ، پٹیالہ، جیند، نابھہ اور کپور تھلہ کی سکھ ریاستوں کی باقاعدہ افواج کی کمک حاصل تھی اور انہیں امرتسر شہر میں عملی طور پر اور دیگر مقامات پر زبانی طور پر یقین دلایا جا چکا تھا کہ اُن سرحدی افواج کے جو پنجاب کے بارہ اضلاع میں امن قائم کرنے کی ذمہ دار ہیں، تین چوتھائی ہندو اور سکھ

جوان آڑے وقت پر تمہاری امداد کریں گے۔

سکھوں کے جتھے اکال سینا کے دستوں کی قیادت میں مسلمانوں کے دیہات پر دن دیہاڑے حملہ کرتے تھے، چھوٹے چھوٹے دیہات کی آبادیاں گاؤں خالی کر کے بھاگ جاتی تھیں۔ اس گاؤں کو آگ لگا دیتے تھے اور اگر کوئی بچا کھچا مرد، عورت یا بچہ مل جاتا تھا تو اسے بیدردی کے ساتھ قتل کر دیتے تھے، کسی قصبہ میں مسلمانوں کی جمعیت سے مقابلہ آن پڑتا، گھنٹوں دونوں طرف سے ہندوؤں کے فیر ہوتے اور کہیں کہیں نیزوں، بھالوں، تلواروں اور کلہاڑیوں سے دست بدست لڑائی کی نوبت آ جاتی۔ جن مقامات پر سکھوں کی جمعیتیں شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتیں، وہاں اسی دن یا اُس سے اگلے دن سرحدی فوج آ جاتی جو مسلمان آبادی کو سٹین گنوں، برین گنوں اور رائفلوں کی بے پناہ آگ کے آگے دھر کر بھون ڈالتی۔ پہلے دن کے فاتح مسلمان بھاری جانی نقصان اُٹھا کر بھاگنے پر مجبور ہو جاتے۔

جس مقام پر سکھوں کی جمعیت مسلمانوں پر غالب آ جاتی، وہاں سکھ قصبہ میں گھس کر ہر مسلمان کو جو انہیں ملتا قتل کر دیتے۔ زندہ بچوں کو نیزوں میں پرو کر اُوپر اُٹھاتے، عورتوں کو ذبح کر دیتے اور جوان لڑکیوں کو اپنے ساتھ گھسیٹ لے جاتے۔

اس قسم کے واقعات کے بکثرت ظہور کے باعث مشرقی پنجاب کے مسلمانوں میں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ہراس پھیل گیا۔ انہوں نے بھی نیزے بھالے، خنجر، تلواریں اور ٹکوے وغیرہ بنانے کی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ بعض مقامات پر بندوق کے تتبع میں بارود سے چلنے والی نالیاں بھی بننے لگیں۔ یعنی ہر جگہ کے مسلمان یہ سمجھ کر کہ ایک نہ ایک دن ان پر بھی حملہ ہو کر رہے گا، مقابلے اور دفاع کی تیاری کرنے لگے۔ قریب قریب کے دیہات نے فیصلہ کیا کہ خطرہ کے وقت نقارے بجائے جائیں۔

اور جس طرف نقارہ کی آواز آئے لڑنے والے جوان فی الفور اس طرف ٹوٹ پڑیں اور سکھوں کا مقابلہ کریں۔

مسلمانوں کے اکثر دیہات نے جن پر عام سکھ جتھوں نے ماسٹر تارا سنگھ کی اکال سینا کی سرکردگی میں حملہ کیا' سکھوں کا منہ موڑ دیا۔ سکھوں نے بھاری جانی نقصان اُٹھا کر راہ فرار اختیار کی' لیکن ملٹری یعنی سرکار کی فوج کا مقابلہ کرنا نہتے بے سروسامان اور غیر منظم مسلمانوں کیلئے مشکل تھا۔ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو کبھی خواب میں بھی یہ خیال نہ آیا تھا کہ انہیں کبھی سرکار ہند کی فوجوں کا مقابلہ بھی کرنا پڑے گا۔ یہ لوگ چار پانچ پشتوں سے امن و عافیت کی زندگی بسر کرتے چلے آئے تھے۔ رائفل اور مشین گن کے فیر اُن کیلئے بالکل نئی بات تھے۔ عسکری تنظیم کے نام تک سے واقف نہ تھے۔ اس علاقہ کے سکھ بھی اُن سے مختلف نہ تھے۔ لہٰذا اگر مقابلہ محض سکھ آبادی کے فسادی عنصر سے ہوتا تو مسلمان اس سے بخوبی عہدہ برآ ہو سکتے تھے لیکن جب انہیں سکھ جتھوں کے علاوہ ریاستی بھگوڑوں (سکھ ریاستوں سے بھاگے ہوئے مسلح سپاہی) اور (خدا جانے کس سرکار کی) سرحدی فوجوں سے واسطہ پڑنے لگا تو وہ اپنے آبائی گھروں' گاؤں اور زمینوں کو چھوڑ چھاڑ کر بھاگنے لگے' اور ایسے اقطاع میں پہنچنے لگے جہاں کی مسلم آبادیاں ابھی حملوں سے محفوظ تھیں۔[1]

اس کے ساتھ ہی سکھوں کے منظم جتھوں نے مسلمان مسافروں کا قتل عام کرنے کیلئے ریلوے ٹرینوں کو روکنا شروع کر دیا۔ ریلوے اسٹیشنوں کے بابو جتھوں سے مل کر

---

[1] ۱۸ راگست یعنی عید الفطر کے دن کی شام کو دریائے ستلج کے پار سے جو ضلع فیروز پور کی زمین تھی' پناہ گیروں کی ٹولیاں مؤلف کے گاؤں میں پہنچ گئی تھیں۔

ٹرین روک لیتے تھے یا جس جگہ حملہ کرنا ہوتا تھا وہاں سے لائن اُکھاڑ دیتے تھے۔ ریل گاڑی کو روک کر ہندو اور سکھ مسافروں کو اُتار لیتے تھے اور تمام مسلمان مسافروں کو کرپانوں، نیزوں اور برچھوں سے چھید ڈالتے تھے۔

مسلمانوں کے قتلِ عام کی یہ مہم ۱۸/اگست کو فیروز پور، جالندھر، ہوشیارپور، امرتسر اور گورداسپور کے اضلاع میں بیک وقت جس وسیع پیمانہ پر نہایت تیزی اور شدت کے ساتھ اختیار کی گئی، اس پر ہم سب کو ماسٹر تارا سنگھ کی تنظیمی قابلیتوں کی داد دینی چاہیئے۔ ماسٹر موصوف نے ۲۴/جولائی کو اعلان کر دیا تھا کہ "سکھ مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کو باہر نکال دینے کی طاقت و صلاحیت رکھتے ہیں"۔ اس کا یہ کہنا اس جتھابندی اور تیاری کے بل پر تھا جو سکھ قوم اس دن کیلئے پایۂ تکمیل تک پہنچا چکی تھی، اور جس کیلئے سکھ لیڈروں نے شب و روز ایک کر کے مہینوں کام کیا تھا۔ سکھ ریاستوں کے راجاؤں اور مہاراجاؤں تک کو اپنی سازش کا شریک بنا لیا تھا۔ ہندوستان کے ہندو لیڈروں کو گانٹھ رکھا تھا، بلکہ ریڈ کلف صاحب تک کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ حد بندی کے متعلق اپنے فیصلے کا اعلان اس تاریخ کو کریں جسے سکھ لیڈر مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کو بے دخل کرنے کی مہم شروع کرنے کیلئے مقرر کر چکے ہیں، یعنی مسلمانوں کی عید کا دن۔

اس کے برعکس مسلمان لیڈروں نے یہ سوچنے کی زحمت تک گوارا نہ کی تھی کہ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کا مستقبل کیا ہوگا، چہ جائیکہ وہ انہیں از طریق رہنمائی کچھ راہِ عمل، یا راہِ عمل نہ سہی راہِ فرار ہی بتا چکے ہوتے۔

ہاں تو ۱۸/اگست کے بعد مشرقی پنجاب کے شہروں، قصبوں اور گاؤں میں مسلمانوں کے گھروں سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے، دیہات کے دیہات اور محلوں کے محلے دھڑا دھڑ جلتے نظر آنے لگے۔ فضائیں آگ کی لپٹوں اور دھوؤں سے تیرہ و تار

ہونے لگیں۔ مشرقی پنجاب کی خاک مسلمانوں کے خون سے رنگین ہوگئی۔ مسلمانوں کی نعشیں کس مپرسی کے عالم میں پڑی سڑنے لگیں اور کتوں، گدھوں چیلوں اور کنوؤں کی خوراک بن گئیں۔ قتل عام کی مہم ایسی تند اور ہمہ گیر تھی کہ مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیماروں، اپاہجوں اور درویشوں سب کو بلاامتیاز تہ تیغ کیا گیا۔ جوان عورتوں کی آبروریزی ایسے ایسے بہیمانہ طریقوں سے کی گئی کہ بیچاری یکے بعد دیگرے درجنوں مردوں کا تختۂ مشق بننے کے باعث نیم جاں ہو گئیں یا مر گئیں۔ معصوم بچوں کو ان کی ماؤں کے سامنے نیزوں میں پرو پرو کر "پاکستان کے جھنڈے" بنائے گئے۔ بچوں کو یکجا کر کے بھڑکائی ہوئی آگ میں پھینک دیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمانہ قبل از تاریخ کی کسی وحشی قوم کے غول بیسویں صدی مسیحی کی مہذب لیکن ختی آبادیوں پر چھوڑ دیئے گئے ہیں، یا سدھائے ہوئے شکاری کتے پالتو خرگوشوں کے ڈربوں پر ٹوٹ پڑے ہیں، یا بھوکے بھیڑیوں کے غول بھیڑوں اور بکریوں کے گلوں میں گھس آئے ہیں۔ ان مثالوں سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ سکھ لوگ جنگی میدان کے مردانِ کار تھے یا وہ بہادر لڑاکے تھے، جن کی شجاعت و پامردی کے آگے مسلمان عاجز آ گئے، نہیں بلکہ ماسٹر تارا سنگھ کا یہ لشکر حقیقی جنگ کے میدان کا ایک نہایت ہی ڈرپوک جانور تھا۔ مقابلے سے جی چراتا تھا، ٹکر ہو جانے پر دم دبا کر بھاگ کھڑا ہوتا تھا، لیکن اس کے سفاکانہ کارناموں کا مدار محض ہندوستان کی حکومت کی پولیس، جنرل ریس کی سرحدی فوج، سرکارِ ہند کے ملکی حکامؑ اور سکھ ریاستوں کی طرف سے آئے ہوئے کمکی دستوں پر تھا، جن سب کی کھلم کھلا امدادؑ سے حاصل تھی۔ یہ عناصر جدید ترین آتشیں اسلحہ رکھتے تھے۔ مسلمانوں کے پاس لائسنس کی سرکاری بندوقوں یا اپنی بنائی ہوئی بارود سے چلنے والی نالیوں کے سوا اور کوئی آتش بار ہتھیار نہ تھا، اور ان بندوقوں اور نالیوں کی تعداد بھی بہت ہی کم تھی مثلاً چار پانچ دیہات میں ایک

شکاری بندوق اور چار پانچ نالیاں، ان عناصر کی بدولت سکھ وحشیوں کے جتھے مسلمانوں پر غالب آجاتے تھے اور غالب آجانے کے بعد وہ ان بے بس مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور بیماروں کی تکا بوٹی کر دیتے تھے جو ان کے ہاتھ لگ جاتے تھے۔

اس طرح سکھوں کے گروہ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے شہروں، قصبوں اور گانووں کو بڑی تیز رفتاری کے ساتھ نذر آتش کرنے لگے۔ مسلمان غیر مسلم ملٹری کی آمد پر جب گولیوں کی بے پناہ بارش کے سامنے دھر لیے جاتے تو اپنے مساکن کو چھوڑ کر سراسیمہ ہو کر بھاگتے۔ ان کی جمعیتیں باہر کھیتوں میں، جنگلوں میں اور دریاؤں کے قریب دریاؤں کے جزیروں میں پناہ لیتیں یا ایسے اقطاع کی طرف چلی جاتیں، جہاں ابھی مسلمانوں کی آبادیوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں ہوئی تھی۔ اس طرح مشرقی پنجاب میں جابجا بے خان وماں مسلمانوں کے کیمپ بننے لگے۔

لیکن مسلمانوں کو اپنے گھروں سے بے دخل کرنے پر بھی اکتفا نہیں کیا جاتا تھا۔ ماسٹر تاراسنگھ کے لشکر جو سرکاری فوجی دستوں، پولیس کے جوانوں، اکال سینا کی مسلح ٹولیوں، ریاستی فوجوں اور عام سکھوں کے جتھوں پر مشتمل ہوتے تھے، مسلمانوں کے قافلوں اور کیمپوں پر حملے کر کے انسانی جانوں کا شکار کھیلتے تھے۔ ان کا مقصد مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں قتل کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اس بے پناہ خونریزی سے وہ
زعم خود مغربی پنجاب کے ان سکھوں کا بدلہ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں سے لے رہے
ھے، جنہیں مارچ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں مسلمانوں کے ہاتھ سے گزند پہنچا تھا، جو ماسٹر
اسنگھ نے اسمبلی چیمبر کی سیڑھیوں پر ننگی کرپان کا مظاہرہ کر کے شروع کیے تھے۔ سکھ
مسلمانوں سے سود در سود کے حساب سے بدلہ لے رہے تھے کیونکہ اب ملک کی
ت، ہندوستان کی ساری فوجی طاقت، پولیس کی جمعیت، حکام اور ریاستی افواج کی

پوری پوری امداد انہیں حاصل ہو گئی تھی، اور ان کے مقابلے میں مسلمانوں کے پاس، ان مسلمانوں کے پاس جنہیں ان کے لیڈروں نے اپنے حصول اقتدار کی خاطر کمال بے اعتنائی سے بھیڑیوں کے حوالے کر دیا تھا، اپنی حفاظت و مدافعت کیلئے نیزوں، بھالوں اور لاٹھیوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ دفاعی تنظیمات اور حفاظتی جتھا بندی کے گروں سے وہ نا آشنائے محض تھے۔ لیڈروں نے انہیں ان باتوں سے واقف بنانے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی تھی۔ اس موقع پر مجھے نہایت شرمساری کے ساتھ اس امر کا اعتراف بھی کرنا ہے کہ مشرقی پنجاب کے امن پسند، عافیت پیشہ اور صلح جو مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہ تھی جنہیں ''بزدل، ڈرپوک اور نامرد'' کہا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کا وتیرہ یہ تھا کہ اگر حملے کا خطرہ گاؤں کے شمال کی جانب سے ہو تو یہ حضرات جنوب کی سمت کے ''ناکے روکنے کیلئے'' جلد بازی سے کام لیتے تھے، اور جب کسی دُور کے گاؤں کی مدد کیلئے جہاں جنگ جاری ہوتی تھی، جاتے تھے تو کسی نہ کسی بہانہ سے راستہ ہی سے لوٹ آتے تھے۔ موت چاروں طرف سے ان کے سروں پر منڈلا رہی تھی لیکن ایسے لوگ مردانہ وار مقابلہ کر کے جان دینے کا فیصلہ کرنے کے بجائے چوہوں کی طرح جان بچانے کیلئے بل ڈھونڈتے پھرتے تھے۔

اور ہاں مسلمانوں کی قوم ایسے بہادر مردوں اور بہادر عورتوں کے وجود سے بھی خالی نہ تھی، جنہوں نے سچی جوانمردی اور حقیقی اسلامی شجاعت سے کام لیا، جو گولیوں ک بارش کے سامنے سینہ سپر ہو کر لڑے اور شہید ہو گئے، جنہوں نے سکھوں کو اپنے برچھو اور نیزوں پر دھر لیا اور انہیں شکستیں دیں، جنہوں نے کئی کئی دن تک ہزاروں کی جمعیت کے ساتھ مقابلے جاری رکھے اور ہندو اور سکھ ملٹری تک کے منہ موڑ دیئے۔ اسلام کی وہ بہادر خواتین ہماری تاریخ کیلئے مایۂ ناز ہیں، جنہوں نے

مردوں کی طرح وحشی سکھوں سے لڑ کر جام ہائے شہادت نوش کیئے جو اپنی عزت و آبرو بچانے کی خاطر دریاؤں میں کود پڑیں اور اس کی لہروں میں ہمیشہ کیلئے غائب ہو گئیں، جنہوں نے محصور ہو جانے کی صورت میں گھر کی دوسری اور تیسری منزل پر چڑھ کر چھلانگیں لگا دیں تا کہ دشمن ان کے جیتے جی ان کے پاک جسموں کو ہاتھ نہ لگانے پائیں، جنہوں نے کنوؤں میں کود کر اپنی زندگیوں کا خاتمہ کرنے کی ٹھان لی لیکن دشمن کے ہاتھ قید ہونا گوارا نہ کیا۔ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں میں ایسے بہادر عنصر کی کمی نہ تھی، کاش اسے پہلے سے منظم و مسلح کیا ہوتا یا اُسے بروقت کسی طرف سے سہارا مل سکتا۔ اگر یہ میسر آ جاتا تو مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کی تاریخ کا رنگ یکسر دوسرا ہوتا۔

ماہ اگست کے آخری دونوں ہفتوں میں مسلمانوں کے قتل عام کی یہ مہم انتہائی تیزی اور تندی کے ساتھ جاری رہی۔ سکھ، امرتسر، گورداسپور، فیروز پور، جالندھر، ہوشیار پور اور لدھیانہ کے اضلاع میں لاکھوں مسلمانوں کو فنا کے گھاٹ اُتار کر باقیماندہ کو مکمل طور پر خانماں برباد کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ضلع جالندھر میں صرف نکودر کی تحصیل باقی رہ گئی تھی جہاں اسی فیصدی سے زائد مسلمان آباد تھے۔ ابھی سکھوں نے اس تحصیل کو نہیں چھیڑا تھا۔ اس کے دیہات میں ستلج پار سے ضلع لدھیانہ اور ضلع فیروز پور کے پناہ گزیں نیز تحصیل پھلور کے بعض دیہات کے پناہ گزیں جمع ہو رہے تھے۔

اواخر اگست تک مشرقی پنجاب کے حسب ذیل مقامات پر بے خان و ماں مسلمانوں کی جمعیتیں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں جمع ہو کر انتظار کر رہی تھیں کہ کسی طرح پر لگا کر پاکستان کے دار السلام میں پہنچ جائیں، کیونکہ اس کے بغیر انہیں ایمان، جان اور آبرو کی سلامتی کا کوئی اور ذریعہ نظر نہیں آتا تھا۔

ضلع امرتسر میں خلجیاں، جلال آباد، ویرووال، ناگ کلاں، جمیاری، اجنالہ،

بھیرووال اور بعض دوسرے مقامات۔

ضلع گورداسپور میں بٹالہ، جمال پور، کلانور، فتح گڑھ، چوڑیاں، تریموں پتن، سوجان پور، پٹھان کوٹ وغیرہ۔

ضلع فیروزپور میں ڈھولیوال، تکونڈی، دریائے ستلج کے جزیرے اور چند دیگر مقامات۔ اس ضلع کے لاکھوں مسلمان ہجرت کر کے پاکستان اور ریاست بہاولپور میں بحالاتِ تباہ پہنچ گئے تھے۔

ضلع جالندھر میں پھلور، بہرام، راہوں، گڈھا، چوہڑوالی، پرتاب پورہ، کھرلہ کنگرہ، وغیرہ (تحصیل نکودر ابھی تک محفوظ و مصئون تھی)

ضلع ہوشیارپور میں ہریانہ، جہان خیل، کمال پور، نندپور، دسوہہ، گڑھ شنکر، مکیریاں وغیرہ۔

ضلع لدھیانہ میں لدھیانہ، رائے کوٹ، ماچھی واڑہ وغیرہ (سدھواں بیٹ کا علاقہ ابھی تک محفوظ تھا)

ان دو قیامت خیز ہفتوں نے مشرقی پنجاب میں جس قسم کی کیفیات پیدا کر دیں ان کا کچھ حال چند عینی شاہدوں کی زبان سے سنیئے۔

شیخ حسین علی ملازم باٹا شو کمپنی کا بیان

شیخ حسین علی ملازم باٹا شو کمپنی باٹا پور جلو ضلع لاہور نے آپ بیتی کی جو داستان مؤلف کو ارسال کی اس میں وہ لکھتے ہیں:

"ہم باٹو شو کمپنی کے چھ سات ملازم جو لدھیانہ کے رہنے والے تھے، چھٹی ملنے پر عید کی تقریب گھر جا کر گزارنے کے ارادے سے مورخہ ۱۵ر اگست کو باٹا لاہور

سے روانہ ہوئے۔ ہم سب لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچنے کے ارادے سے گرانڈ ٹرنک روڈ پر آئے تاکہ اومنی بس میں سوار ہوکر ریلوے اسٹیشن تک جائیں۔ لیکن ایک روز پہلے لاہور میں گڑبڑ ہو جانے کے باعث بسوں کی آمد و رفت معطل ہو چکی تھی۔ یہ حال دیکھ کر ہم نے جلو اسٹیشن پر جاکر ٹرین میں سوار ہونے کا فیصلہ کیا اور وہاں پہنچ گئے۔ دس بجے کے قریب ایک ڈیزل کار امرتسر کی طرف سے آئی جس میں ملٹری کے کچھ لوگ سوار تھے۔ یہ ڈیزل کار لاہور سے چھ ہرٹہ تک گئی تھی کیونکہ وہاں سکھوں نے ریلوے لائن کی پٹڑی اُکھاڑ دی تھی۔ ملٹری کے لوگوں نے کہا کہ جو لوگ لاہور جانا چاہتے ہیں وہ کار میں سوار ہو جائیں۔ اس پر اکثر مسلمان اور کچھ ہندو کار میں بیٹھ گئے۔ کسی سکھ نے کار پر سوار ہونے کی جرأت نہ کی۔ لاہور پہنچ کر ہم پہلے انکوائری آفس کی طرف گئے تاکہ لدھیانہ کو جانے والی گاڑی کا پتا لیں۔ کمپنی کے تین چار ہندو ملازم بھی ہمارے ساتھ تھے۔ ۲ بجے بعد دوپہر بمبئی ایکسپریس آئی' جس میں ہندو اور سکھ بھاری تعداد میں سوار تھے۔ انجن کے قریب تین چار ڈبوں میں مسلمان سواریاں بیٹھی تھیں۔ ہم بھی انہی میں سے ایک ڈبہ میں بیٹھ گئے۔ ہمارے قریب کے ڈبہ میں بلوچ رجمنٹ کے دس سپاہی ٹرین کی حفاظت کیلئے متعین تھے۔ مشکل یہ پیش آئی کہ گاڑی کیلئے کوئی ڈرائیور نہیں ملتا تھا۔ بڑی دیر کے بعد ڈرائیور ملا۔ ٹرین کا گارڈ مسلمان تھا۔ گاڑی پانچ بجے شام لاہور سے امرتسر کی طرف روانہ ہوئی اور مغلپورہ میں جا کر ٹھہر گئی۔ مغلپورہ اسٹیشن کے قریب پھاٹک والی سڑک پر سکھ ملٹری مسلمانوں پر اندھا دھند گولیاں برسا رہی تھی۔ ہم نے اپنے ڈبے کی کھڑکیاں بند کر لیں۔ آدھ گھنٹہ مغلپورہ اسٹیشن پر ٹھہرنے کے بعد گاڑی چلی اور ہربنس پورہ اسٹیشن پر جا کر پھر کھڑی ہو گئی۔ پھر جلو اسٹیشن پر ٹھہری۔ شام کے چھ بج چکے تھے۔ جلو کے مسلمان اسٹیشن ماسٹر مسٹر بشیر نے کہا کہ آگے لائن کلیئر نہیں ملتا اور خطرہ بھی ہے اس لئے مسلمان

مسافر گاڑی سے نیچے اُتر جائیں۔ ہم اُترے، ہم میں سے ایک دو باٹا پور کو واپس چلے گئے لیکن باقی عید کے موقع پر گھر پہنچنے کی بے تابی کے باعث پھر گاڑی پر سوار ہو گئے۔ گاڑی اٹاری اور گوروسر ستلانی کے اسٹیشنوں پر ٹھہرتی ہوئی خاصہ پہنچی اور وہاں کھڑی ہو گئی۔ اس گاڑی کو جو ایکسپریس تھی، لاہور سے چل کر امرتسر ٹھہرنا تھا لیکن راستے کی گڑبڑ کے باعث وہ ہر اسٹیشن پر ٹھہرتی رہی۔ خاصہ میں ہمیں آفتاب غروب ہو گیا، سب نے روزے افطار کیے۔ خاصہ اسٹیشن کا ریلوے سٹاف ہندو اور سکھ ملازمین پر مشتمل تھا۔ اس نے کہا کہ آگے لائن خراب ہے اس لئے گاڑی چھوٹ نہیں سکتی۔

ساڑھے نو بجے جبکہ بادلوں کے باعث گھپ اندھیرا ہو رہا تھا۔ ہماری ٹرین کے اگلے ڈبوں پر جن میں مسلمان مسافر سوار تھے، دونوں طرف سے فیر ہونے لگے۔ بلوچ ملٹری کے سپاہی پل پر چڑھ گئے اور فیروں کا جواب دینے لگے۔ مسافر کھڑکیاں بند کر کے ڈبے کے اندر لیٹ گئے۔ بلوچ ملٹری کے پاس ایک برین گن تھی باقی نو رائفلیں تھیں۔ سکھ فیر کر کے نعرے لگاتے ہوئے دونوں طرف سے بڑھ رہے تھے۔ بلوچ سپاہی ان کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اتنے میں ملٹری کا ایک اور دستہ وہاں پہنچ گیا جو گرانڈ ٹرنک روڈ پر سے گزر رہا تھا۔ دونوں طرف سے ملٹری والوں نے روشنی کے گولے اُڑائے اور ایک دوسرے کو اپنی حقیقت حال کی خبر دی۔ انگریز میجر اسٹیشن پر دریافت حال کیلئے آیا۔ وہ باتیں کر رہا تھا کہ بلوچ رجمنٹ کا ایک سپاہی اللہ دتا سکھوں کے فیر سے زخمی ہو گیا۔ چار بجے صبح تک دونوں طرف سے گولیاں چلتی رہیں۔ اس دوران میں ہندو اسٹیشن ماسٹر نے کوشش بھی کی کہ گاڑی کو اسٹیشن سے باہر نکال کر کھلے میدان میں لے جائے لیکن ملٹری نے اسے ایسا نہ کرنے دیا۔ چار بجے سکھ حملہ آور بھاگ گئے۔ صبح چھ بجے ملٹری نے گرد و نواح کو چھان مارا۔ چند زخمی ہندوؤں اور سکھوں کو کھیتوں میں

سے نکالا۔ کچھ صحیح سالم سکھ بھی پکڑے آئے، انگریز میجر نے ان سب کو اسٹیشن کے عملہ سمیت اپنے ٹرکوں میں بٹھا کر زیر حراست کرلیا۔

صبح میجر نے اینگلو انڈین ڈرائیور سے گاڑی چلانے کیلئے کہا تو اس نے جواب دیا کہ میں ہربنس پورہ جا کر انجن کو پانی پلاؤں گا۔ اسے بہتیرا کہا گیا کہ یہیں سے پانی لا کر انجن بھر دیتے ہیں لیکن اس نے کسی کی بات نہ مانی۔ وہ انجن کو لے کر ہربنس پورہ چلا گیا اور وہاں سے وہ لاہور جا پہنچا۔ اس نے تمام ڈرائیوروں کو رات کے حملے کا حال کہہ سنایا۔ تمام ڈرائیور ٹرینوں کو چلانے سے انکاری ہو گئے۔ گاڑی خاصہ اسٹیشن پر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

اب انگریز میجر جیپ کار میں بیٹھ کر امرتسر گیا۔ وہاں سے اس نے بڑی مشکل سے ایک مسلمان انجن ڈرائیور کو آمادہ کیا کہ وہ انجن لے کر خاصہ آئے اور ٹرین کو امرتسر لائے۔ ڈرائیور نے کہا کہ میں انجن لے کر آتا ہوں۔ میجر واپس آ گیا، اس نے سواریوں سے کہا کہ ساڑھے گیارہ بجے انجن آئے گا۔ میں لاہور جا کر ٹرین کی حفاظت کیلئے ہوائی جہاز لاتا ہوں۔ جب طیارہ سر پر پہنچے تو گاڑی چلا دی جائے۔ بارہ بجے طیارہ آ گیا۔ میجر صاحب نے اوپر سے اشارہ دیا۔ گاڑی چلی اور امرتسر جا کر ٹھہر گئی۔

چھ ہرٹہ اسٹیشن پر ہم نے سکھوں کا بہت بڑا اجتماع دیکھا جو بندوقوں، تلواروں، برچھیوں اور کلہاڑیوں وغیرہ سے مسلح تھا۔ امرتسر کے اسٹیشن پر ہزاروں مسلمان لاشوں میں پڑے تھے۔ ان میں کئی زخمی بھی تھے کیونکہ رات کو سکھوں نے ان پر بم پھینکے تھے۔ امرتسر سے بلوچ ملٹری کی جگہ مرہٹہ فوج کے دستہ نے گاڑی کا چارج لے لیا اور گاڑی وہاں سے روانہ ہوئی اور بیاس، کرتار پور، جالندھر، چھاؤنی جالندھر، پھگواڑہ، پھلور ٹھہرتی ہوئی ۱۶ر اگست کو شام کے ساڑھے چھ بجے لدھیانہ پہنچی۔ کرتار پور میں بھی سکھوں کا مسلح

اجتماع اسٹیشن کو تہدید کر رہا تھا۔ جالندھر میں اُس روز فرقہ وار فساد شروع ہو چکا تھا۔ ملٹری کی گارد جالندھر چھاؤنی میں اُتر گئی، گاڑی اس سے آگے ملٹری کی حفاظت کے بغیر چلتی رہی۔ لدھیانہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ لدھیانہ میں کرفیو آرڈر لگا ہوا ہے جو شام کے سات بجے سے شروع ہوگا، اس لئے ہم سب جلدی ہی اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

یہ ۱۵؍ اور ۱۶؍ اگست کی کیفیت تھی۔ مسلمانوں کے قتل عام کی حقیقی مہم ۱۸؍ اگست سے شروع ہوئی، جن کا حال اپنے موقع پر بیان کیا جائے گا۔

شیخ محمد اصغر کا بیان:

"میں ایسوشی ایٹڈ سیمنٹ کمپنی لمیٹڈ بمبئی کی کالری واقعہ کوتمار یو اسٹیٹ سی پی میں ملازم تھا۔ اگست ۱۹۴۷ء میں یہ دیکھ کر کہ ہندوستان کی فرقہ وار فضا روز بروز مکدر ہو رہی ہے۔ میں نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور ۱۹؍ اگست کو اپنا سامان لے کر لاہور پہنچنے کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ ۲۱؍ اگست کو دہلی پہنچا۔ راستے مخدوش ہونے کے باعث تین دن وہیں قیام کیا لیکن ۲۴ کی صبح کو اُس ٹرین پر سوار ہو گیا جو بھٹنڈا کی راہ سے لاہور آنے والی تھی۔

جاکھل اسٹیشن پر پہنچ کر ایک مسلمان پورٹر نے مجھے بتایا کہ جاکھل اور بھٹنڈا کے درمیان ریاست پٹیالہ کے سکھ گاڑیوں کو روک کر مسلمان مسافروں کو قتل کر رہے ہیں۔ اس لئے میں جاکھل اُتر گیا۔ خیال تھا کہ ایکسپریس ڈاؤن ٹرین پر واپس دہلی چلا جاؤں گا جو دوسرے پلیٹ فارم پر کھڑی تھی۔ میں اپنا سامان قلیوں سے اُٹھوا کر دوسری ٹرین پر جا رہا تھا کہ سکھوں کی ایک ٹولی نے تحکمانہ لہجہ میں قلیوں کو سامان اُتار دینے کیلئے کہا۔ قلیوں نے سامان رکھ دیا جسے سکھ خوان یغما کی طرح اُٹھا کر لے گئے۔

مجھے اسٹیشن کے انگلش ریفریشمنٹ روم کے چند مسلمان ملازم مل گئے' جنھوں نے مجھے اسٹیشن کے باہر ایک جائے پناہ میں پہنچا دیا۔ انہیں کسی ذریعہ سے معلوم ہو گیا کہ رات کو ہندو اور سکھ مسلمانوں پر حملہ کریں گے۔ اس لئے وہ مجھے ساتھ لے کر ایک دوسرے مکان میں مقیم ہو گئے۔ تجویز یہ تھی کہ اگلے دن صبح کو قریب کے کسی گاؤں میں چلے جائیں گے۔

اس رات کو یعنی ۲۴ اور ۲۵؍ اگست کی درمیانی شب کو ہندوؤں اور سکھوں کے ہجوم نے پہلے ایک مال گاڑی پر حملہ کیا جو جاکھل اسٹیشن پر ایک طرف ہٹا کر کھڑی کر دی گئی تھی۔ اس مال گاڑی میں حکومت پاکستان کا ساز و سامان بھرا تھا۔ ہجوم نے کچھ سامان تو ہاتھوں ہاتھ لوٹ لیا اور باقیماندہ کو آگ لگا دی۔ ازاں بعد انہوں نے ان مسلمانوں کے گھروں کا رُخ کیا جو ریلوے اسٹیشن کے قریب تھے۔ گھروں میں داخل ہو کر وہ مسلمان مردوں' عورتوں اور بچوں کو بے دریغ قتل کرنے لگے۔ سکھوں اور ہندوؤں نے اس مکان پر بھی حملہ کیا جہاں ہم آٹھ دس آدمی چھپے ہوئے تھے۔ میں حملہ کے وقت مویشی کی ایک کوٹھڑی میں دبک کر جا بیٹھا۔ حملہ آوروں نے میرے ساتھیوں کو ایک ایک کر کے کوٹھڑیوں سے نکالا اور صحن میں لا لا کر کرپانوں اور کلہاڑیوں سے قتل کر دیا۔ چاند کی روشنی میں میں اپنی کمین گاہ سے روح فرسا ماجرا دیکھ رہا تھا' جس کوٹھڑی میں میں چھپا ہوا تھا اس میں کوئی حملہ آور داخل نہ ہوا۔ اس لئے میری جان بچ گئی۔ ان سفاکوں نے مکان کا کونہ کونہ انسانی جانوں کو صاف کرنے کیلئے چھان مارا لیکن مجھے نہ پا سکے۔

ازاں بعد وہ تین چار اور مسلمانوں کی لاشیں باہر سے اُٹھا کر مکان کے صحن میں لائے اور سب لاشوں کا ایک ڈھیر بنا کر ان پر مٹی کا تیل چھڑکا اور آگ لگا دی۔ ڈھیر پر کچھ لکڑیاں بھی پھینک دیں۔ آگ کی لپیٹ میں مکان کی چھتیں بھی آ گئیں لیکن میری

خوش قسمتی کہ مویشی والی کوٹھڑی جس کے اندر میں چھپا ہوا تھا' آگ سے محفوظ رہی۔ آگ لگا کر ظالم چلے گئے۔ صبح ہونے پر میں وہاں سے نکلا اور قریب کے کھیتوں کی فصلوں پر جا کر چھپ گیا۔ بڑی مشکل سے میں چھپ چھپا کر دن بھر بادیہ گردی کرنے کے بعد میں مسلمانوں کے ایک گاؤں موضع سادھن واس میں پہنچا۔ وہاں جاکھل اسٹیشن سے بھاگ کر جان بچا کر آنے والے اور مسلمان بھی پہنچ چکے تھے۔

موضع سادھن واس میں ہم پناہ گزین تین دن مقیم رہے چونکہ وہاں بھی حملہ کا خطرہ لاحق تھا اس لئے گاؤں کے لوگوں نے ہمیں فتح آباد تحصیل حصار کی طرف بھیج دیا' جہاں ہر طرف کے مسلمان پناہ گزین جمع ہو رہے تھے۔ فتح آباد میں ہم لوگ سترہ اٹھارہ دن مقیم رہے اور اس دوران میں پناہ گزینوں کی جمعیت بڑھتی گئی جو چند دنوں کے اندر اندر چالیس پچاس ہزار نفوس تک پہنچ گئی۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اس قسم کی اور اس سے بھی شدید تر کیفیات مشرقی پنجاب کے کونے کونے اور گوشے گوشے میں رُونما ہو رہی تھیں۔

میجر آر میجر پولٹیکل آفیسر ریاست ہائے خاصی (آسام) کا بیان

میجر آر میجر نامی ایک انگریز آفیسر آسام کی ریاست ہائے خاصی کے پولٹیکل محکمہ میں کام کرتے تھے۔ انہوں نے ان قیامت خیز ایام میں کلکتہ سے لاہور تک سفر کیا۔ ریاست ہائے پنجاب کے رزیڈنٹ کے سابق سیکرٹری میجر ہاؤز بھی اس سفر میں ان کے ہم رکاب تھے۔ میجر آر میجر کا ایک بیان مشتمل بر حالات سفر مورخہ ۲۵ راگست کو لندن کے اخبار "ڈیلی ٹیلی گراف" میں شائع ہوا۔ اس بیان کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

اگر اخباری احتساب کے محکمہ نے اخبارات کو پنجاب کی موجودہ حالت بیان

کرنے سے منع نہ کیا ہوتا اور مجھے ان کیفیات کی جو پنجاب میں ان دنوں رُونما ہو رہی ہیں بروقت اطلاع مل جاتی تو میں اس سفر میں اپنے بیوی کو اپنے ساتھ لانے کا خیال تک دل میں نہ لاتا۔ پنجاب میں سکھوں نے بغاوت کا علم بلند کر رکھا ہے لیکن پنجاب سے باہر سارے ہندوستان کو مطلقاً خبر نہیں کہ پنجاب میں کیا ہو رہا ہے۔

جب ہماری گاڑی موگہ کے اسٹیشن پر پہنچی جو فیروز پور سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے' تو وہاں کے ہندو اسٹیشن ماسٹر نے گاڑی کا ایک گشت لگایا اور ہندو اور سکھ مسافروں کو گاڑی سے نیچے اُتار لیا۔ صرف ڈیڑھ سو کے قریب مسلمان گاڑی میں باقی رہ گئے جن میں اکثریت عورتوں اور بچوں کی تھی۔ اسٹیشن ماسٹر کی یہ حرکت شبہات پیدا کرنے والی تھی لیکن میں نے خیال کیا کہ موگہ میں میجر جنرل ریس کی سرحدی افواج کی چوکی موجود ہے۔ اس لئے اگر اگلا راستہ پُرخطر ہوگا تو گاڑی موگہ سے آگے نہیں چلے گی۔ ٹرین کے ساتھ چھ سپاہیوں کا ایک محافظ دستہ تھا' جن کے پاس ایک سٹین گن اور پانچ رائفلیں تھیں۔ میجر ہاؤز اور ایئرفورس کے ایک مسلمان افسر نے جو اسی گاڑی پر سفر کر رہا تھا' انجن میں بیٹھنے کا فیصلہ کر لیا تا کہ راستے کے خطرات کی دیکھ بھال کر پائیں۔ گاڑی موگہ سے آگے کوئی چھ میل چلی ہوگی کہ یکایک رُک گئی۔ اس مقام پر ریل کی پٹڑیاں اُکھاڑ دی گئی تھیں۔ گاڑی کا رُکنا تھا کہ ٹرین کے دونوں اطراف سے سو سو سکھوں کا ایک ایک جتھا ننگی تلواروں اور کرپانوں کو ہوا میں لہراتا ہوا گاڑی کی طرف لپکا۔ میں نے اور میجر ہاؤز نے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھایا۔ انہوں نے جتھوں پر فیر شروع کر دیئے۔ سکھ فوجی ترتیب کے ساتھ پیچھے ہٹ گئے۔ وہ بارہ بارہ نفوس کی ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے گاڑی سے کوئی چار سو گز کے فاصلے پر مورچے لے لئے۔ ان کے نظم کو دیکھ کر میرے دل میں رشک پیدا ہوا اور میں آرزو کرنے لگا کہ کاش انگریز

فوجی بھی ایسے ہی تربیت یافتہ ہوا کریں۔ وقتی خطرہ تو ٹل گیا لیکن شام اُتر رہی تھی اور ٹرین کے دونوں طرف دُور دُور تک لمبی لمبی گھاس اور جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ میجر ہاؤز نے کہا کہ سب مسافر گاڑی سے اُتر آئیں اور باپیادہ چل کر اگلے ریلوے اسٹیشن ڈگرو میں جو نصف میل دور تھا' پہنچ جائیں۔ اکثر مسافروں نے یہ بات مان لی لیکن دس مسلمان اپنا سامان چھوڑ کر جانے کیلئے آمادہ نہ ہوئے۔ ابھی ہم پانچ منٹ چلے ہوں گے کہ سکھوں نے ان دس مسافروں کو قتل کر کے ان کی تکا بوٹی اُڑا دی۔ ڈگرو کے اسٹیشن پر ایک سکھ اور چار مسلمانوں کی نعشوں کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ سکھ کو ہم نے جبکہ وہ ہمیں دیکھ کر بھاگ رہا تھا گولی کا نشانہ بنایا تھا۔ ہم سب نے اسٹیشن کی چھت پر پناہ لی۔ پہرے لگا دیئے' میرے بیوی اور میری بیٹی کے ہاتھوں میں بھی ایک ایک بندوق تھی۔

ہم ڈگرو اسٹیشن کی چھت پر سے دیکھ رہے تھے کہ ہماری ٹرین بڑے منظم طریق سے لوٹی جا رہی ہے اور ایک ہلکا پھلکا انجن جو موگہ سے اسی مقصد کیلئے بھیجا گیا تھا۔ لوٹ کے کام میں لٹیروں کی امداد کر رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد لاریوں کا ایک قافلہ آ گیا جن پر سکھ لٹیروں نے لوٹ کا مال لادو دیا۔ اس مال میں ہمارا سامان بھی تھا جس کی مالیت کوئی ڈھائی ہزار پونڈ کے قریب ہوگی۔ ہم نے یہ مال ہندوستان کی تیرہ سالہ ملازمت کے دوران میں جمع کیا تھا۔ موگہ کی سرحدی افواج کی چوکی سے تو ہمیں کسی قسم کی امداد نہ پہنچی لیکن آدھی رات کے قریب فوج کا ایک گشتی دستہ اُدھر سے گزرا جو چار ہندو سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ ان کے پاس ایک سٹین گن اور تین رائفلیں تھیں۔ اسے ہم نے اپنے پاس ٹھہرا لیا۔ صبح کے وقت ایک ریلیف ٹرین فیروز پور سے آئی' اس ٹرین کے ہمراہ پچیس فوجیوں کی گارد بھی تھی۔ اس ٹرین کے انجینئر نے کہا' میں تو تباہ شدہ گاڑی کے لئے جا رہا ہوں' آپ کی مدد کچھ نہیں کر سکتا' لیکن ہم نے حکماً اسے فیروز پور لے جانے پر مجبور کیا۔

راستے میں ہم دیکھتے گئے کہ سکھ لوگ اپنے دیہات کی چھتوں پر کھڑے ہو کر کرپانوں کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور ہر اسٹیشن کا پلیٹ فارم مسلمانوں کی لاشوں سے پٹا پڑا ہے۔ خون بہنے کے باعث زمین جابجا رنگین ہو رہی ہے"۔

مسٹر رالف از ڈ نمائندہ "ڈیلی میل" لندن کا بیان:

لندن کے اخبار "ڈیلی میل" کے نمائندہ خصوصی مسٹر رالف از ڈ نے انہی دنوں میں لاہور سے دہلی تک کا سفر کیا۔ اس کا بیان جو سفر کے چشم دید حالات پر مبنی تھا' مورخہ ۲۷ راگست کے "ڈیلی میل" میں چھپا۔ اس بیان کا ترجمہ یہ ہے:

"میری کہانی کو وہی لوگ سن سکتے ہیں جو بہت بڑا دل گردہ رکھتے ہوں۔ میری کہانی گذشتہ جمعہ کے روز سے (مورخہ ۲۲ راگست) شروع ہوتی ہے' جب میں کراچی سے نمبر ۷ اَپ ٹرین پر سوار ہو کر براہ لاہور عازم دہلی ہو کر چلا۔ لاہور تک مجھے سفا کی اور قصابی کا کوئی منظر نظر نہ آیا اور نہ میں نے کوئی لاش ہی دیکھی۔ ٹرین کو لاہور پہنچنے میں صرف ڈھائی گھنٹہ کی تاخیر ہوئی جو ہندوستان میں ساڑھے سات سو میل کے سفر میں ایک معمولی سی بات تھی۔ مجھے اطلاع مل چکی تھی کہ مشرقی پنجاب میں خوفزدہ انسانوں کی بھاری جمعیتوں کے ساتھ انتہا درجہ کی بربریت کا سلوک برتا جا رہا ہے۔ میں نے سفر کے دوران میں محسوس کیا کہ عام لوگ اس قسم کی اطلاعات سے بہت متاثر نظر آتے ہیں۔ لاہور پہنچ کر عام دہشت کا یہ اثر بہت نمایاں حیثیت سے محسوس ہونے لگا کیونکہ اُسی دن لاہور میں ایک خون سے رنگی ہوئی ٹرین نمبر ۱۵ اَپ پہنچی تھی جس کے سینکڑوں مسلمان مسافروں کو ریاست پٹیالہ میں واقع بھٹنڈا جنکشن پر بے دریغ تہ تیغ کر دیا گیا تھا۔ اس گاڑی پر سے صرف آٹھ مسلمان اُتارے گئے جو بری طرح مجروح ہو

چکے تھے۔ یہ گاڑی نو ڈبوں پر مشتمل تھی جس پر ایک ہزار مسافر آسانی سے سوار ہو سکے تھے۔ انجن ڈرائیور اور گارڈ نے بتایا کہ اس ٹرین کو بٹھنڈا جنکشن (ریاست پٹیالہ) کے پرلے سرے پر کسی نے خطرے کی زنجیر کھینچ کر ٹھہرالیا' اور ٹرین کے رکنے کی دیر تھی کہ چاروں طرف سے سکھوں کے دَل بادل اُس پر ٹوٹ پڑے' اور ٹرین کے مسافروں کو کرپانوں' نیزوں اور بھالوں سے قتل کرنے لگے۔ اس ٹرین پر صرف مسلمان پناہ گزین سوار تھے جو لاہور جانا چاہتے تھے۔ فوج کا حفاظتی دستہ جو چند افراد پر مشتمل تھا' بے بسی کے عالم میں کھڑا مسلمان مسافروں کے قتل عام کا تماشا دیکھتا رہا۔ بیسیوں انسانوں کے اجسام ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے اور ان کی نعشیں نہر میں پھینک دی گئیں' جو پاس ہی پوری طغیانی کے ساتھ بہ رہی تھی۔ سینکڑوں مسلمان سراسیمگی کے عالم میں کھیتوں کی طرف بھاگے۔ ان کو بھی عین عالم فرار میں قتل کیا جا رہا تھا۔ یہ قتل عام گھنٹہ بھر جاری رہا۔ گارڈ اور ڈرائیور بچ گئے کیونکہ انہوں نے اپنے کو ہندو ظاہر کیا تھا اور خون سے لتھڑی ہوئی شکستہ حال ٹرین کو لاہور لے آئے۔

ہماری گاڑی دس گھنٹوں کی تاخیر کے بعد اتوار کی صبح کو چھ بجے لاہور سے دہلی کی طرف روانہ ہوئی۔ پاکستان کی سرحد عبور کرنے کے بعد میں نے جابجا ایسے مناظر دیکھے جو زبانِ حال سے کہہ رہے تھے کہ پناہ ڈھونڈنے والے مسلمانوں کو ہر جگہ وہی کچھ پیش آ چکا ہے جو بٹھنڈا میں گزرا' لیکن ان مناظر پر کچھ گھناؤنے اضافے بھی ہو چکے تھے۔ گدھوں کے غول ہر گاؤں کے قریب ریلوے لائن کے نزدیک اکٹھے ہو رہے تھے۔ فیروز پور کے مکانات سے ابھی تک شعلے اُٹھ رہے تھے۔ کتے انسانی نعشوں کو جھنجھوڑ کر کھا رہے تھے۔ ان بھیانک نظاروں کے باوجود ابھی تک میرے دل پر اس تباہی کی ہمہ گیر ہولناکیاں پوری طرح منکشف نہ ہوئی تھیں کہ ہم چار بجے شام تک بٹھنڈا پہنچ گئے' وہاں

پہنچ کر میں نے دیکھا کہ اس دور اُفتادہ ریلوے جنکشن پر سکھوں کے غول پوری طرح مسلط ہو رہے ہیں۔ ریلوے ٹرینوں کی نقل و حرکت کا ذمہ دار ڈونلڈ میک ملین نامی ایک سکاٹ ریلوے انسپکٹر تھا جو اکیلا بیس آدمیوں کا کام کر رہا تھا۔ ہر طرف سے نعشوں اور سسکتے ہوئے مجروحوں سے لدی ہوئی ریل گاڑیاں آ رہی تھیں۔ جس وقت ہم بھٹنڈا کے اسٹیشن پر وارد ہوئے تو میک ملین عجیب مصیبت میں اُلجھا ہوا تھا۔ اس وقت پناہ گزینوں کی دو ٹرینیں اسٹیشن پر کھڑی تھیں؛ دونوں ہزاروں مسافروں سے لدی ہوئی تھیں۔ ایک ٹرین مسلمان پناہ گیروں کی تھی جو لاہور کی طرف جانے والی تھی۔ دوسری ٹرین ہندو اور سکھ پناہ گیروں کی تھی جسے دہلی کی طرف کوچ کرنا تھا۔ دونوں ٹرینیں اس اسٹیشن پر رُکی ہوئی پڑی تھیں۔ ریلوے پولیس کا جو معمولی دستہ میک ملین کی تحویل میں تھا' اس کے سپاہیوں کو سکھوں نے دھمکی دے رکھی تھی کہ اگر انہوں نے اُن کے (یعنی سکھوں کے) کام میں دخل دیا تو وہ ڈیوٹی سے فارغ ہو کر گھر جانے پر اپنے بال بچوں کو کٹا ہوا پائیں گے۔

ہمیں بھٹنڈا پہنچے ابھی دس منٹ گزرے تھے کہ میں نے ایک مسلمان بھکاری کو چند پیسے دیئے۔ عین اُسی وقت ایک سکھ نے اس بھکاری کو اور اُس کے ایک ساتھی کو کرپان مار کر گرا دیا۔ سکھ یہ حرکت کر کے بھاگا لیکن پولیس نے اسے پکڑ لیا۔ وہ گھنٹہ بعد وہ سکھ مکتفی شہادت نہ ملنے کی بنا پر چھوڑ دیا گیا۔ میں نے جان لیا کہ ''آزاد ہو جانے اور قابو سے باہر ہونے'' کے حقیقی معنی کیا ہیں؟

ہماری ٹرین سے ذرا فاصلے پر انسانی لاشوں کا ایک ڈھیر نظر آ رہا تھا۔ میرے دیکھتے دیکھتے پولیس کے دو سپاہی وہاں مزید لاشوں سے لدی ہوئی ایک بیل گاڑی لائے۔ جو اس ڈھیر پر پھینک دی گئیں' لاشوں کے اس ڈھیر کے اُوپر ایک انسان ابھی زندہ پڑا کراہ رہا تھا۔ پولیس کے سپاہیوں نے اسے دیکھا لیکن وہ اپنی لائی ہوئی لاشیں

ڈھیر پر پھینک کر چلتے بنے۔ سسکتے اور کراہتے ہوئے انسان کو وہیں چھوڑتے گئے۔

ایک بوڑھا مسلمان کسان خاک و خون میں غلطان اس ڈھیر سے تھوڑے فاصلے پر دم توڑ رہا تھا۔ اس کے گلے سے خون جاری تھا۔ اس کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے تھے۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ زمین پر ایک کتا اور درخت پر ایک گدھ اُس کی موت کے انتظار میں اُسے بیتابی کے ساتھ گھور رہے تھے۔

شام کے وقت مسلمانوں کا ایک جم غفیر ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ ٹرین کی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا۔ سکھ جو اس وقت اسٹیشن پر موجود تھے' بھاگ گئے۔ ہم نے اپنے فوجی محافظین کو اُن کی طرف بھیجا۔ پولیس کے سپاہی جی چرا رہے تھے لیکن وہ بھی فوجیوں کے ہمراہ گئے۔ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا یہ گروہ جنگ و جدال کی غرض سے نہیں بلکہ پناہ ڈھونڈنے کیلئے آ رہا ہے۔ میک ملین نے فی الفور ایک ریل گاڑی تیار کی۔ ہماری ٹرین کا انجن اسے لگا دیا۔ ہماری ٹرین کے حفاظتی دستہ کو بھی اس پر متعین کر دیا اور گاڑی پاکستان کی طرف ہانک دی تاکہ یہ مسلمان پناہ جو جلد سے جلد بھٹنڈا کی خطرناک حدود سے نکل جائیں۔

ہماری ٹرین کا انجن اپنے فوجی حفاظتی دستہ سمیت جا چکا تھا' اس لئے ہمیں وہ رات بھٹنڈا ہی میں بسر کرنی پڑی۔ وہ بڑی ہی بھیانک رات تھی۔ میک ملین نے پناہ گیروں کو پاکستان کی طرف جلد روانہ کر کے قتل عام کی ایک اور واردات سے بچا لیا لیکن رات بھر اکا دکا مسلمانوں کے قتل کا مشغلہ جاری رہا۔ صبح کے وقت میرے ملازم ایونز نے مجھ جگایا تو رپورٹ دی کہ رات کے دوران میں بائیس مزید مسلمان قتل ہو چکے ہیں۔

اگلا دن بھی ہم وہیں ٹھہرنے پر مجبور تھے کیونکہ کوئی اسٹیشن ہماری ٹرین کی ذمہ داری لینے کیلئے تیار نہ تھا۔ ہماری ٹرین میں صرف ہندو اور سکھ مسافر تھے۔ یورپین معدودے چند تھے' لیکن اسٹیشن ماسٹروں کے برقی اور ٹیلیفونی پیغامات کہہ رہے تھے کہ

سکھوں کے غول خوں ریزی کی بہتات کے باعث بدمست اور پاگل ہو رہے ہیں۔ وہ ہر ٹرین پر حملہ کر دیتے ہیں۔ خدا خدا کر کے دہلی سے محافظ دستہ آیا اور ہم چار بجے شام (۲۶ر اگست) کو بھٹنڈا سے روانہ ہونے کے قابل ہوئے۔

بھٹنڈا کے قیام میں ہم نے جو آخری نظارا دیکھا وہ پہلے نظاروں سے کہیں زیادہ گھناؤنا تھا۔ جونہی ہماری گاڑی چلی ہم نے دیکھا کہ چار سکھ چھ مسلمان لڑکیوں کو بے دردی کے ساتھ زدوکوب کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک دو کو ذبح بھی کر چکے ہیں۔

اگلے اسٹیشن پر سکھوں کا بھاری ہجوم نظر آیا۔ داڑھیوں اور بالوں والے یہ لوگ کرپانوں، تلواروں، کلہاڑیوں، نیزوں، بھالوں اور خنجروں سے مسلح تھے۔ بعض کے ہاتھ میں چمڑے کے تازیانے بھی تھے، جن کے سروں پر سکے کی بھاری گولیاں سلی ہوئی تھیں۔ کچھ مزید سکھ گھوڑوں، ٹٹوؤں اور اونٹوں پر سوار اسٹیشن کی طرف چلے آ رہے تھے لیکن ان کا رویہ دوستانہ تھا۔ انہوں نے گاڑی کے ہندو اور سکھ مسافروں کو کھانے کی چیزیں دیں اور اپنی مشکوں سے پانی پلایا۔ اگلے اسٹیشنوں پر بھی یہی کیفیت مشاہدہ میں آئی۔ راستے میں کہیں کہیں انسانی لاشیں پڑی نظر آتی تھیں جو ریل کی پٹڑی سے گھسیٹ گھسیٹ کر پاس ہی ڈال دی گئی تھیں۔ ہولناک نظاروں کے سلسلہ کی آخری کڑیاں یہی تھیں، جنہیں دیکھتے ہوئے ہم دہلی پہنچ گئے۔

اواخر اگست کی کیفیت

اگست کے آخری دو ہفتوں میں مشرقی پنجاب کی تمام ریلوے لائنوں پر نہتے اور بے خبر مسلمان مسافروں کے خون سے اس طرح ہولی کھیلی جا رہی تھی اور ریل کے ہر جادہ پر اسی نوعیت کے ہولناک نظارے دیکھنے میں آ رہے تھے، جن کا حال متذکرہ صدر عینی شاہدوں کی زبانی آپ سن چکے ہیں۔ اگست کے اخیر تک امرتسر، گورداسپور، فیروزپور،

جالندھر' ہوشیار پور اور لدھیانہ کے اضلاع سے مسلم آبادیوں کا حصۂ غالب اپنے گھروں' زمینوں اور جائیدادوں سے بے دخل ہو کر کامل بے سروسامانی کی حالت میں کیمپوں میں جمع ہو رہا تھا۔ ان میں سے پانچ لاکھ خانماں برباد مسلسل چلنے والے قافلوں کی صورت میں چل کر پاکستان کی حدود میں داخل ہو چکے تھے' اور لاکھوں مسلمان کیمپوں میں پڑے پاکستان کی طرف روانہ ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ مسلمانوں کے شہر' محلے' قصبے اور دیہات نذر آتش کر دیئے گئے تھے یا لوٹے جا چکے تھے۔ کہیں کہیں مسلمان آبادیوں کا کوئی اجتماع محفوظ بیٹھا اس ساعت کا انتظار کر رہا تھا جب سکھ لشکر دوسرے مقامات سے فارغ ہو کر ان کی خبر لینے کے آگے بڑھیں۔ سکھوں کی طرف سے مسلمانوں کے قتل عام کا پروگرام برابر جاری تھا۔ اگر مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کو بے دخل کرنا اور نکالنا مقصود تھا تو وہ انڈین یونین کی آزاد حکومت اور سکھ ریاستوں کی امداد سے اس مقصد میں بہت بڑی حد تک کامیاب ہو چکے تھے' لیکن ان کا مقصود صرف یہ نہ تھا' وہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نابود کر دینا چاہتے تھے۔ اس لئے انہیں گھروں سے نکال دینے کے باوجود ان کا شکار کھیل رہے تھے۔ ان کی بچی کھچی آبادیوں کو اُجاڑنے کے درپے تھے۔ ان کے بھاگتے ہوئے قافلوں پر حملے کرتے تھے۔ ان کے اجتماعوں اور کیمپوں پر شبخون مارتے تھے۔ ان کاموں سے انہیں روکنے والا کوئی نہ تھا بلکہ ہندوستان کی حکومت کی فوج اور پولیس انہیں کھلم کھلا امداد دے رہی تھی۔ حکام ان کی پیٹھ ٹھونکتے تھے۔ وحشت و بربریت' سفاکی و درندگی کے کارناموں پر انہیں شاباش دی جا رہی تھی۔ اُس وقت سکھ ایسی وحشی قوم کو انسانیت سوز مظالم سے روکنے کا طریق صرف یہ تھا کہ پاکستان کی فوجیں مشرقی پنجاب پر چڑھائی کر دیتیں۔ پاکستان کی حکومت ہندوستان کی حکومت کو جنگ کا باقاعدہ الٹی میٹم بھیج کر جواب طلب کرتی کہ اس کی سرزمین میں زمانہ قبل از تاریخ کے وحشیانہ

کھیل کیوں کھیلے جا رہے ہیں۔ لیکن اس طرف الٹی میٹم دینے اور جواب طلب کرنے کی ہمت کسے ہو سکتی تھی۔ پاکستان کے حکمران تو صرف عہدے اور اقتدار لے کر آ گئے تھے۔ فوجیں دور دراز مقامات پر بکھری پڑی تھیں۔ جنگی ساز و سامان کا بیشتر حصہ ابھی ہندوستان میں اٹک رہا تھا۔ خزانے کا پچپن (۵۵) کروڑ روپیہ حریفوں کے ہاتھ میں تھا۔ راقم الحروف کا خیال ہے کہ ان غفلتوں اور فروگذاشتوں کے باوجود اگر پاکستان کے حکمران ہمت سے کام لیتے تو وہ ہندوستان کو جنگ کا الٹی میٹم دے کر عام مسلمانوں کو مشرقی پنجاب پر چڑھائی کرنے کی اجازت دے سکتے تھے۔ اس صورت میں ماسٹر تارا سنگھ کے سکھوں پر فی الفور ہراس طاری ہو جاتا' انہیں مسلمانوں کا قتل عام کرنے کے بجائے اپنی جان کے لالے پڑ جاتے۔ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کے پاؤں جم جاتے۔ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ایک صحیح' صاف اور ستھری جنگ شروع ہو جاتی' جس کے نتائج خدائے عزوجل کی طرف سے آنے والی نصرت کے طفیل مسلمانوں کے حق میں بدرجہا بہتر نکلتے۔ مسلمان اس جنگ میں فتح یاب ہوتے یا مردانہ وار لڑ کر مٹ جاتے' لیکن اس ذلت و نامرادی کا کلنک اپنے ماتھے پر لگوانے سے بچے رہتے جو انہیں اپنے ارباب اقتدار کی عاقبت نااندیشیوں کے باعث جھیلنا پڑا۔[۱]

---

[۱] راقم الحروف اگست کے اخیر میں ابھی اپنے گاؤں ہی میں تھا دوسرے اقطاع کے حالات بہت ناکمل صورت میں افواہاً پہنچ رہے تھے۔ اس عاجز نے انہی دنوں میں تبادلۂ آبادی' قیام امن' ہندوستان سے الحاق وغیرہ کی مختلف صورتوں پر سوچ بچار کرنے کے بعد یہی رائے قائم کی تھی کہ اس الجھن کو جو مسلمانوں کے سامنے دھر دی گئی ہے' مجاہد کی تلوار ہی سلجھا سکتی ہے اور بس۔ (مؤلف)

ستم ظریفی اور زخموں پر نمک پاشی:

سارے مشرقی پنجاب میں بڑے وسیع پیانہ پر انتہائی تندی اور تیز رفتاری کے ساتھ مسلمانوں کے قتل عام کی مہم جاری تھی اور ہندوستان کے ارباب اقتدار نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ خبریں نشتر نہ ہونے پائیں۔ مشرقی پنجاب میں آمد ورفت کی تمام راہیں مخدوش اور پُر خطر ہو چکی تھیں، اس لئے ضلع کے ایک گوشہ کے حالات کی صحیح صحیح خبریں دوسرے گوشہ تک پہنچنی ناممکن ہو گئی تھیں، چہ جائیکہ یہ معلوم ہو سکتا کہ دور اُفتادہ اقطاع میں مسلمانوں پر کیا گزر رہی ہے۔ ان اضلاع میں امن قائم رکھنے کی ذمہ دار میجر جنرل رِیس کی سرحدی افواج تھیں جو چار بٹالینوں پر مشتمل تھیں اور بارہ اضلاع کے وسیع رقبہ میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان افواج کا پچھتر فیصد ہندو اور سکھ عنصر صریح طور پر اپنے ہم قوموں کی امداد کر رہا تھا۔ ان افواج کی ٹولیاں جس فساد زدہ رقبہ میں جاتی تھیں، مسلمانوں ہی کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنالیتی تھیں۔ سکھوں اور ہندوؤں سے کسی قسم کا تعرض نہیں کرتی تھیں۔ کیفیت یہ تھی لیکن میجر جنرل رِیس کے ہیڈ کوارٹرز سے مورخہ ۱۹راگست کو اعلان جاری کیا گیا:

> سرحدی افواج نے ایسے جتھوں کو جن سے ان کی مڈبھیڑ ہوئی غیر جانبدار رہ کر نقصان پہنچایا ہے۔ یہ افواج آئندہ بھی ایسے فسادی جتھوں کو بے طرف رہتے ہوئے فساد سے باز رکھنے کی کوشش کریں گی بشرطیکہ ان کی موجودگی کی اطلاع ٹھیک وقت پر مل جائے۔

عامۃ المسلمین کیلئے اس اعلان کی آخری شرط کا پورا کرنا ہی قریب قریب غیر ممکن تھا کیونکہ دیہات میں خبر تک نہ دی گئی تھی کہ ان افواج کی چوکیاں کہاں کہاں

ہیں۔ مزید برآں قبل اس کے کہ سرحدی افواج کی کسی چوکی کو اطلاع بہم پہنچتی سکھ جتھے اپنا کام کر کے دوسری اطراف کا رُخ کر لیتے تھے اور اطلاع ملنے پر بھی یہ فوجیں مسلمان آبادیوں ہی کو اپنے فیروں اور اپنی دوسری تشدد آمیز کارگزاریوں کا تختہ مشق بنا لیتی تھیں۔ جن اقطاع پر سکھوں نے دوسرے تیسرے دن حملہ کرنا ہوتا تھا' ان کے سرکردہ مسلمانوں کو پہلے ہی گرفتار کر کے لے جاتی تھیں اور ان اقطاع کے مسلمانوں سے ہتھیار چھین کر انہیں نہتا اور بے بس بنا دیتی تھیں۔ حالت یہ تھی لیکن ان افواج کا ہیڈ کوارٹر مغربی پنجاب کے مسلمانوں اور دنیا کو فریب دینے کیلئے بڑی ڈھٹائی اور ستم ظریفی کے ساتھ اعلان جاری کر رہا تھا کہ یہ فوجیں غیر جانبدار رہ کر اپنا کام کر رہی ہیں۔ اس کے علاوہ ان فوجوں کے ہیڈ کوارٹر سے کیفیت حال کی جو اطلاعات نشر کی جاتی تھیں' ان میں بھی صحیح حالات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی تھی' اور یہ ظاہر کیا جاتا تھا کہ مشرقی پنجاب کے فسادات بہت معمولی نوعیت کے ہیں۔

اِدھر ۱۸ راگست کو منظم سازش کے ماتحت مسلمانوں کے قتل عام کی مہم شروع کی گئی۔ اُدھر ماسٹر تارا سنگھ' گیانی کرتار سنگھ اور دوسرے سکھ لیڈروں نے قیامِ امن کے بہانہ سے ان اضلاع کے دورے شروع کر دیئے' جن کا مقصد آتش فساد کو تیز تر کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ یہ لیڈر جہاں جہاں گئے سکھوں نے وہاں مسلمانوں کے قتل عام کی مہم کے سلسلہ میں اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دیں۔

پاکستان کے عام مسلمانوں بلکہ ان کے اکابر کو مشرقی پنجاب کے حالات کی اطلاع محض پناہ گیروں کے ان قافلوں کی حالت سے ملتی تھی جو جوق در جوق پاکستان کی حدود میں داخل ہو رہے تھے' لیکن ان سے بھی وہ ہولناک کیفیات کا صحیح اندازہ لگانے سے قاصر تھے۔ اُدھر ہمہ گیر سازش اور مکمل تیاری کے ساتھ بڑی سرعت سے مسلمانوں کو

کلی طور پر فنا کر دینے کی مہم پورے زور شور سے جاری تھیں۔ اِدھر پاکستان اور مغربی پنجاب کے ارباب اقتدار مبہوت اور دم بخود کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان کے دماغ معطل ہو چکے تھے۔ ان کے قوائے فکر و عمل جواب دے چکے تھے۔ انہوں نے حالات کے ارتقاء کے اس پہلو پر کبھی غور ہی نہیں کیا تھا کہ لنگڑے اور اپاہج پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی ان کے حریف مشرقی پنجاب اور ہندوستان میں مسلمانوں کے قتل عام‘ اخراج اور افنا کی مہم شروع کر دیں گے۔ حالانکہ حالات و واقعات کی رفتار المیہ بہار کے وقت ہی سے انتباہ پر انتباہ کرتی چلی آ رہی تھی اور ماسٹر تارا سنگھ لگی لپٹی رکھے بغیر اعلان کر چکے تھے کہ سکھ مسلمانوں کو نہ صرف مشرقی پنجاب سے نکال کر رہیں گے بلکہ وہ انہیں مغربی پنجاب سے بھی بے دخل کرنے کی کوشش کریں گے۔

پاکستان کے اکابر کی آنکھیں اُس وقت کھلیں جب مشرقی پنجاب میں سکھ اپنا کام کر چکے تھے۔ ۲۲/اگست کو مغربی پنجاب کے وزرا نے مشرقی پنجاب کے وزیروں کے ساتھ لاسلکی پر نامۂ و پیام کیا تو اُدھر سے یہ جواب آیا:

”آپ فکر نہ کریں ہم قیام امن کیلئے جالندھر پہنچ رہے ہیں۔ آپ مغربی پنجاب میں امن قائم رکھئے“

اس روز مشرقی اور مغربی پنجاب کے وزراء کی ایک کانفرنس جالندھر میں منعقد ہوئی لیکن نتیجہ معلوم۔ ۲۶/اگست کو پاکستان ریڈیو پر پہلی دفعہ یہ اعلان کیا گیا کہ مشرقی پنجاب میں سکھوں نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر رکھا ہے۔ اس مہم کو شروع ہوئے سات آٹھ دن گزر چکے تھے اور سکھوں کو اپنے مقصد میں بہت بڑی حد تک کامیابی حاصل ہو چکی تھی‘ اور قتل عام کی مہم زوروں پر جاری تھی‘ لیکن مشرقی پنجاب کے وزیر سورن سنگھ نے ۲۷/اگست کو ریڈیو پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مغربی پنجاب کی حکومت

مشرقی پنجاب کے فسادات کو مسلمانوں کا قتل عام ظاہر کر رہی ہے۔ حالانکہ اس طرف محض فساد کے معمولی سے واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ کہیں کہیں قتل کی کوئی واردات ہو جاتی ہے ویسے سب خیریت ہے۔

۲۹ راگست کو لاہور میں قائداعظم محمد علی جناح گورنر جنرل پاکستان اور لارڈ مونٹ بیٹن گورنر جنرل ہندوستان کے درمیان کانفرنس ہوئی اور یہ بات طے کر لی گئی کہ اضلاع امرتسر، گورداسپور اور جالندھر ڈویژن یعنی اضلاع فیروزپور، لدھیانہ، جالندھر، ہوشیارپور اور کانگڑہ کی مسلمان آبادی کو پاکستان کی طرف منتقل کر دیا جائے اور مغربی پنجاب کے اضلاع سے ہندوؤں اور سکھوں کو ہندوستان کی طرف بھیج دیا جائے۔

اس کانفرنس کے بعد پاکستان کے وزیراعظم مسٹر لیاقت علی خاں ہندوستان کے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو کی معیت میں مشرقی پنجاب کے فسادزدہ اضلاع کا دورہ کرنے کیلئے روانہ ہو گئے۔ یہ دونوں بزرگ ضلع ہوشیارپور کے ایک گاؤں موضع کپور میں پہنچے تو وہاں کے خوفزدہ مسلمان ان کے گرد جمع ہو گئے۔ پنڈت نہرو نے وہاں ایک تقریر ارشاد فرمائی اور کہا:

”تم اس قدر بدحواس کیوں ہو رہے ہو۔ اگر تم میں سے کسی کو گزند پہنچا تو میں انتہائی فوجی کارروائی کرنے میں بھی تامل سے کام نہ لوں گا۔ اس بدبخت ضلع میں جو کچھ ہو چکا ہے مجھے اس کا علم ہے، ہم اس بربریت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم امن قائم کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں جو شخص مشرقی پنجاب میں رہنے کا خواہش مند ہو گا، اُس کی حفاظت کی جائے گی“۔

کیا ستم ظریفی اور زخموں پر نمک پاشی کی اس سے روشن تر مثال کوئی ہو سکتی ہے؟

وحشت و بربریت کے اس معرکہ کی اطلاعات جو ہمہ گیر منظم سازش کے ماتحت انتہائی شدت اور سرعت رفتار کے ساتھ جاری کیا گیا تھا۔ ہندوستان کے اخبارات میں تو شائع ہو نہیں سکتی تھیں کیونکہ وہ بھی اپنی حکومت کی طرح اس سازش میں شریک تھے۔ مزید برآں دور اُفتادہ مقامات تک صحیح حالات کی خبریں پہنچنا ایک محال امر تھا۔ پاکستان کے اخبارات تو کیا' اکابر حکمران بھی صحیح طور پر اندازہ کرنے سے قاصر تھے کہ مشرقی پنجاب میں کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ صرف برطانوی اور امریکی اخبارات کے نمائندوں نے جو ان دنوں مشرقی پنجاب میں موجود تھے یا فسادات کی اطلاع پا کر اپنے فرض منصبی کی بجا آوری کی خاطر بھاگے بھاگے مشرقی پنجاب میں پہنچے' اپنے اخبارات کو ایسی اطلاعات بھیجیں جو حقیقت حال کی جھلک دکھا رہی تھیں۔ ان خبروں کی اشاعت پر ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو بہت برہم ہوئے۔ انہوں نے ۲۹ر اگست کو ایک بیان دیتے ہوئے فرمایا:

> "ان حضرات نے (یعنی غیر ملکی اخبارات کے نامہ نگاروں نے) مشرقی پنجاب کے واقعات کی اطلاعات اپنے اخبارات کو بھیج کر ہندوستان کی مہمان نوازی سے سراسر ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے"۔

یعنی ہندوستان کا وزیر اعظم یہ چاہتا تھا کہ غیر ملکی لوگ بھی مسلمانوں کے قتل عام کی اسی سازش میں ہندوستان کے حکمرانوں کے شریک حال بن جاتے تا کہ مشرقی پنجاب کے بے گناہ مسلمانوں کے خون ناحق پر شہادت دینے والا ایک متنفس بھی حاضر نہ ہو سکتا۔

مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کا اِخراج:

مؤرخہ ۲۹ر اگست کو لاہور میں پاکستان کے گورنر جنرل اور ہندوستان کے

گورنر جنرل نے آپس میں ملاقات کی اور یہ بات طے کی گئی کہ امرتسر' گورداسپور' فیروز پور' لدھیانہ' جالندھر' ہوشیار پور اور کانگڑہ کے اضلاع سے مسلمان آبادی کو جس کی اکثریت گھروں سے بے دخل ہو کر سراسیمگی کے عالم میں کیمپوں میں جمع ہو رہی تھی' پاکستان کی طرف منتقل کر دیا جائے اور اس کے مقابلے میں مغربی پنجاب کے اضلاع سے ہندو اور سکھ آبادی کو پاکستان کی طرف منتقل کر دیا جائے۔ اس بھاری' اہم اور وسیع کام کی ذمہ داری دونوں مستعمروں کی حکومتیں اپنے کندھوں پر اٹھا لیں۔ ۳۱؍اگست کو میجر جنرل ریس کی سرحدی افواج کا وجود ختم کر دیا گیا اور یکم ستمبر ۱۹۴۷ء سے پناہ گزینوں کی حفاظت اور ان کے انتقال کا کام دونوں مملکتوں کی باقاعدہ افواج نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کے بعد مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کے اخراج اور مغربی پنجاب سے ہندوؤں اور سکھوں کے اخراج کا عمل سرعت رفتار کے ساتھ شروع ہو گیا' لیکن دونوں مملکتوں کے وسائل و ذرائع اتنے بھاری کام کو جلد سرانجام دینے کیلئے سراسر غیر مکتفی تھے۔ لہٰذا فوجی دستوں کی نگرانی میں جابجا پناہ گزینوں کے کیمپ کھول دیئے گئے۔ جو آبادیاں اُس وقت تک چین سے بیٹھی تھیں' انہیں گھروں سے نکل کر کیمپوں میں جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ دونوں حکومتوں کی چلائی ہوئی اسپشلیں' فوجی ٹرک اور لاریاں پناہ گزینوں کو لاد کر ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر پہنچانے لگیں۔

بیل گاڑیوں کے نیز پیادہ چلنے والے بے ساز و سامان لوگوں کے قافلے حرکت کرتے نظر آنے لگے۔ پنجاب کی سڑکیں پناہ گزینوں سے معمور نظر آنے لگیں۔ پناہ ڈھونڈنے والوں کو امراض نے گھیر لیا۔ ستمبر کے اخیر میں دُھواں دھار بارشیں ہونے لگیں۔ دریا' ندیاں اور نالے طغیانی پر آ گئے' سیلاب اُمڈ آئے۔ ہزاروں پناہ گیران امراض کی اور سیلابوں کی نذر ہو گئے۔ کیمپوں کی آبادیاں وباؤں' سیلابوں اور فاقہ کشی کی

جاں گداز مصیبتوں کے باعث قبرستانوں میں تبدیل ہونے لگیں۔ سیلابوں کی نذر ہونے والے پناہ گیروں کی لاشیں تکفین وتدفین سے محروم رہیں۔ دریائے بیاس کے طاس میں اور مشرقی پنجاب کے متعدد کیمپوں میں سیلاب کی نذر ہونے والے انسانوں اور جانوروں کی نعشیں اور لاشیں ہفتوں پڑی سڑتی رہیں۔ کتے اور گدھ بھی انہیں نوچ نوچ کر کھانے سے سیر ہو کر منہ موڑ گئے۔ پنجاب کے جادۂ اعظم اور اس کی دیگر سڑکوں پر جہاں جہاں سے پناہ گزیں قیام کرتے ہوئے گزرتے تھے' تعفن اور بدبو کا یہ عالم تھا کہ سانس تک لینا دوبھر ہو رہا تھا۔ خدائی قہر کے عناصر غافل انسانوں کی ایک بھاری جمعیت کو بڑی تندی کے ساتھ سرزنش کا تختۂ مشق بنا رہے تھے اور دوسری جمعیت کیلئے عبرت کے سامان مہیا کر رہے تھے۔ اس کیفیت میں مہینوں گزر گئے' تب کہیں جا کر دونوں مملکتوں کی حکومتیں مشرقی پنجاب اور مغربی پنجاب کی آبادیوں کے حصۂ غالب کو منتقل کرنے کے کام سے فارغ ہوئیں۔ تادم تحریر آبادیوں کے انتقال کا یہ سلسلہ جاری ہے اور نہ معلوم کب تک جاری رہے گا۔

مشرقی پنجاب اور مغربی پنجاب کی کیفیت کا موازنہ:

مشرقی پنجاب کی مسلمان آبادیاں سکھوں کی وحشت و بربریت کے ہاتھوں ۱۹ر اگست سے ۳۱ر اگست تک خون کا مکمل غسل لے چکی تھیں۔ ۲۵ر اگست تک پاکستان کے ارباب اقتدار اور وہاں کے عامۃ المسلمین پوری طرح باخبر نہ ہونے کے باعث غافل رہے۔ پھر دم بخود اور مبہوت رہنے کی کیفیت طاری ہوئی اور بالآخر پاکستان کے حکمرانوں کو فیصلہ کرنا پڑا کہ آبادیوں کا تبادلہ کر لیا جائے۔ ۲۹ر اگست کے بعد پاکستان کی حکومت نے مغربی پنجاب کی سکھ اور ہندو آبادیوں کو امن چین سے اُٹھا کر کیمپوں میں

اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ سکھوں کے مظالم کی صدائے بازگشت مغربی پنجاب کے بعض مقامات پر بھی سنی گئی، یعنی مسلم عوام نے ہندوؤں اور سکھوں پر حملے شروع کر دیئے لیکن یہ بہت معمولی قسم کے واقعات تھے۔

نوٹ: نہ نہ سمجھا جائے کہ مؤلف چونکہ مسلمان ہے اس لئے ایسا لکھنے میں جانبداری سے کام لے رہا ہے۔ حقیقت حال یہی ہے کہ مغربی پنجاب کے ہندوؤں اور سکھوں کو مسلمانوں کے مشتعل ہجوموں کے ہاتھوں جو تکالیف برداشت کرنی پڑیں وہ ان تکالیف کا عشر عشیر بھی نہیں تھیں، جن میں سے مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کی آبادیوں کو گزرنا پڑا۔ راقم الحروف نے مہت پور اور نکودر کے کیمپوں میں قیام کے دوران میں پاکستان سے جانے والے سکھوں اور ہندوؤں سے جو مختلف اقطاع سے آ رہے تھے، استفسارات کیئے۔ اکثر یہی کہتے تھے کہ ہمیں پاکستان کی ملٹری نے گھروں سے حکماً اُٹھا کر اِدھر ہانکا ہے۔ (مؤلف)

۲۹ر اگست کی قرارداد کے بعد بھی مشرقی پنجاب میں مسلمان پناہ گزینوں کے کیمپوں، ان کے قافلوں اور ان کی اسپشلوں پر سکھوں کے حملے جاری رہے اور ہندوستان کی یونین گورنمنٹ کی افواج مسلمان پناہ گزینوں کی حفاظت کما حقہا کرنے سے قاصر رہ گئیں۔ کیمپوں کے قیام اور ہجرت کے سفر کے حالات کی جھلک اگلے باب میں نظر آئے گی، جس میں مختلف اقطاع کے مہاجرین کے بیانات "ہم پر کیا گزری" کے عنوان کے ماتحت درج کیئے جا رہے ہیں۔ اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ۲۹ر اگست کو جالندھر ڈویژن اور اضلاع امرتسر و گورداسپور کو مسلمان آبادی سے خالی کر دینے کا فیصلہ ہوا تو انبالہ ڈویژن کے اضلاع میں نیز پنجاب سکھ ریاستوں میں مسلمانوں کے قتل عام اور اخراج کی مہم اسی وحشیانہ اُسلوب پر شروع کر دی گئی جو متذکرہ صدر اضلاع

میں اختیار کیا گیا تھا۔ جلد ہی اس مہم نے دہلی کے تاریخی شہر کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا' اور دہلی سے پرے ہندوستان کے بعض دیگر اقطاع سے بھی مسلمانوں کے اخراج کا عمل شروع ہو گیا جو تادمِ تحریر جاری ہے۔

ہم پر کیا گزری؟

سرگزشتِ "خونِ دل" را از "عنادل" بشنوید
زانکہ "آناں خوب تر" گویند ایں افسانہ را

کتاب کے اس حصہ میں وہ بیانات ضلع وار ترتیب کے ساتھ درج کئے گئے ہیں جو مؤلف کو اس اشتہار کے جواب میں موصول ہوئے جو اخبارات میں مہاجرین کی "آپ بیتی" حاصل کرنے کیلئے دیا گیا تھا۔ ہر چند حاصل شدہ بیانات نامکمل ہیں اور بعض اقطاع کے حالات موصول بھی نہیں ہوئے تاہم ان سے ان کیفیات کا اندازہ ہو سکتا ہے جو مشرقی پنجاب کے مسلمانوں پر ہندوستان کے آزاد ہونے کے بعد وارد ہوئیں۔

(مؤلف)

امرتسر اور اس کے دیہات

جناب فضل حق پشاوری کا بیان:

امرتسر کے حالات یوں تو اگست کے آغاز ہی سے زیادہ نازک صورت اختیار کرنے لگے لیکن ۸/اگست کے بعد تو حالات کی خرابی شدید سے شدید تر کیفیت اختیار کرنے لگی۔ ۸/اگست کو امرتسر پولیس کے سپرنٹنڈنٹ میاں محمود علی خان تبدیل ہو کر راولپنڈی چلے گئے' ان کی جگہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے سنبھالی جو سکھ واقع ہوا تھا۔

اس نے عہدہ سنبھالتے ہی پولیس کے مسلمان جوانوں کو حکم دیا کہ اپنی بندوقیں لائین میں جمع کرادیں اور دس دن کے لئے چھٹی پر چلے جائیں۔ جو ملازم اس حکم کی خلاف ورزی کرے گا اسے جیل میں قید کردیا جائے گا۔ مسلم پولیس کو اس طرح نکال دینے کے بعد اس نے سکھ پولیس کو حکم دیا کہ مسلمان کرفیو کے اوقات ختم ہونے پر بھی باہر نکلیں تو انہیں گولی سے اُڑادو۔ سکھ کرفیو کے اوقات میں بھی آزادی کے ساتھ چلنے پھرنے لگے۔

۸ر اگست کے بعد جو ملٹری شہر کا امن قائم رکھنے کیلئے متعین کی گئی وہ بھی سکھوں' ڈوگروں اور گورکھوں پر مشتمل تھی۔ عام مسلمانوں سے ہتھیار چھین لئے گئے تھے لیکن ان سب باتوں کے باوجود مسلمان سکھوں کا برابر مقابلہ کرتے رہے اور شہر بھر میں کئی مقامات پر دست بدست لڑائیوں کی نوبت آتی رہی۔ سکھ مسلمان کو جہاں کہیں پاتے تھے اُس پر حملہ کردیتے تھے اور مسلمان انہی کی کرپانیں چھین کر انہیں ہلاک کر رہے تھے۔ رات کے وقت جنگ انتہائی شدت اختیار کر جاتی تھی۔ ہر طرف سے بموں کے پھٹنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جنگ کے کسی محاذ پر شدید گولہ باری ہو رہی ہے۔

شہر امرتسر کے شمالی حصہ میں نسبتاً امن تھا کیونکہ فیض پورہ میں سو فیصدی مسلمان آباد تھے اور ان کے ڈر کے مارے سول لائنز اور لارنس روڈ کے ہندو اور سکھ دم نہیں مار سکتے تھے۔

دس اگست کو ورجن بھر سکھوں نے ''لوہارکا'' اور فیض پورہ کے درمیان چار نہتے مسلمانوں پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ اس کے جواب میں فیض پورہ کے مسلمانوں نے سات سکھوں کو مار گرایا۔ اسی روز تین ہزار سکھوں کے ایک مسلح لشکر نے موضع لوہارکا کا محاصرہ کرلیا۔ جب لوہارکا سے دودھ لانے والے مسلمانوں اور دوسرے مزدوروں میں سے کوئی شخص بھی فیض پورہ نہ پہنچا تو فیض پورہ کے مسلمانوں نے ایک گھڑ سوار مسلمان کو دریافت حال کیلئے بھیجا۔ اس نے دیکھا کہ سکھوں نے چاروں طرف سے

لوہارکا کی ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ سکھوں نے اس مسلمان سوار پر گولی چلائی لیکن نشانہ خطا گیا۔ اس نے واپس آ کر اطلاع دی۔ چار مسلمان سائیکلوں پر چڑھ کر سپرنٹنڈنٹ پولیس کے پاس گئے اور اسے لاہورکا کے حال کی خبر دی۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے کہا کہ اس وقت میرے پاس پولیس کی جمعیت نہیں ہے جسے اُس طرف بھیج سکوں۔ سائیکل سوار مسلمان چھاؤنی گئے اور بلوچ رجمنٹ کے افسر سے امداد کے طالب ہوئے۔ اس نے بارہ فوجی تین ٹرکوں پر سوار کر کے لوہارکا کی طرف بھیج دیئے۔ سکھ فوجی ٹرکوں کو دیکھ کر بھاگ گئے اور کچھ گنے کے کھیتوں میں چھپ گئے۔ ایک سکھ پکڑا گیا جس نے سر کے بالوں سے لے کر گھٹنوں تک لوہے کا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے پاس چار گز لمبا ایک برچھا' ایک تلوار اور ایک چھرا تھا۔ بلوچ رجمنٹ کے جوان شام تک وہیں رہے۔ رات کے گیارہ بجے وہ چھاؤنی کو واپس چلے گئے۔ ان کے جانے کی اطلاع پا کر سکھوں کا لشکر پھر اکٹھا ہو گیا' جس نے رات کے دو تین بجے لوہارکا پر حملہ بول دیا۔ سکھوں کے پاس ۳۰۳ نمبر کی بندوقیں بھی تھیں' جن سے وہ فیر کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر اندھا دھند گولیاں چلانے کے بعد سکھ گاؤں میں داخل ہو گئے اور مسلمانوں کو قتل کرنے لگے۔ جو مسلمان بھی انہیں ملا اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بوڑھے' جوان' بچے' مرد اور عورتیں سب ان کے ہاتھوں شہید ہونے لگے۔ اکثر عورتوں نے کنوؤں میں چھلانگیں مار کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا۔ بعض نے مٹی کا تیل کپڑوں پر چھڑک کر اپنے آپ کو آگ لگا لی اور جل کر مر گئیں' جوان مرد مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ چند مسلمان رات کے اندھیرے میں جان بچا کر نماز فجر کی اذان کے وقت فیض پورہ پہنچے اور حال بیان کیا۔ محلہ بھر میں کہرام مچ گیا۔ دو جوان ڈپٹی کمشنر کے بنگلہ پر گئے جو انگریز تھا اس نے کہا کہ میں اپنا بوریا بستر لپیٹ چکا ہوں۔ نیا ڈپٹی کمشنر تمہاری امداد کرے گا۔ یہ جواب لے کر چھاؤنی میں بلوچ

رجمنٹ کے آفیسر سے فریاد کی۔ اس نے ایک کرائے کی موٹر لاری پر ایک تھانیدار اور دو سپاہی ساتھ کر دیئے اور فیض پورہ کے تین مسلمان بھی جو بندوقوں سے مسلح تھے ساتھ ہو گئے۔ اس جمعیت نے لوہار کا جا کر بچے کھچے مسلمانوں کو نکالا۔ زخمیوں کو سنبھالا‘ کچھ سکھ سامنے آئے جنہیں اس پارٹی نے فیروں پر دھر لیا اور متعدد سکھ ہلاک کر دیئے۔ زخمیوں میں میں نے ایسے ایسے ضعیف العمر بوڑھوں کو دیکھا جن پر ہاتھ اُٹھاتے انسان کو شرم آنی چاہیئے۔ ایک پانچ برس کی بچی کو دیکھ کر تو بے اختیار آنسو نکل آئے۔ اس کے ماں باپ بہن بھائی سب کے سب شہید کر دیئے گئے تھے اور اس پر بھی برچھے سے حملہ کیا گیا تھا۔ برچھا پسلی میں گھس گیا تھا۔ اس بچی کے کپڑے خون میں لت پت تھے۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ بیٹا کچھ کھاؤ گی تو اس نے پانی مانگا۔ چمچے سے اسے گرم دودھ پلایا۔

شہر کے دوسرے حصوں میں بھی مسلمانوں پر اسی قسم کے بلکہ اس سے بھی شدید تر نوعیت کے حملے ہو رہے تھے‘ اس لئے ہمارے محلّے کے مسلمان گھروں سے نکل کر آغا خاں کی سرائے میں جمع ہونے لگے۔ ہم سب تین دن وہاں رہے۔ سرائے اور اس کے نزدیک کا کنواں قلعہ نما تھا۔ ہم وہاں شبانہ روز پہرہ دیتے تھے۔ ۱۴‘۱۵؍اگست کی درمیانی شب کو سکھوں نے سردار شوکت حیات خان کے خسر میاں مقبول حسین کی کوٹھی کو آگ لگا دی‘ جو ہم سے دو تین فرلانگ کے فاصلہ پر تھی۔ کوٹھی کے مکین لاہور جا چکے تھے۔ ۱۵؍اگست کو دس بارہ سکھ ننگی تلواریں لے کر ہم پر حملہ آور ہوئے اور ہمارے دو آدمیوں کو گھائل کر دیا۔ ہم سب برچھے اور بھالے لے کر اُن پر ٹوٹ پڑے۔ ان سب کو واصل بہ جہنم کر دیا اور لاشوں کو گنے کے کھیت میں ڈال دیا۔ تھوڑی دیر میں پولیس کے تین مسلمان جوان ہمارے پاس آئے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کے بچنے کی کوئی صورت نہیں کیونکہ سکھ

لوگ مسلمانوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر رہے ہیں۔ اس لئے آپ کو ریلوے اسٹیشن پر یا چھاؤنی پہنچا آتے ہیں۔ شام کو ہم بھی لاہور چلے جائیں گے۔ ہم اس روز پولیس کی معیت میں چھاؤنی پہنچے؛ جہاں مسلمانوں ہزاروں کی تعداد میں پہلے ہی سے جمع ہو رہے تھے۔

۱۴ راگست کی شام کو سکھوں نے فیض پورہ کے محلہ کو لوٹا اور پندرہ کی صبح کو آگ لگا دی۔ ہمارا خیال تھا کہ ۱۵ راگست کو امن قائم ہو جائے گا لیکن ہمارا خیال غلط ثابت ہوا۔ ہمیں اُسی روز شام کو لاہور کی طرف جانے والی لاریاں مل گئیں؛ جن پر سوار ہو کر ہم لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔ ہم نے دیکھا کہ خالصہ کالج میں بے شمار سکھ ڈوگرے اور گورکھے فوجی جمع ہیں؛ جن کی آنکھوں سے شرارت اور خباثت ٹپک رہی تھی۔ اگر ہمارے ساتھ بلوچ رجمنٹ کی گارد نہ ہوتی تو ہم میں سے ایک متنفس بھی امرتسر سے زندہ و سلامت نکل نہ سکتا۔ خالصہ کالج کے دونوں دروازوں میں بلوچ رجمنٹ کے دو دو ٹرک کھڑے تھے؛ جن کے پاس رائفلیں اور برین گنیں تھیں۔ ہمارا قافلہ اس طرح بخیریت وہاں سے گزر گیا۔

جب ہم لاہور پہنچے تو ہم نے کئی جگہ ہندوؤں کے مکانوں کو جلتے ہوئے دیکھا۔ رام گلی کے پاس ایک فوجی ٹرک کے سکھ سپاہیوں نے ہم پر فیر کئے؛ جو خالی گئے۔ ادھر سے بلوچ رجمنٹ کے جوان نے برین گن کی باڑھ ماردی۔ معلوم نہیں سکھ فوجیوں پر اس کا کیا اثر ہوا۔ ایک اور نقطہ پر ایک سکھ نے ہماری لاری پر فیر کیا؛ گولی انجن کو لگی۔ اس سکھ کو ہمارے محافظ دستہ کے کپتان نے پستول کا نشانہ بنا کر وہیں ٹھنڈا کر دیا۔ رات کے گیارہ بجے ہم والٹن کیمپ میں پہنچے۔ اس وقت بھوک اور پیاس کی شدت سے ہمارا حال بہت پتلا ہو رہا تھا۔ سحری کے وقت کھانا نہ ملنے کے باعث ہم روزہ بھی نہ رکھ سکے۔ روٹی ہمیں اگلے دن ایک بجے جا کر مل سکی جو ہم نے بصد شکر کھائی۔

جناب غلام حسین امرتسری کا بیان:

۱۱، ۱۲ اور ۱۳ راگست کو امرتسر میں نہتے اور بے بس مسلمانوں پر زندگی دوبھر ہو رہی تھی، ہر طرف بھاگڑ مچ چکی تھی۔ باپ کو بیٹے کا علم نہ تھا، بیٹا باپ کی خبر نہ لے سکتا تھا۔ بھائی بھائی جدا ہو گئے تھے۔ عورتیں اور بچے پریشاں حال بھاگ رہے تھے۔ اس حال میں ہمارے خاندان کے افراد ایک ایک دو دو کر کے لاہور پہنچ گئے۔ امرتسر سے لاہور تک پہنچنے کی تکلیف کا بیان کرنا بہت مشکل کام ہے۔ امرتسر کے ریلوے اسٹیشن پر امیر گھرانوں کی لڑکیاں اپنے چھوٹے بھائیوں کیلئے جھولی پھیلا پھیلا کر روٹی کا ٹکڑا مانگتی نظر آئیں۔ ریلوے کی سڑک پر لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ ان میں عورتوں اور بچوں کے لاشے بھی کثیر تعداد میں نظر آ رہے تھے۔ کسی کا بازو کٹا ہوا تھا تو کسی کا سر غائب تھا۔ بعض کی صورتیں زخموں کے مارے اس حد تک مسخ ہو چکی تھیں کہ پہچانی نہیں جا سکتی تھیں۔ ہم لاہور پہنچے تو میرے والد صاحب کا سراغ کہیں نہ مل سکا۔ "نوائے وقت" میں اشتہار دیا تو ہمارے محلّہ کے ایک مہربان نے حقیقت حال کی اطلاع دی۔ انہوں نے لکھا کہ جس وقت محلّہ کے تمام لوگ بھاگ چکے تھے اور میں بھاگا بھاگا آ رہا تھا تو میں نے تمہارے والد فضل الدین کو دیکھا کہ گولی لگنے کے باعث زخمی ہو کر گر پڑے ہیں۔ انہوں نے گرتے ہی پانی مانگا، میں قریب کی مسجد سے پانی لایا تو گولیاں زیادہ تیزی کے ساتھ چلنے لگیں۔ اس لئے میں انہیں پانی نہ پلا سکا۔ اتنے میں ایک سکھ نے ایک اور گولی مار کر انہیں شہید کر دیا۔ یہ حادثہ ۱۵ راگست کو وقوع پذیر ہوا جبکہ ماہ رمضان کی چھبیسویں تاریخ تھی۔

مجیٹھ ضلع امرتسر اور فتح گڈھ ضلع گورداسپور کا نواحی علاقہ:

جناب سید احمد صاحب لکھتے ہیں:

مجیٹھ ضلع امرتسر اور فتح گڑھ ضلع گورداسپور کے نواحی علاقہ میں جہاں میں مقیم تھا' سکھوں نے متعدد مراکز بنا کر جون اور جولائی کے مہینوں میں اکال سینا کی بھرتی شروع کر دی تھی۔ ان دنوں میں امرتسر کا شہر فسادات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ سرکردہ سکھ ذیلداروں اور جتھے داروں نے سکھوں میں آتشیں اسلحہ تقسیم کئے' اور سکھ لوگ تیز دھار والے اوزار دھڑا دھڑ بنانے لگے۔ نہنگوں کی بھرتی زور شور سے شروع ہو گئی۔ میں نے سکھوں کی ان خفیہ جنگی تیاریوں کے متعلق مسلم اخبارات' مسلم لیگ' ویسرائے' گورنر پنجاب اور قائداعظم کو اطلاعات بھیجیں۔ خفیہ پولیس کو صحیح صحیح حالات بتائے لیکن حکومت پنجاب نے نئے نہنگوں کو خلاف قانون قرار دینے کا اعلان کرنے کے سوا اور کوئی کارروائی نہ کی۔ میں نے ہر دور وال میں اصحاب ثروت مسلمانوں سے اپیل کی کہ روپیہ اکٹھا کر کے حفاظت کا سامان بہم پہنچایا جائے لیکن کوئی سرمایہ دار مسلمان اس کام کیلئے روپیہ دینے پر آمادہ نہ ہوا۔ یہ حال دیکھ کر مسلمان نوجوان اپنے طور پر نیزے' بھالے' تلواریں اور خنجر وغیرہ بنوانے لگے۔

جولائی کے اخیر میں وڈالہ افغاناں کے قریب علاقہ مجیٹھ کے ایک گاؤں میں ایک سکھ ایک پٹھان کے ہاتھ سے قتل ہوا' جس کی بناء پر پولیس نے وڈالہ کے تیرہ سرکردہ اشخاص جو سب کے سب پٹھان تھے' گرفتار کر لئے۔ اس کے بعد سکھوں نے رندھیر سنگھ عرف دھیرو کوٹلہ والا کی سرکردگی میں وڈالہ افغاناں پر حملہ کر دیا۔ وڈالہ کے دوسرے مسلمانوں سے کہا گیا کہ ہم تو صرف پٹھانوں کی خبر لینے کیلئے آئے ہیں' تمہارے ساتھ کوئی غرض نہیں۔ وڈالہ کے سرکردہ پٹھان تو گرفتار ہو چکے تھے' باقیماندہ نے سکھوں کا مقابلہ کیا' ۱۷ سکھ مارے گئے اور لڑائی میں چار پانچ پٹھان شہید ہوئے۔ سکھوں کی تعداد ہزار نفوس سے زیادہ تھی اور مقابلہ میں صرف گیارہ پٹھان لڑ رہے تھے۔ چار گھنٹہ جنگ

ہوتی رہی۔ آخر میں سکھ جمعیت غالب آ گئی اور انہوں نے گاؤں میں داخل ہو کر پٹھانوں کے ۱۲۹ افراد جن میں عورتیں، بچے اور بوڑھے بھی تھے، قتل کر دیئے اور ان کے گھر بار لوٹ لئے۔ صرف ایک گھر سے سکھوں کو نوے ہزار روپیہ کی کرنسی ہاتھ آئی۔ اس کے علاوہ وہ لاکھوں کا مال لوٹ کر لے گئے۔ دوسرے مسلمانوں کو سکھ تسلی دیتے رہے کہ یہ معاملہ ذاتی عداوت کا ہے، اس میں سکھ اور مسلم قوم کا کوئی سوال نہیں۔ مجیٹھ کی پولیس نے سکھ غنڈوں کے خلاف کوئی عملی قدم نہ اُٹھایا۔

اس واقعہ کے دو یا تین دن بعد سکھوں نے چک سکندر پر حملہ کر دیا۔ سکھوں کی جمعیت دو ہزار کے لگ بھگ تھی۔ مقابلہ کیلئے صرف چالیس پچاس مسلمان جوان نکلے جو آتشیں اسلحہ سے یکسر محروم تھے۔ اس لڑائی میں ۲۳ سکھ اور ۵۹ مسلمان مارے گئے کیونکہ لڑنے والے مغلوب ہو گئے تھے۔

بعد ازاں سکھوں نے نظام پورہ، بیتلی، اٹھوال اور حمزہ کے مواضعات پر حملہ کیے۔ مؤخر الذکر دو مقامات پر سکھ بُری طرح پٹے۔ ان دیہات میں برابر تین دن مقابلہ ہوتا رہا۔

۳ راگست کو مجیٹھہ اسٹیشن پر کسی سکھ نے مسلمان مسافروں کے ڈبے پر بم پھینکا، جس سے چار مسلمان شہید ہو گئے۔ اسی دن شام کو فتح گڈھ چوڑیاں میں ریل گاڑیاں سے اُترنے والے سکھوں پر مسلمانوں نے حملہ کر کے دو کو مار گرایا۔

۹ راگست کو دبلہ تیجہ ضلع گورداسپور میں سکھوں نے شبخون مار کر ایک مسلمان مرد، دو عورتوں اور پانچ بچوں کو شہید کر دیا۔ اس جگہ ایک سکھ بھی قتل ہوا، جس کی لاش کو سکھ اُٹھا کر رمداس لے گئے۔

۱۰ راگست کو رندھیر سنگھ نے موضع نواں پنڈ پر حملہ کر دیا۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ چون سکھ مارے گئے، چھ مسلمان شہید ہوئے۔ رندھیر سنگھ بھی زخمی ہوا۔ اُسی رات کو

سکھوں نے پھر مسلمان نمازیوں پر حملہ کر دیا جبکہ وہ تراویح پڑھ رہے تھے۔ ۱۷ مسلمان شہید کر دیئے گئے۔

۲۰ ر اگست کو سکھوں نے موضع بوہڑ والا کو تاراج کیا' اور پھر بدووال پر ہلہ بول دیا' جس میں رسالدار میجر چوہدری محمد خاں شہید ہوئے۔ تیرہ سو سکھوں کا یہ جتھا بدووال اور فتح وال کو تاراج کرنے کے بعد ہردوروال کی طرف بڑھا۔ ہردوروال کے مسلمانوں نے مقابلہ کیا۔ سترہ سکھ ہلاک کر ڈالے' جتھا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ یہ جتھا جاتے جاتے ایک مسلمان چرواہے اور تین مسلمان کسانوں کو قتل کر گیا جو راستے میں انہیں ملے۔

سکھ جتھے کی اس شکست کے بعد ہردوروال کے مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ چونکہ سکھوں کی جمعیتیں آمادۂ پیکار ہیں اور وہ پھر حملہ کریں گی اس لئے مجیٹھ' فتح گڈھ اور رمداس کے سارے علاقہ کی مسلم آبادیوں کو خالی کر دینا چاہیئے۔ ہمارے پاس حفاظت و مدافعت کا سامان بہت کم تھا' اس لئے آبادیاں خالی کر دی گئیں اور تمام دیہات کے مسلمان دریائے راوی کے کنارے ڈودے کے پتن پر جمع ہونے لگے۔

دیہات کو خالی کر دینے کا فیصلہ کرنے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ۱۸ ر اگست کو حد بندی کمیشن کا فیصلہ کا اعلان ہو چکا تھا اور عام مسلمان جو یہ اُمید لگائے بیٹھے تھے کہ ہمارا علاقہ پاکستان میں جائے گا' مایوس ہو کر بددل ہو گئے تھے۔ ڈودے کے پتن پر مسلمان پناہ گزینوں پر سکھوں کے حملہ کی تفصیل اگلے بیان میں درج ہے۔

رمداس ضلع امرتسر کی سرگذشت

مولوی مظہر الدین صاحب مظہر چشتی صابری رقمطراز ہیں:

قصبہ رمداس امرتسر سے ۲۷ میل جانب شمال تحصیل اجنالہ میں واقع ہے۔

ریلوے اسٹیشن ہونے کے باوجود رداس اور امرتسر کے درمیان لاریوں کی آمد و رفت کا ایک تانتا بندھا رہتا ہے۔ اس لئے امرتسر شہر میں جو ناگوار واقعہ یا قضیہ رونما ہوتا تھا اس کی اطلاع گھنٹہ دو گھنٹہ بعد رداس پہنچ جاتی تھی۔ جب امرتسر میں فرقہ وار فسادات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا تو دیہاتی آبادیاں بھی اس سے متاثر ہونے لگیں۔

رداس اور اس کے نواحی دیہات کے مسلمان بھی حفاظتی تدابیر پر غور کرنے پر مجبور ہو گئے اور برچھیاں بھالے وغیرہ بنانے لگے۔ یہ کیفیت ماہ جون کے آغاز ہی سے رُونما ہونے لگی تھی کیونکہ رداس کے گوردوارے میں گرد و نواح کے سکھ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو کر جلسے کرنے لگے تھے۔ اور ہر روز شام کے وقت مسلمانوں کو مرعوب کرنے کیلئے "ست سری اکال" کے نعرے لگایا کرتے تھے۔ جمعہ کے روز رداس میں مسلمانوں کا بھی کافی اجتماع ہو جاتا تھا کیونکہ گرد و نواح کے دیہات سے اکثر مسلمان نماز جمعہ پڑھنے کیلئے وہاں آیا کرتے تھے۔ مسلمانوں کے خطیب اور مقرر بھی خطرات کے پیش نظر مسلمانوں کو حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کی تلقین کرتے رہتے تھے' اور مسلمان بھی "اللہ اکبر" کے نعرے لگاتے تھے۔ اس طرح کشیدگی ترقی کرتی گئی۔ غالباً آغاز جولائی کا ذکر ہے کہ ایک شب نماز عشاء کے بعد رداس کی فضائیں خطرے کے الارم یعنی نوبتوں اور نقاروں کی گونج سے معمور ہو گئیں اور آدھ گھنٹہ میں رداس کے ارد گرد کوئی پانچ ہزار مسلمان جمع ہو گئے۔ رداس کے ذی اثر مسلمانوں نے انہیں پیش دستی کرنے سے منع کیا اور وہ سب واپس لوٹ گئے۔ ان کے جانے کے بعد اطلاع ملی کہ سکھ کوئی ڈیڑھ گھنٹہ تک حملہ کریں گے۔ مسلمان پہرہ دار اپنے اپنے محلوں کے آگے اور کچھ شہر سے باہر متعین تھے۔ انہیں ہوشیار رہنے کیلئے پیغام بھیج دیا گیا۔ ایک بجے شب کے قریب سکھوں نے گوردوارہ میں نوبت بجائی اور نعرے مارنے لگے۔ مسلمان اکٹھے ہو گئے اور نعرے بلند

کرنے لگے۔ اسی رات کو تصادم ہو گیا ہوتا لیکن تھانیدار نے جو مسلمان تھا، مسلمانوں کے اجتماع کو منتشر ہونے کیلئے کہا۔

اس واقعہ کے چند روز بعد رمداس کے سکھ اکابر نے قصبہ کے مسلمان شرفا کو دعوت بھیجی کہ صلح و امن کی بات چیت کرنے کیلئے گوردوارے میں آئیں۔ یہ دعوت قبول کر لی گئی۔ صلح کے جلسہ میں سکھوں کی طرف سے سنت سنگھ سادھ اور نریندر سنگھ ساکن شام پورہ نے اور مسلمانوں کی طرف سے میں نے اور سید کفیل شاہ صاحب نے تقریریں کیں۔ تقریروں کا ماحصل یہ تھا کہ رمداس وہ مقام ہے، جہاں بابا بڈھا، سید شاہ حبیب دانا اور دیگر سکھ اور مسلمان بزرگوں نے پریم اور گیان دھیان کے نغمے الاپے ہیں۔ اس لئے یہاں کے سکھوں اور مسلمانوں کو عہد کر لینا چاہیئے کہ وہ اپنے قصبہ کو فتنہ و فساد سے محفوظ رکھیں گے۔ اس جلسہ میں ایک مشترکہ امن کمیٹی بنائی گئی، جس میں سکھ لیڈر حلف اُٹھا اُٹھا کر اپنی امن پسندی کا اعلان کیا کرتے تھے۔ لیکن اسی اثناء میں اُتم سنگھ رئیس رمداس نے ایک نئی کار خریدی وہ اور سنت سنگھ سادھ اور نریندر سنگھ شامپورہ والا تینوں اس کار میں بیٹھ کر راتوں کو دیہات کا چکر لگانے لگے اور سکھوں میں خفیہ طور پر آتشیں اسلحہ تقسیم کرنے لگے۔ امن کمیٹی کے ایک جلسہ میں اللہ دتا نامی ایک مسلمان نے سکھ لیڈروں کے اس طرزِ عمل پر سخت نکتہ چینی کی اور ناقابل تردید حقائق بیان کر کے ان کی سرگرمیوں کا پول کھول کر رکھ دیا۔ سکھ لیڈر کوئی جواب نہ دے سکے، اس لئے امن کمیٹی ٹوٹ گئی۔

جولائی کے آخری عشرہ میں بھائی ساکھا کی سمادھ کا سادھ بم بنا رہا تھا کہ کچھ بم پھٹ گئے اور وہ سادھ ایک گائے کو ساتھ لے کر فی النار والسقر ہو گیا۔ اس واقعہ کے بعد رمداس میں مسلمان سپاہیوں کی ایک گارد حفظ امن کیلئے متعین ہو گئی اور نماز تراویح کے بعد سے لے کر صبح کے پانچ بجے تک کرفیو آرڈر لگ گیا۔ انہی دنوں میں سکھوں نے

تحصیل اجنالہ کے دوسرے علاقوں میں مسلمانوں کے دیہات پر منظم حملے کرنے کی مہم شروع کر دی تھی۔ سکھوں کے جتھے مسلمانوں کے کئی گاؤں جلا کر تواں پنڈ پر حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور بہت سے سکھوں کو جہنم میں واصل کر دیا۔ انچارج تھانہ داران لاشوں کو لاری میں بھر کر رمداس لے آیا جہاں وہ کئی دن پڑی سڑتی رہیں اور بالآخر امرتسر بھیج دی گئیں۔ یہ کیفیات ماہ اگست کے آغاز میں رُونما ہوئیں۔

۱۵؍اگست کو مجھے سید فضل حق شاہ صدر ڈسٹرکٹ مسلم لیگ امرتسر نے ایک ضروری کام کیلئے امرتسر بلوا بھیجا' میں ٹرین پر سوار ہو کر امرتسر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان دنوں ریل گاڑی فتح گڈھ چوڑیاں اور کوٹلہ گجراں کے اسٹیشنوں پر نہیں ٹھہرتی تھی کیونکہ رندھیر سنگھ بدمعاش ایک بھاری جتھا لے کر قرب و جوار کے دیہات کو نذرِ آتش کر رہا تھا۔ اس وقت رندھیر سنگھ کا جتھا فتح گڈھ کے قریب ہی تاخت و تاراج میں مصروف تھا۔ اکثر دیہات سے آگ کے شعلے بلند ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ حدِ نگاہ تک آسمان سرخ نظر آ رہا تھا۔ راستے میں جن جن مقامات پر معرکہ آرائیاں ہو چکی تھیں' اُن کی زمین خون سے رنگین نظر آ رہی تھی۔ گاڑی امرتسر پہنچی تو وہاں قیامت برپا تھی۔ ہم بڑی مشکل سے مسلم لیگ کے دفتر تک پہنچے۔ سید فضل حق شاہ صاحب اور کرنل دارا بڑی شجاعت اور جانفشانی کے ساتھ امرتسر کی نواحی بستیوں سے محصور و منکوب مسلمانوں کو نکال نکال کر شریف پورہ کے کیمپ میں لا رہے تھے۔ شریف پورہ میں مسلمان پناہ گزینوں کا ایک بے پناہ ہجوم اکٹھا ہو رہا تھا۔ محصور مسلمان کے لواحقین چیخ پکار کر رہے تھے۔ شاہ صاحب قبلہ محصورین کو نکالنے کیلئے ٹرک بھجوا رہے تھے۔ اس وقت تحصیل ترنتارن کی حالت بہت نازک ہو چکی تھی۔ اس لئے ان حضرات کی توجہ زیادہ تر اس تحصیل کے مسلمانوں کو بچانے پر مبذول ہو رہی تھی۔ میں نے قبلہ شاہ صاحب سے بات چیت کی اور انہوں نے ہمیں

واپس رمداس پہنچنے کیلئے ایک ٹرک دے دیا۔ ہم ابھی ٹرک پر سوار نہ ہوئے تھے کہ چند بزرگ صورت مسلمان روتے چلاتے ہوئے دفتر مسلم لیگ میں پہنچے اور فریاد کرنے لگے کہ ہمارے محلے میں سکھ جتھے ملٹری کو ساتھ لے کر گھس آئے ہیں اور مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو اندھا دھند قتل کر رہے ہیں۔ قبلہ شاہ صاحب اور کرنل دارا کار میں بیٹھ کر اس محلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ شاہ صاحب نے چلتے وقت آبدیدہ ہو کر مجھے گلے سے لگایا اور کہا "بیٹا میری شہادت کے بعد لفظ شہید میری لوح قبر پر لکھوا دینا"۔

میں ٹرک پر سوار ہوا تو ہمارے علاقہ کے تین فوجی جوان بھی اُس میں آ بیٹھے۔

ٹرک ہمیں لے کر رمداس کی طرف چلا ابھی ہم اجنالہ پہنچے تھے کہ پیچھے سے ایک لاری اور جیپ کار تیز رفتاری سے ہمارا تعاقب کرتی ہوئی آن پہنچی۔ جیپ کار نے آگے بڑھ کر ہمارے ٹرک کی راہ روک لی۔ لاری سے سکھ فوجی اُترے اور جیپ سے ایک انگریز افسر نے چلا کر کہا کہ انہیں گھیرے میں لے لو۔ ہمارا ٹرک رُک گیا تھا اور ہمارا ایک ساتھی ٹرک سے اُتر کر رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔ سکھوں نے شور مچا دیا کہ ڈاکو بھاگ رہے ہیں۔ انگریز افسر نے اپنی جیپ سے سرچ لائٹ پھینکی لیکن بھاگنے والا شخص کہیں دکھائی نہ دیا۔ اب اُس نے ہمیں حکم دیا کہ سب لوگ ٹرک سے اُتر آؤ۔ انگریز نے برین گن کی نالی میرے سینے کی طرف کر کے حکم دیا کہ ہاتھ اُٹھا دو۔ میں نے کلمہ طیبہ پڑھا اور ہاتھ اُٹھا لئے۔ اتنے میں تھانہ اجنالہ کا مسلمان تھانیدار بھی آ پہنچا۔ انگریز افسر کے حکم سے اُس نے ہم سب کی تلاشی لی، ٹرک کی دیکھ بھال بھی کی۔ جب اسے کوئی قابل اعتراض چیز نظر نہ آئی تو اس نے ہمیں لاری پر سوار ہونے کیلئے کہا اور لاری کو اپنی حراست میں لے کر امن گڈھ لے آیا، جہاں مسلمان فوجیوں کی ایک چوکی مقیم تھی۔ انگریز نے ہمیں ان کے حوالے کر دیا۔ وہاں ہم رات بھر رہے۔ دوسرے دن ہمیں رمداس جانے کی

اجازت مل گئی اور ہم اپنے اپنے گھر پہنچ گئے۔

۱۶/اگست کو ردداس کے تھانہ میں مسلمان سب انسپکٹر کی جگہ ایک ہندو سب انسپکٹر متعین ہو گیا اور مسلمان ملٹری گارد کی جگہ ڈوگرہ ملٹری گارد آ گئی۔ اُسی دن ردداس کے قریب بدووال میں سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان معرکہ کا رن پڑا۔ ردداس کے مسلمان اس معرکہ میں شامل ہونے سے قاصر رہ گئے۔

۱۸/اگست کو حد بندی کمیشن کے فیصلہ کا اعلان ہو گیا اور سکھ موٹر سائیکلوں پر سوار ہو کر قصبہ بھر میں فاتحانہ طور پر گشت لگانے لگے۔ ردداس کے مسلمان اس علان سے بددل ہو کر ہجرت کرنے لگے۔ پاکستان کی حد ردداس سے صرف چار میل کے فاصلہ پر تھی لیکن بیچ میں دریائے راوی حائل تھا۔ سردار اُتم سنگھ رئیس ردداس ۱۷/اگست کی شام کو میرے پاس آیا اور مجھے اور چند سرکردہ مسلمانوں کو ہمراہ لے کر شہر کا چکر کاٹنے لگا۔ وہ مسلمانوں کو تسلی دے رہا تھا کہ گھبراؤ نہیں، تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔ اگلے دن عید تھی، ردداس کے مسلمانوں نے عید کی نماز بھی پریشانی اور سراسیمگی کے عالم میں ادا کی۔ عید کے تیسرے دن تک ردداس کے سکھ لیڈر ہمیں تسلیاں دیتے رہے۔ اُدھر رندھیر سنگھ کا جتھا مسلمانوں کے دیہات کو برابر تاراج کرتا چلا آ رہا تھا۔ اس جتھے نے عید کے تیسرے دن شام کے وقت رووال کو آگ لگا دی۔ ہردووال کے مسلمان ایک دن قبل ہجرت کر چکے تھے۔ ردداس کے قریب دیگر دیہات مثلاً اوان، مکان شریف اور جھنگی شریف کے مسلمان بھی اُٹھ چکے تھے۔ یہ حال دیکھ کر ردداس کے مسلمان بھی ہجرت کرنے لگے اور دریائے راوی کے کنارے جمع ہونے لگے۔

میں بھی اپنے خاندان کے افراد کو ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں گھر سے نکلا۔ جٹا گاؤں کے چند نوجوانوں نے کہا کہ وہ ہمیں اپنے گاؤں میں لے جانے کیلئے

آئے ہیں۔ ہم اُن کے ساتھ ہو لئے اور وہاں جا پہنچے۔ رات ہم نے جٹا گاؤں کے ایک بیرونی مکان میں بسر کی جو سکھوں کے ایک گاؤں کے عین بالمقابل تھا۔ ساری رات پہرہ دیتے ہوئے آنکھوں میں کاٹی، صبح یہ فیصلہ ہوا کہ ہم دریا پر جانے کے بجائے واپس رداس کی طرف جائیں اور اپنے کنوئیں پر جو قصبہ سے باہر کسی قدر فاصلے پر ہے ٹھہریں۔ وہاں ہماری برادری کے اور گھرانے بھی اپنے اپنے کنوؤں پر بیٹھے تھے، چنانچہ ہم اپنے کنوئیں پر چلے گئے۔

کنوئیں پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ رات کے وقت ہندوؤں نے قاضی غلام مصطفےٰ کے گھر میں بم پھینکا اور شور مچا دیا کہ مسلمانوں نے بم پھینکا ہے۔ پولیس آئی اور اُس نے تحقیقات کے بعد گولیاں چلا دیں۔ یہ حال دیکھ کر رداس کے رہے سہے مسلمان بہت گھبرائے اور بھاگ نکلے۔ میں اپنے محلّہ کے چند مسلمانوں کو ساتھ لے کر اپنے گھر گیا۔ ہم لوگ گھر کے دروازہ پر کھڑے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ شہر کی گلیاں سائیں سائیں کر رہی ہیں اور ملٹری کے سپاہی گشت لگا رہے ہیں۔ ایک گارد ہماری گلی کے سامنے سے بھی گزری۔ ایک سپاہی نے ڈانٹ کر کہا کہ تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟ مولانا علم الدین چشتی نے جواب دیا کہ ہم اپنے گھروں کے سامنے یونہی کھڑے ہیں۔ گارد آگے نکل گئی تو ہم بھی کنوئیں کی طرف لوٹ آئے۔ وہاں سے ہم تنگل پہنچے جہاں سے دریا تین میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دریا کے کنارے کوئی بیس ہزار پناہ جو جمع ہو رہے ہیں اور دریا کو عبور کرنے کا کوئی انتظام نہیں۔ اب فیصلہ ہوا کہ مسلمان پناہ گیروں کی جو جمعیتیں اِدھر اُدھر بکھری ہوئی ہیں ان سب کو تنگل میں جمع کر لیا جائے۔ یہ خدمت میرے سپرد کی گئی، میں نے گھوڑے پر سوار ہو کر تمام قافلوں سے تنگل آنے کیلئے کہا، جن کے پاس معمولی سامان تھا وہ تو آ گئے لیکن بیل گاڑیوں والے نہ آ سکے کیونکہ کثرت باران

کے باعث راستے خراب ہو رہے ہیں۔

اگلے دن یعنی ۲۳؍اگست کو ہم تنگل سے چل کر چھنیاں پہنچے جو دریا سے ایک میل کے فاصلے پر واقع تھا اور وہیں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا۔ ہر طرف سے مسلمانوں کے قافلے چلے آ رہے تھے ہمیں ہر قافلہ پر یہ گمان ہوتا تھا کہ سکھوں کا جتھا بڑھا چلا آ رہا ہے۔ ایک قافلہ کے متعلق جس کی تعداد دو ہزار سے اُوپر تھی ہمیں یقین ہو چلا تھا کہ یہ سکھوں کا جتھا ہے اور ہم اس پر فیر کرنے کیلئے تیار ہو رہے تھے کہ عین وقت پر معلوم ہو گیا کہ وہ بچارے بھی ہماری طرح جائے پناہ ڈھونڈنے والے ہیں۔ ہماری برادری کے ایک بزرگ علیل ہونے کے باعث کنوئیں پر ہی رہ گئے تھے۔ انہیں لانے کیلئے ہمیں ایک اور دن چھنیاں ہی میں بسر کرنا پڑا۔ مسلمانوں کے قافلے جوق در جوق اس راہ سے گزر رہے تھے اور دریا کے کنارے جمع ہوتے جاتے تھے۔ ذی ثروت لوگ ملاحوں کو ہزاروں روپیہ اُجرت دے دے کر دریا کے پار اُتر رہے تھے۔ یہ کیفیت تین چار دن سے جاری تھی۔ اگلے روز ہم بھی دریا کے کنارے جا پہنچے۔

وہ بیمار بزرگ جنہیں ہم کنوئیں سے اُٹھا کر لائے تھے فوت ہو گئے۔ نماز عصر کے قریب ہم ان کی تجہیز و تکفین سے ابھی فارغ ہوئے تھے کہ سکھوں کا ایک جتھا مسلمانوں کے اس قافلہ کی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ سکھوں کی تعداد کوئی ایک ہزار کے لگ بھگ ہو گی۔ مسلمانوں کی جمعیت پانچ ہزار سے اُوپر تھی۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر جتھے کا مقابلہ کیا۔ جتھا ایک ہی جھڑپ میں بھاگ نکلا۔ دو مسلمان نوجوانوں نے کمال شجاعت کا ثبوت دیتے ہوئے سوئیاں کے تھانیدار کو جو جتھے کے ساتھ تھا، برچھوں پر جا لیا اور اسے واصل بہ جہنم کر کے اس کی بندوق اس کے پستول اور تین سو کارتوسوں پر قبضہ جما لیا۔ مسلمان جتھے کا تعاقب کرتے ہوئے ان کے گاؤں قصبہ تھوبہ تک جا پہنچے اور

سینکڑوں مسلمان قصبہ کے اندر چلے گئے لیکن انہیں واپس ہٹالیا گیا۔ ہم نے سکھوں پر مغربی سمت سے فیر کئے اور ان کے چودہ آدمی گرا دیئے۔ رات کی تاریکی پھیل رہی تھی، اس لئے مسلمان واپس لوٹے اور پانچ میل کا سفر طے کر کے دریا کے کنارے پہنچ گئے، جہاں ہزاروں مسلمان مردوزن ہماری کامیاب کیلئے دست بدعا تھے۔

ڈودکے پتن کا محشرستان:

مولوی مظہر الدین صاحب مظہر رمداسی صابری اپنی داستان کو جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

سکھوں کے جتھے کی شکست کے اگلے دن بارش ہوتی رہی۔ دوسرے دن رات کو بارش ذرا تھمی ہی تھی کہ سکھوں کا ایک جم غفیر مسلمان پناہ گیروں کے اس قافلہ کی طرف آتا دکھائی دیا، جو دریا کے کنارے ایک میل کے طول میں پھیلا ہوا تھا۔ مسلمانوں نے گھوڑوں پر سوار ہو کر سارے قافلے کو خبردار کیا اور بہادر اور ہمت ور اشخاص مقابلے کیلئے نکلے اور جوانمردی کے ساتھ مزاحمت کرنے لگے۔ سکھوں کی تعداد سات آٹھ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ ملٹری کے دستے بھی ان کے ساتھ تھے۔ انہوں نے قافلے کے قریب پہنچ کر بارش کی طرح گولیوں کی بوچھاڑ شروع کر دی، مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ سکھوں نے آگے بڑھ کر قافلے کو گھیرے میں لے لیا اور مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ چیخ و پکار، فریاد و فغاں کا ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ عورتیں، مرد اور بچے سراسیمہ ہو کر دریا کی طرف بھاگے اور دریا میں چھلانگیں لگا لگا کر اپنے آپ کو موجوں کے حوالے کرنے لگے۔ سکھ دریا کے کنارے پر گولیوں، برچھیوں، نیزوں، کرپانوں اور کلہاڑیوں سے مسلمان مردوں عورتوں اور بچوں کو قتل کر رہے تھے۔ اِدھر دریا کی موجیں پناہ ڈھونڈنے والوں کو غرقِ آب

کر کے موت کے آغوش میں لے رہی تھیں۔ عصر سے لے کر مغرب تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ سینکڑوں مسلمان سکھوں کے ہاتھوں سے مارے گئے۔ سینکڑوں نذر آب ہو گئے۔ سراسیمگی کا یہ عالم تھا کہ ماں کو بچے کی، بھائی کو بہن کی، شوہر کو بیوی کی اور بیٹے کو باپ کی خبر نہ تھی۔ مغرب کے قریب سکھوں کا جتھا مال مویشی اور بیل گاڑیوں پر لدا ہوا سامان لے کر لوٹ گیا۔ اب ہر شخص اپنے عزیزوں اور قریبیوں کی تلاش میں سرگرداں پھرنے لگا۔ مجھے اپنی بیوی اور بچے دریا کی موجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے نظر آئے۔ بچے ماں کے ساتھ لپٹے ہوئے تھے۔ بڑھ کر ان کے پاس پہنچا اور موجوں کا مقابلہ کرنے کیلئے ان کی ہمت بڑھاتا ہوا انہیں بمشکل کنارہ کے قریب لایا۔ میرے ہاتھ پاؤں شل ہو گئے۔ طاقت نے جواب دیا، میں تن بہ تقدیر ہو کر انہیں خدا حافظ کہہ رہا تھا کہ دو آدمی قریب سے گزرے۔ میں نے ان کی منت کی انہوں نے ہمیں کنارے تک پہنچایا۔ بیوی اور بچوں کو کنارہ پر بٹھا کر میں والدہ کی تلاش میں نکلا، ان کی گود میں میرا چار سالہ بچہ اویس تھا۔ مجھے قوی اندیشہ تھا کہ میری والدہ اور اویس دونوں دریا کی موجوں کی نذر ہو چکے ہیں لیکن خدائے کریم نے اپنی قدرت کاملہ سے دونوں کو بچا لیا اور وہ مجھے مل گئے۔ میرا بڑا ہمشیر زادہ صادق بی اے اور میری ایک عم زاد بہن کے تین جوان بیٹے اور ایک بیٹی شیر خوار بچہ سمیت دریا کی نذر ہو گئے۔ میرا ایک بیٹا رضا محمود نوری غوطے کھانے کی وجہ سے جانبر نہ ہو سکا۔ ہماری طرح اور بہت سے خاندانوں کو اسی قسم کے صدمات اُٹھانے پڑے۔

رات کی تاریکی ہزار قسم کی ہولناکیاں لے کر دارد ہوئی۔ کنارے پر جہاں لوگ بیٹھے تھے ہر طرف لاشیں پھیلی ہوئی تھیں۔ موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ تاریکی کا یہ عالم تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ ہزاروں کتے چیخ رہے تھے۔ بجلی کے بار بار کڑکنے سے فضاء اور بھی ہولناک ہو رہی تھی۔ بجلی کی چمک بھیانک کیفیتوں پر رہ رہ کر

روشنی ڈالتی تھی اور دہشت زدہ انسانوں کو اور بھی ڈرا رہی تھی۔ اس روشنی میں دور کہیں مویشی کھڑے نظر آتے تھے تو عورتیں چلانے لگتیں، لو وہ جتھا آ گیا۔ دہشت اور ہراس کا یہ عالم تھا کہ کئی عورتوں کے حمل ساقط ہو گئے۔ متعدد ہوش و حواس کھو بیٹھیں اور پاگل ہو گئیں۔ اوپر سے مینہ برس رہا تھا۔ نیچے دریا کا بہتا ہوا پانی گزر رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، خون منجمد ہو کر رہ گئے۔ اب دریا کا سیلاب برق رفتاری کے ساتھ پھیلنے لگا۔ لوگ اُٹھے اور چھنیاں کے گاؤں کی طرف چل کھڑے ہوئے جو دریا سے ایک میل کے فاصلے پر تھا۔ چھنیاں سے سکھوں کا ایک گاؤں دھوبہ چار میل کی مسافت پر تھا، وہاں سکھوں کے حملے کا خطرہ بھی لاحق تھا۔

اگلے روز ۲۷ اگست کو ڈیڑھ ہزار کے قریب مسلمان چھنیاں کی بستی میں موت کا انتظار کر رہے تھے۔ ہزاروں دریا کے کنارے سیلاب ہی میں بیٹھے موسلا دھار بارش کی سختیاں جھیل رہے تھے۔ سیلاب کی وجہ سے چھنیاں کی بستی اور سکھوں کے دیہات کے مابین ایک نالہ حائل ہو گیا۔ اس لئے حملے کا خطرہ تو جاتا رہا لیکن دریا اور نالہ دونوں چڑھاؤ پر تھے۔ طغیانی دم بدم زور پکڑ رہی تھی اور جزیرہ کی وسعت کا دامن تنگ تر ہوتا چلا جا رہا تھا۔ سب کو موت کا خطرہ سامنے کھڑا نظر آنے لگا۔ کوئی کلمہ طیبہ پڑھ رہا تھا، کوئی آیت کریمہ کا ورد کر رہا تھا۔ بعض لوگ لیڈروں کی شان میں بے نقط قصیدے سنا رہے تھے۔ بعض شوئ اعمال اور ناسازئ بخت کے شکوے کر رہے تھے۔ بعض خدا کی ہستی سے انکار کرتے سنائی دے رہے تھے۔ چند یوم اسی عالم میں گزر گئے۔ بارش تھم جانے کے باعث دریا اور نالہ کا پانی اُترنے لگا۔ کشتیاں ناپید ہو چکی تھیں۔ بیل گاڑیاں لانے والوں نے گاڑیاں توڑ کر ان کے تختوں کو رسوں سے باندھا اور اپنے خاندانوں کو ان تختوں پر سوار کر کے پار جانا شروع کر دیا۔ کئی خاندان اس طرح دریا کو عبور کر گئے اور

کئی بمشکل واپس آنے میں کامیاب ہو سکے کیونکہ ان کے افراد تیرنا نہیں جانتے تھے۔ نالہ پایاب ہو رہا تھا اس لئے سکھوں کے حملہ کا خطرہ روز بروز بڑھ رہا تھا۔

چند روز کے بعد ملاح بھی دو کشتیاں لے کر نمودار ہوئے اور سینکڑوں روپے لے کر لوگوں کو پار پہنچانے لگے۔ حشر کے اس عالم میں بھی لوگوں کو دولت سمیٹنے کی فکر لاحق تھی۔ بعض لوگ دلال بن کر روپیہ کماتے تھے۔ لوگوں سے پیشگی وصول کر کے آنکھ تک نہ ملاتے تھے بلکہ استفسار پر مغلظات سناتے تھے۔ ملاح ایک کشتی میں مسافروں کو لادتے تھے۔ منجدھار میں ان کے سامان کو دریا میں پھینک دیتے تھے۔ دوسرے ملاح اس سامان کو لپیٹ کر دوسری کشتی میں لاد لیتے تھے۔ ان طریقوں سے اور اس حال میں لوگ دریا کو عبور کرتے رہے۔ ہم نے ملاحوں کو چھ سو روپیہ دے کر دسویں روز ۲۱ راگست کو دریا عبور کیا اور پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھا۔ جہاں کس مپرسی اور حکام کی سنگ دلی کے مصائب ہمارا انتظار کر رہے تھے۔

تھی خدا پر اک نظر اور ناخدا پر اک نظر
وہ بھی کیا عالم تھا جب کشتی سرِ ساحل نہ تھی

سکھوں کی عہد شکنی اور سفاکی:

مولوی مظہر صاحب اپنے بیان میں رقمطراز ہیں:

شام پورہ کے سکھوں نے وہاں کے مسلمانوں سے گرنتھ صاحب اور قرآن مجید پر حلف اُٹھا کر عہد کر رکھا تھا کہ وہ حملہ آوروں کے مقابلے میں ایک دوسرے کی مدد اور حفاظت کریں گے۔ جب شام پورہ اور رمداس کے گردونواح کے دیہات سکھوں کے حملوں کی تاب نہ لا کر خالی ہونے لگے تو شام پورہ کے مسلمان بھی گاؤں کو خالی کرنے

پر آمادہ ہو گئے۔ شام پورہ کے سکھوں نے ان سے کہا کہ آپ معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ یہ کہہ کر انہیں روک لیا۔ رمداس سے نکلنے سے ایک دن قبل میں نے شام پورہ کے چوہدری غلام محمد سے پوچھا کہ کیا سکھ آپ لوگوں کو زبردستی روک رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے اور سکھ اس پر کاربند ہیں۔ مسلمان جب نماز پڑھتے ہیں تو سکھ ننگی کرپانیں لے کر پہرہ دیتے ہیں۔ میں نے چوہدری صاحب کو بہت سمجھایا لیکن وہ اپنے فیصلہ پر قائم رہے۔

جس روز دریا کے کنارے مسلمانوں نے قافلے پر سکھوں کا حملہ ہوا اور ہم سب سیلاب کی وجہ سے دریا کا کنارہ چھوڑ کر چھنیاں کے گاؤں میں پہنچے تو شام پورہ کے چوہدری غلام محمد اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ سراسیمگی کے عالم میں بھاگ کر وہاں پہنچے اور میرے گلے لگ کر زور و قطار رونے لگے۔ انہوں نے بتایا کہ شام پورہ کے سکھوں نے عہد شکنی کی اور حملہ آور جتھے کے مقابلے میں ہماری حفاظت کرنے سے قاصر رہ گئے۔ بلکہ حملہ آوروں کے ساتھ مل کر انہوں نے شام پورہ کے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ عورتوں تک کو برہنہ کر کے تلاشی لی' پھر انہیں موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ ایک سکھ نے چوہدری صاحب پر تلوار کا وار کیا۔ چودھری کی بیٹی اپنے باپ سے لپٹ گئی اور تلوار کا زخم کھا کر شہید ہو گئی۔ چودھری صاحب بھاگ نکلے۔ سکھوں نے تین میل تک ان کا تعاقب کیا لیکن وہ بچ کر نکل آنے میں کامیاب ہو گئے۔ سکھوں نے شام پورہ کے مسلمانوں کی جوان لڑکیاں اپنے قبضہ میں کر لیں اور باقی ماندہ اشخاص کو قتل کر دیا۔ چودھری صاحب کے خاندان کے سارے افراد شہید کر دیئے گئے۔ وہ تنہا بھاگ کر جان بچانے میں کامیاب ہو سکے۔

رمداس کے قریب سکھوں کے ایک گاؤں شام پور پوربیاں میں بھی اسی قسم کا حادثہ رونما ہوا۔ وہاں کے مسلمان جلاہوں کو سکھ آخر وقت تک تسلیاں دیتے رہے لیکن

آخر کار انہیں بھی تہ تیغ کر دیا گیا۔ رمداس کے ایک قاضی صاحب بھی سکھوں پر اعتماد کر کے اپنے اہل و عیال سمیت وہیں رہ گئے تھے۔ مسلمانوں کے نکل جانے کے بعد سکھوں نے ان کا گھر بھی لوٹا۔ سردار اوتم سنگھ انہیں اہل و عیال سمیت اپنے گھر لے گیا اور دو ہزار روپیہ لے کر ان کیلئے ایک لاری کا بندوبست کر دیا جب قاضی صاحب کی لاری ڈیرہ بابا نانک پہنچی تو سکھوں نے ان کے خاندان کی بڑی بے عزتی کی۔ دو نوجوان لڑکیاں چھین لیں۔ باقی خاندان بڑی مشکل سے ڈیرہ کا پُل عبور کر کے پاکستان کی حدود میں داخل ہو سکا۔

چند عبرت انگیز مناظر:

مولوی مظہر الدین صاحب رمداسی لکھتے ہیں:

اس سفر ہجرت کی حشر سامانیاں میں میں نے چند ہوش رُبا واقعات ایسے بھی دیکھے جن کا اثر میرے دل و دماغ پر سے عمر بھر زائل نہ ہوگا۔

حملہ کے روز جب کنار دریا پر جمع ہونے والے مسلمان نفسا نفسی کے عالم میں اپنے آپ کو دریا کی موجوں کے حوالے کر رہے تھے۔ میں نے اپنے محلہ کی ایک اسی سالہ بڑھیا زینب کو دیکھا کہ موجوں کی لپیٹ میں آ کر ڈوب رہی ہے۔ بڑھیا نے مجھے دیکھ کر آواز دی' بیٹا مجھے پکڑو۔ میں نے بکوشش اسے پکڑا لیکن زیادہ وقت تک ضعیفہ کو نہ لے کر تیر نہ سکا۔ میں نے ایک بیل کی دُم اُسے پکڑا دی لیکن ایک جوان مسلمان نے جو اس بیل پر سوار تھا' لات مار کر ضعیفہ کے ہاتھ سے دُم چھڑا دی اور وہ مائی میرے دیکھتے دیکھتے پانی میں ڈوب گئی۔

جب ہم پہلی بار چھینیاں کے گاؤں میں جا کر مقیم ہوئے تھے تو تلونڈی ارائیاں کا ایک بھاری قافلہ وہاں پہنچا۔ ان میں سے ایک نوجوان روتا ہوا فریاد کر رہا تھا کہ میں

اپنی ضعیف اور لنگڑی ماں کو اُٹھا کر چند میل لایا تھا لیکن تھک ہار کر اسے ردراس کے قریب ریلوے لائن پر چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ میں اس سے یہ کہہ آیا ہوں کہ بچوں کو دریا پر چھوڑ کر تجھے لے جاؤں گا۔ اب مجھ میں چلنے کی سکت نہیں رہی۔ میرے پاس دو ہزار روپیہ ہے اگر کوئی شخص میری ماں کو اُٹھا لائے تو میں یہ دو ہزار روپیہ اس کی نذر کر دوں گا۔ جب کوئی شخص بھی جان کے خوف سے اس طرف جانے پر آمادہ نہ ہوا تو وہ نوجوان چیخیں مار مار کر رونے لگا۔ قافلہ اس کی چیخ پکار سے بے پرواہ دریا کی طرف چلا گیا اور ملاحوں کو ہزاروں روپے دے کر پار اُتر گیا۔

ہم جس روز ردراس سے نکل کر سرِ شام جٹا گاؤں کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں فقیروں کے ایک تکیے میں ستانے کیلئے ٹھہر گئے۔ وہاں پندرہ بیس درویش اطمینان خاطر سے بیٹھے تھے۔ رات کے اندھیرے میں چاروں طرف سے بم پھٹنے کی سماعت شکن آوازیں آ رہی تھیں، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کیوں نہیں نکلتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ نکل کر کہاں جائیں، کیا اُدھر کوئی اور خدا ہے، اگر مرنا ہے تو ہم یہیں مرشد کے مزار کے سامنے مریں گے۔

کنارِ دریا پر کے حملہ کے بعد میں نیم جانی کی حالت میں بدن پر لحاف اوڑھے پانی میں بیٹھا تھا۔ قریب سے ایک معصوم بچی کے چیخنے اور چلانے کی آواز آنے لگی۔ یہ لڑکی اپنے باپ کو پکار رہی تھی۔ دریافت کرنے پر ایک عورت نے بتایا کہ اس کی ماں شہید ہو گئی ہے اور باپ دریا میں ڈوب گیا ہے۔ اس بچی کی عمر پانچ سال کی ہے، اس کی گود میں اس کی ایک ننھی بہن بھی ہے جس کی عمر تین دن سے زیادہ نہیں۔ عورت نے کہا کہ یہ لڑکی مجھے پوچھتی تھی کہ کیا میں اپنی ننھی بہن کو دریا میں پھینک دوں۔ میں یہ حالات سُن کر سسکیاں بھر کر رونے لگا۔ انتہائی کوشش کے باوجود اُٹھ کر اس کی مدد نہ کر سکا۔

میری برادری کا ایک جوان لڑکا محمد حسین اُٹھا اور اس لڑکی کو کپڑا پہنا آیا۔ ہوا کے تند جھوکے کپڑے کو بدن پر ٹکنے نہیں دیتے تھے۔ سید بوٹے شاہ شہید کی اہلیہ نے اس بچی کو لحاف اوڑھایا۔

اس کے علاوہ اور بھی ایسے مناظر میری بدنصیب آنکھوں نے دیکھے۔ والدین کی شہادت کے بعد شیر خوار اور کمسن بچے سیلاب میں پڑے بلک رہے تھے مگر کوئی ان کا پُرسانِ حال نہ تھا کیونکہ سب کیلئے اس محشرستان میں اپنے اپنے بچوں کا سنبھالنا امرِ محال ہو رہا تھا۔

تحصیل ترنتارن کی سرگزشت:

ملک چراغ دین اور چودھری طفیل حسین تحریر فرماتے ہیں:

ہم جلال آباد تحصیل ترنتارن کے رہنے والے ہیں۔ ہمارے علاقہ میں جولائی کے نصف آخر ہی میں مسلمانوں کے اِکا دُکا قتل کی وارداتیں شروع ہو گئی تھیں؛ جن کا مقصد مسلمانوں کو دہشت زدہ کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ نہنگ سکھ دُور اُفتادہ راستوں میں اُکیلے دکیلے مسلمان کو مار ڈالتے تھے۔ سکھوں نے بعض مقامات پر فقیروں کے تکیوں پر جو بالعموم آبادی سے دور ہوتے ہیں شبخون مار کر فقیروں اور مسافروں کو بھی قتل کیا۔ سکھ لیڈر اس قسم کے واقعات کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور قاتلوں کو انعام دیتے تھے۔ پنتھک پارٹی کا جتھہ دار ادھم سنگھ ناگو کے ان دنوں کار میں بیٹھ کر دیہات کا چکر لگایا کرتا تھا اور گوردواروں میں جا کر سکھوں کو خفیہ ہدایات دیا کرتا تھا۔ سکھوں کی اس سازباز کا نتیجہ سب سے پہلے جتھے دار مذکور کے اپنے گاؤں ناگوکی میں برآمد ہوا، جہاں ۲۴ یا ۲۵ جولائی کی شام کو جبکہ مسلمان روزہ افطار کر کے ایک جگہ جمع ہو کر نیاز کا کھانا کھا رہے تھے،

سکھوں کے ایک بہت بڑے گروہ نے حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں بہت سے مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ ان کے مکانوں کو آگ لگا کر نعشیں اس آگ میں پھینک دیں۔ زندہ بچوں تک کو اس آگ میں ڈال دیا۔ اگلے روز ایک لڑکی کی جلی ہوئی نعش ملبہ سے نکالی گئی، جس کی بغل میں قرآن مجید تھا۔ ناگوکی کے کچھ مسلمان گھوڑوں پر سوار ہو کر جلال آباد اور تھانہ ویرووال میں پہنچے۔ جلال آباد سے مسلمانوں کی ایک جمعیت فی الفور اپنے بھائیوں کی امداد کیلئے روانہ ہو گئی اور تھانہ ویرووسال سے پولیس چل پڑی۔ ان کے پہنچ جانے کی بدولت سکھ بھاگ نکلے اور ناگوکی کے باقی ماندہ مسلمان قتل ہونے سے بچ گئے، اور اگلے روز صبح کے وقت ناگوکی سے ہجرت کر کے جلال آباد اور ویرووال میں پناہ گیر ہوئے۔ اس واقعہ کے بعد سکھوں نے مسلمانوں کا دھوکا دینے کیلئے امن کمیٹیاں بنانے پر زور دیا اور کہا کہ اس آگ کو آگے پھیلنے سے روکنا چاہیئے۔ ان کی نیت خراب تھی۔ چند روز بعد موضع لدھڑ کا لیفٹیننٹ سوداگر سنگھ بی۔ اے مسلمانوں کے گاؤں بھلائی پور میں صلح و امن کی بات چیت کرنے کے بہانے سے آیا۔ وہاں جلال آباد کے چند سرکردہ مسلمان بھی بلائے گئے تھے۔ اس چال کا مقصد یہ تھا کہ بھلائی پور اور جلال آباد کے سرکردہ مسلمانوں کو جمع کر کے ختم کر دیا جائے کیونکہ سوداگر سنگھ اپنے ہمراہ ایک جتھا لے کر آیا تھا جو اس نے بھلائی پور کے باہر کھیتوں اور فصلوں میں چھپا رکھا تھا۔ سوداگر سنگھ کے جاتے کے کوئی دس پندرہ منٹ بعد اس جتھے نے بھلائی پور پر حملہ کر دیا۔ مسلمان اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر مقابلے کیلئے ڈٹ گئے۔ سکھ گولیاں چلا رہے تھے لیکن مسلمانوں نے انہیں جلد ہی شکست دے کر بھگا دیا۔ سوداگر سنگھ مذکور اپنے تین ہمراہیوں کے ساتھ وہیں کھیت رہا۔ اب بھلائی پور کے لوگ خوفزدہ ہو کر گاؤں سے نکلنے لگے لیکن جلال آباد کے مسلمانوں نے انہیں تسلی دی اور کہا کہ جلال آباد سے دو سو مسلمان باری باری تمہارے گاؤں میں آ کر

تمہاری حفاظت کیا کریں گے‘ جب سکھوں نے یہ حال دیکھا کہ جلال آباد کے مسلمان دوسرے دیہات کے مسلمانوں کی امداد کر رہے ہیں تو انہوں نے ناگوکی کی طرف سے خود جلال آباد پر حملہ کر دیا۔ جلال آباد کے مسلمانوں نے مقابلہ کیا۔ سکھ مقابلے کی تاب نہ لا کر بھاگ گئے۔ اس لڑائی میں سکھوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں کافی جانی نقصان برداشت کرنا پڑا۔

سکھوں نے ترن تارن کی تحصیل کے ایسے علاقوں میں حملے شروع کر رکھے تھے جہاں ان کی اکثریت تھی۔ تھانہ ویرووال کے علاقہ میں جہاں مسلمان کثرت سے آباد تھے‘ وہ دم نہیں مارتے تھے اور مسلمانوں کو امن پسندی کا یقین دلاتے تھے۔ آغاز اگست میں سکھوں نے ترنتارن کے قصبہ میں مسلمانوں پر حملہ کیا اور مسلمانوں کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ جلال آباد چونکہ مسلمانوں کا مرکز تھا اس لئے ایک دفعہ شکست کھانے کے بعد پھر کئی روز انہوں نے اس طرف کا رُخ نہ کیا۔ مسلمانوں نے اپنے قصبہ سے ہندوؤں کو نکال دیا کیونکہ وہ سکھوں سے ملے ہوئے تھے اور انہیں جلال آباد کے مسلمانوں کی حفاظتی سرگرمیوں کی خبریں دیتے رہتے تھے۔ انہی دنوں میں خواص پور اور ویرووال میں ملٹری کے کیمپ کھل گئے۔ وہاں جو فوجی آئے وہ سب کے سب ہندو اور گورکھے تھے۔ ایک دو سکھ افسر اسی علاقہ کے ایک گاؤں کھڈور صاحب کے بھی تھے‘ جن کا جتھے دار اودھم سنگھ سے بہت یارانہ تھا۔ اودھم سنگھ نے اس ملٹری کو جلال آباد کے مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ ایک روز اس ملٹری نے آ کر جلال آباد کا گھیرا ڈال لیا۔ جیپ کاریں قصبہ کے چاروں طرف چکر کاٹنے لگیں۔ گورکھے گھروں میں گھس گھس کر مردوں کو باہر نکالنے لگے۔ یہ گورکھے مسلمان عورتوں کو گالیاں دیتے تھے۔ انہوں نے تمام مردوں کو جن میں بچے اور بوڑھے بھی شامل تھے‘ ایک مقام پر جمع کیا اور سب کو کان

پکڑنے اور سر نیچا اور پیٹھ اونچی رکھنے کا حکم دیا۔ اردگرد سنگینوں کا پہرہ لگا دیا۔ جو مسلمان سر اُونچا کرتا تھا گورکھے اس کی پیٹھ پر رائفلوں کے بٹ مارتے تھے اور سنگینیں چبھوتے تھے۔ جو گورکھے جیپ کاروں میں بیٹھ کر قصبہ کے اردگرد چکر لگا رہے تھے، وہ بلاوجہ فیر بھی کرتے جاتے تھے۔ امرتسر کا سکھ سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی وہاں موجود تھا اور سپاہیوں کو ہدایت کر رہا تھا کہ ان کو پانی وغیرہ ہرگز نہ پلایا جائے اور نہ کان پکڑنے کے مجوزہ طریقہ میں کوئی فرق آئے۔ رمضان کا مہینہ تھا، اکثر مسلمان روزے سے تھے۔ افطار کے وقت جب مسلمانوں نے روزہ کھولنے کیلئے پانی مانگا تو انہیں سنگینوں کے کچوکے دیئے گئے۔ کئی آدمیوں کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ زمین مسلمانوں کے خون اور پسینے سے گارا بن گئی۔ گورکھا فوج کے اس ظلم وتشدد اور دہشت آفرینی سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ قصبہ جلال آباد کو اُڑا کر رہیں گے۔ سحری کے وقت مسلمانوں نے پھر پانی مانگا لیکن پھر انہیں بٹوں اور سنگینوں سے زدوکوب کیا گیا۔ صبح نمودار ہوئی تو گورکھوں کے دل میں رحم آ گیا۔ انہوں نے پانی کی مشکیں منگوائیں اور مسلمانوں کو کان پکڑنا چھوڑ کر پانی پینے کی اجازت دے دی۔ ایک دو آدمیوں کو قصبہ کے اندر سب کا کھانا لانے کے لئے بھیج دیا۔ عورتیں اس حد تک خوفزدہ ہو رہی تھیں کہ اپنے آدمیوں کی آواز پر بھی دروازہ نہیں کھولتی تھیں۔ دوسرے دن شام تک مسلمانوں کا چناؤ ہوتا رہا۔ معزز اور چیدہ چیدہ اشخاص کو نیز طاقتور اور لڑاکے جوان مردوں کو ایک طرف کر دیا گیا۔ عشاء کے وقت باقی ماندہ کو گھر جانے کی اجازت دے دی گئی اور پچاس کے قریب مسلمانوں کو ملٹری والے تیسرے دن ڈیرہ وال لے گئے۔ جاتے وقت سکھ سپاہی گلی گلی اور کوچے کوچے میں پکار پکار کر کہتے تھے کہ بہتر ہے مسلمان یہاں سے بھاگ جائیں ورنہ سکھ آ کر ان سب کو قتل کر دیں گے اور ان کی عورتیں اُٹھا کر لے جائیں گے۔

جس روز جلال آباد کے مسلمانوں پر یہ ظلم وتشدد ہو رہا تھا۔ اس روز سکھوں کے متعدد دیہات نے مل کر موضع بھلائی پور پر پھر حملہ کر دیا۔ بے شمار سکھوں کو دیکھ کر اور جلال آباد کے مسلمانوں کا حال سُن کر بھلائی پور کے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ مقابلہ نہ کر سکے۔ دو آدمی گھوڑوں پر سوار ہو کر جلال آباد پہنچے۔ انہوں نے ہاتھ باندھ کر گورکھا ملٹری سے منت سماجت کی کہ ہماری حفاظت کیلئے چلیں لیکن گورکھے انہیں یہ جواب دیتے تھے کہ ہماری رائفلیں خراب ہیں، کام نہیں کرتیں۔ وہ دو آدمی وہیں کھڑے روتے اور واویلا کرتے رہے۔ آخر دو گھنٹہ کے بعد گورکھا گارد بھلائی پور کی طرف گئی۔ سکھ حملہ آور اس وقت تک اپنا کام تمام کر کے جا چکے تھے۔ جو مسلمان بھاگ کر نکلنے میں کامیاب ہو سکے وہ بھاگ گئے تھے۔ بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور مردوں کی لاشوں کے ڈھیر وہاں لگے ہوئے تھے، جن کو کتے اور گدھ جھنجھوڑ کر کھا رہے تھے۔ ملٹری وہاں کا حال دیکھ کر واپس جلال آباد آ گئی اور وہاں سے اگلے دن پچاس مسلمانوں کو گرفتار کر کے ویرووال چلی گئی۔

اس ظلم وتشدد کو سہنے کے بعد جلال آباد کے مسلمان بھی سخت ہراساں ہو گئے اور ان میں سے کئی خاندان قصبہ سے نکل کر دریا کے پار ریاست کپورتھلہ میں جانے لگے۔ مشہور تھا کہ کپورتھلہ کے مہاراجہ نے اپنی ریاست میں امن قائم رکھنے اور مسلمانوں کی حفاظت کرنے کا اعلان کر رکھا ہے۔ مزید برآں وہاں اسّی فیصدی مسلمان آبادی بھی تھی، اس لئے جلال آباد سے نکلنے والوں نے اس طرف کا رُخ کیا۔ یہ حال دیکھ کر گرد ونواح کے چھوٹے چھوٹے مسلمان دیہات بھی خالی ہو گئے۔ سکھوں نے ان گاؤں کو اطمینان خاطر سے لوٹا اور نذر آتش کر دیا۔ ابھی جلال آباد میں مسلمانوں کی خاصی تعداد مرنے مارنے کیلئے تیار بیٹھی تھی۔ پولیس اور ملٹری روزانہ وہاں آ آ کر کام کے دو دو چار چار

آدمیوں کو گرفتار کر کے لے جاتی تھی۔ پولیس اور ملٹری کو قصبہ کی طرف آتا دیکھ کر مرد کھیتوں میں جا کر چھپ جاتے تھے یا دریا کی طرف بھاگ جاتے تھے۔

جلال آباد کی جمعیت کمزور ہو چکی تھی۔ اس لئے ناگوکی کے جتھے دار اودھم سنگھ نے جلال آباد پر حملہ کرنے کیلئے بہت بڑا جتھا تیار کیا اور عید الفطر کے اگلے دن دھاوا بول دیا۔ حملہ آوروں نے چاروں طرف سے قصبہ کا محاصرہ کر لیا۔ رہے سہے مسلمانوں نے بڑی بے جگری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ شام کے چار بجے سے لے کر ساڑھے آٹھ بجے تک لڑائی ہوتی رہی اور آخر سکھ بھاگ نکلے۔ سکھوں کا جانی نقصان بہت زیادہ ہوا۔ ۳۵ مسلمان اس جنگ میں شہید ہو گئے۔ حملہ آور تالے توڑنے کیلئے ہتھوڑے اور آگ لگانے کیلئے مٹی کے تیل کی بوتلیں ساتھ لائے تھے جنہیں وہ میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اس کے بعد گوردوارہ کھڈور صاحب میں سکھوں کا ایک دیوان منعقد ہوا' جس میں جتھے دار اودھم سنگھ اور ماسٹر تارا سنگھ بھی شامل تھے۔ اس دیوان میں مسلمانوں کو ختم کرنے اور وہاں سے نکالنے کا تازہ پروگرام بنایا گیا۔ جلال آباد چونکہ پولیس اور ملٹری کا معتوب بن چکا تھا اس لئے گردونواح کے دیہات کے مسلمان موضع سرائے تلونڈی میں جمع ہو رہے تھے۔ سکھوں نے سرائے تلونڈی پر حملہ کیا اور وہاں بھی منہ کی کھائی۔ اس کے بعد سرائے تلونڈی میں بلوچ ملٹری کی چوکی قائم ہو گئی اور پندرہ دن تک امن رہا۔ بلوچ گارڈ تبدیل ہوئی تو مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ تلونڈی اور جلال آباد کے مسلمان گھروں سے نکل کر ویرووال کے ملٹری کیمپ میں جمع ہونے لگے۔ اب وہاں ریاست کپورتھلہ کے پناہ گیر بھی آنے لگے تھے۔ مسلمان ملٹری نے ویرووال سے فتح آباد اور بھرووال تک قافلے کا ساتھ دیا اور اس کے بعد ہندو ملٹری نے قافلے کو امرتسر کی طرف ہانکا۔ راستے میں اس ملٹری کے ہاتھوں مسلمان کو جیسی جیسی

ذلتیں برداشت کرنی پڑیں وہ ناقابل بیان ہیں۔ سکھ جتھوں نے راستے میں حملے کیے۔ ہوائی جہازوں نے مشین گن سے فائر کیے۔ ترن تارن کی ملٹری نے گولیاں چلائیں۔ یہ قافلہ لڑتا بھڑتا امرتسر پہنچا اور وہاں سے مسلمان ملٹری کی تحویل میں وسط ستمبر کے قریب پاکستان میں داخل ہوا۔

ضلع گورداسپور کے دیہات

شہر گورداسپور کے اس کے مضافات کے متعلق مؤلف کو اشتہار کے جواب میں کوئی بیان موصول نہیں ہو سکا۔ اس لئے اس عنوان کے ماتحت شہر کے حالات درج نہیں کیئے جا سکے۔ دیہاتی رقبوں کے متعلق جو بیانات موصول ہوئے ہیں وہ درج کیئے جاتے ہیں۔

پکیوان اور اس کے مضافات:

محمد مقصود عالم صاحب لکھتے ہیں:

پکیوان اور اس کے گردونواح کے دس بارہ دیہات کی فضا پُر امن رہی۔ ان دیہات کے سرکردہ لوگوں نے امن کمیٹیاں بنا رکھی تھیں۔ پکیوان کے چودھری محمد ابراہیم صدر مسلم لیگ، ہندو مسلم اتحاد قائم رکھنے کیلئے سرگرم کار رہتے تھے۔

۱۶ راگست کو اعلان ہوا کہ حد بندی کے کمیشن نے ۱۸ رجون والی تقسیم بحال رکھی ہے اور گورداسپور کا سارا ضلع پاکستان ہی میں شامل رہے گا۔ اس اعلان کے باعث ہندوؤں کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی۔ چودھری محمد ابراہیم نے اپنے علاقہ میں امن قائم رکھا۔ ہندوؤں کو تسلیاں دیں اور ہندو اتنے خوش ہوئے کہ چودھری صاحب کو مبارکباد کہنے لگے۔

۱۷راگست کی شام کو اعلان ہوا کہ ضلع گورداسپور کی تین تحصیلیں کھاٹ کر ہندوستان میں شامل کر دی گئی ہیں۔ اس اعلان نے مسلمانوں کو افسردہ خاطر کر دیا۔ ان کی اُمیدوں کا خون ہو گیا۔ وہ صبر کے گھونٹ پی کر خاموش ہو رہے۔

۱۸رجون کو دن کے اڑھائی بجے ایک جلسۂ عام منعقد کیا گیا' جس کا مقصد ہندو مسلم اتحاد کو برقرار رکھنا تھا' لیکن ایک ہندو نے کھڑے ہو کر ہندوؤں کے جذبات کو بھڑکایا۔ اِدھر سے مسلمان مقرروں نے بھی جوابی تقریریں کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہندوؤں نے تعدی کی تو مسلمان بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔ مسلمانوں نے اس جلسہ کی باتوں کو چنداں اہمیت نہ دی لیکن ہندو حملہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ انہوں نے چپکے چپکے کلانور کے تھانہ دار رام گوپال کھتری کو پولیس اور فوج بھیجنے کیلئے پیغام بھیج دیا۔ مسلمان بے خبر رہے۔

۲۱رجون کو نمازِ عصر کے وقت پکیوان کے مسلمانوں پر ہلہ بول دیا گیا۔ سب سے پہلے فوج اور پولیس نے چودھری محمد ابراہیم کے مکان پر حملہ کیا۔ دوسری طرف مسلمانوں نے ہندوؤں کے مکانوں پر ہلہ بول دیا' لڑائی شروع ہو گئی۔ اطراف و جوانب سے سکھوں کے جتھے جوق در جوق آنے لگے جو آتشیں اسلحہ سے مسلح تھے' مسلمان گولیاں کی تاب نہ لا کر پسپا ہوئے۔ سکھوں نے گاؤں میں داخل ہو کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ گھروں کو آگ لگا دی۔ بچوں کو اُٹھا اُٹھا کر جلتی آگ میں پھینکا۔ عورتوں کی سخت بے حرمتی کی۔ رام گوپال نے ۲۵ کنستر مٹی کا تیل جو کہ ڈپو میں تقسیم کرنے کیلئے پڑا تھا۔ سکھوں کو دے دیا تا کہ مسلمانوں کے گھروں کو آگ لگا سکیں۔

چودھری محمد ابراہیم گاؤں سے باہر کھیتوں کی دیکھ بھال کیلئے گئے ہوئے تھے' جب گاؤں سے چیخ پکار کی صدائیں اُٹھیں تو گاؤں کی طرف دوڑے۔ اپنے گھر سے

تھوڑے فاصلہ پر پہنچ کر آپ نے ہندوؤں کو للکارا کہ یہ کیا طوفانِ بے تمیزی برپا کر رکھا ہے۔ سکھوں نے چودھری صاحب کو گھیرے میں لے لیا۔ چودھری صاحب نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے لڑ رہے تھے۔ سکھ اُن پر تلواروں اور برچھیوں سے وار کر رہے تھے۔ ایک گھنٹہ کی جنگ کے بعد اسلام کے اس بہادر فرزند نے شہادت کا بلند مرتبہ حاصل کیا۔

سکھوں نے دین محمد مؤذن، چودھری لال الدین، جھنڈے خاں نمبردار، میاں علی محمد اور چالیس کے قریب گاؤں کے دیگر افراد کو کمال بے رحمی سے قتل کیا۔

گاؤں کے مسلمان مرد، عورتیں اور بچے اس حملہ کے بعد گھروں سے نکلے۔ کچھ تو دریائے راوی کی طرف چلے گئے، جو کچھ کلانور کی راہ سے صدہا قسم کے مصائب و آلام کا مقابلہ کرتے ہوئے جسٹر ریلوے اسٹیشن کی طرف چلے گئے۔ پکھوان پر حملہ ہوا تو گرد و نواح کے دیہات بھی خالی ہونے لگے اور پتن ڈیرہ ملک پر مسلمان پناہ جو ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے۔

مسلمانوں کے اس ہجوم پر ملٹری نے حملہ کر دیا اور گولیاں کی بارش ہونے لگی۔ سینکڑوں آدمی گولیاں کھا کھا کر خاک و خون میں لوٹنے لگے۔ ہزاروں نے دریا میں چھلانگیں لگا دیں اور ڈوبنے لگے۔ دریا لاشوں سے اٹ گیا۔ پانی شہیدوں کے خون سے رنگین نظر آنے لگا۔ مسلمان مولی گاجر کی طرح کٹ رہے تھے۔ بچوں اور عورتوں کی چیخ پکار نے محشر کا سا نقشہ پیدا کر دیا تھا۔ اس عالم میں کچھ لوگ جانوروں کی دُموں کا سہارا لے کر دریا کو عبور کر سکے۔ سب کے سب اتنے خوفزدہ تھے کہ چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھی

پکیوان کے کچھ لوگوں نے ہندوؤں کے گھروں میں پناہ لی تھی۔ ان پناہ گیروں کا سامان ہتھیا لیا گیا۔ عورتوں کے زیور اُتار لئے گئے۔ ان میں سے کئی ایک سے انتہا درجہ کی بدسلوکی بھی کی گئی۔ آخر ان سب کو دریا کے کنارے پر لایا گیا اور کہا گیا کہ

دیکھو وہ دریا کے پار پاکستان ہے کیا تم وہاں جانا چاہتے ہو۔ یہ کہتے تھے اور تلوار یا برچھا مار کر مسلمان کو ہلاک کر دیتے تھے کہ لو اس طرح تم جلدی پاکستان پہنچ جاؤ گے۔

اوجلہ کی سرگزشت:

جناب عبدالقدیر رشک لکھتے ہیں:

سیدھے سادھے دہقانوں کا خیال تھا کہ ۱۷؍اگست کی صبح لامتناہی مسرتوں کو دامن میں سمیٹے نمودار ہو گی کیونکہ گہرے سبزی مائل پرچم سرکاری دفاتر پر لہرا لہرا کر اسلامیان گورداسپور کو روشن مستقبل کا پیغام سنا رہے تھے۔ ۱۷؍اگست کو ہلال عید نظر آیا۔ میں نے دُعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے۔ پیچھے سے آواز آئی ”گورداسپور ہندوستان میں شامل ہو گیا۔ اسلامی پرچم دفاتر سے اُتار کر آگ میں جلا دیئے گئے“ یہ سنتے ہی اوجلہ کی مسرت آفریں بستی پر اُداسی چھا گئی۔ پھر یہ اُداسی یہاں سے نکل کر قریبی بستیوں میں پھیل گئی۔ بچے اداس، بوڑھے اُداس، انتہا یہ کہ نوجوانوں کے چہروں سے اُداسی ٹپکنے لگی۔ میں نے کہا: فدایانِ رسول کے غیور بیٹو! مومن تو خدا کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوتا۔

خلافِ توقع اُسی شام سکھ غنڈوں کا جتھا گاؤں کی جنوبی سمت پر حملہ آور ہوا۔

ہم نے نوجوانوں کے جذبات کو اُبھارا۔ چنانچہ مٹھی بھر مجاہد کفار کے لشکر کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔ دشمن نے فائرنگ شروع کر دیا۔ ساتھ ہی خبر آئی کہ بستی کی مشرقی سمت سے سکھوں کا بھاری جتھا آبادی میں گھسنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تیں نوجوانوں کو مشرقی سمت میں جوابی حملہ کرنے کیلئے بھیجا۔ نوجوان عورتوں سے اپیل کی گئی کہ وہ چھتوں سے دشمن پر پتھر برسائیں، بزرگانِ دین بارگاہِ خداوندی میں سربسجود ہو گئے کہ اُمت مرحوم کی آج لاج رکھنا۔

ہمارے پاس نہ بندوق تھی' نہ رائفل۔ اندھیری رات میں ہم اپنے عزائم کا دیپک لئے آگے بڑھتے رہے۔ گولیوں سے اُکھڑ اُکھڑ کر گرنے والی مسجد کی اینٹوں اور پلاسٹر کی تہوں کے درمیان کھڑے ہوئے مٹھی بھر مجاہد جن کے چہروں سے پسینہ اور جسموں سے خون ٹپک رہا تھا' مکمل دو گھنٹے تک دشمن کا مقابلہ کرتے رہے۔ دو گھنٹے کے بعد جنوبی سمت کے حملہ آوروں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ پھر مغربی سمت کے محافظوں نے مل کر سکھوں کو مار بھگایا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ایک مجاہد سراج الدین شہید اور چند نوجوان زخمی ہوئے ہیں۔ دشمن اپنے مجروحوں اور لاشوں کو ساتھ لے گئے تھے۔ اس لئے اُن کے نقصان کا اندازہ نہ ہو سکا۔

صبح عید تھی' خوشیوں سے لبریز عید نہیں۔ محرم سے زیادہ ماتمی عید' جس کے متعلق سکھ غنڈوں نے پہلے ہی پروگرام مرتب کر رکھا تھا۔ بعض کمزور دل بھائیوں کا خیال تھا کہ عید نہ پڑھی جائے لیکن بستی کے غیور نوجوانوں نے ارادہ کر لیا کہ جب تک اُن کے رگوں میں سرخ خون کا ایک قطرہ تک موجود ہے وہ سنت محمدی کی عظمت کو اُجاگر کرتے رہیں گے۔ چنانچہ اُمامت میرے سپرد ہوئی کیونکہ امام مسجد نماز عید ادا کرنے کے حق میں نہ تھے۔ مسجد سے باہر مضبوط نوجوانوں کو بطور محافظ دستہ استعمال کیا گیا۔ نماز ادا کرنے کے بعد جب خاکسار خطبہ پڑھ رہا تھا تو تین مختلف سمتوں پر سکھوں کے جتھے تیزی سے بڑھتے نظر آئے۔ امام مسجد نہایت بدحواسی کے عالم میں چلایا "بھاگو دشمن آ گئے" میں نے پوری قوت سے گرج کر کہا ہم کتوں کی موت مرنا پسند نہیں کرتے۔ میرے ان الفاظ پر دیہاتی نوجوانوں کے سینے تن گئے اور وہ بپھرے ہوئے شیروں کی طرح جوابی حملہ کیلئے پوری تنظیم کے ماتحت اپنے مورچوں پر ڈٹ گئے۔

خوش قسمتی سے حملہ آوروں کے پاس سوائے دستی بموں کے اور کچھ نہ تھا۔ دشمن

کے بموں کو غلط نشانوں پر پھینکوا کر گونجیلی آوازوں اور آتشیں ٹکڑوں کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اب ہر مسلم برچھا بردار سکھ برچھا بردار کے مقابلے میں ڈٹ گیا۔ نوجوان موت وحیات کی اس کشمکش میں ارادہ کر چکے تھے کہ ننگ انسانیت سکھ غنڈوں کی ستم رانیوں اور دست درازیوں سے وطن عزیز کی مقدس سرزمین کو پاک کرنا ہے۔

کئی گھنٹوں کی جدوجہد کے بعد سکھ ایک مردہ اور ایک نیم مردہ ساتھی اُٹھا کر بھاگ گئے۔ ہمارے ایک نوجوان کو معمولی زخم آئے۔

وطن عزیز کی مدافعت اور حفاظت کیلئے نوجوان عید کے عیش و آرام کو خیر آباد کہہ کر سارا دن مورچوں پر کھڑے حملہ کے منتظر رہے۔ بعد از دوپہر معلوم ہوا کہ قریب کے گاؤں (گھرالہ) کے بیسیوں مسلمان ہندوملٹری اور سکھوں نے موت کے گھاٹ اُتار دیئے ہیں' پھر اطلاع آئی کہ موضع ورق میں ایک سو مسلمان لقمۂ اجل ہو گئے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی تھانے وال' بنی پور' حیات نگر' ہمراج پور خالی ہو گئے۔ اب دس میل کے علاقہ میں صرف اوجلہ رہ گیا تھا جہاں مسلمانوں کی آبادی تھی۔

ہمارے دو نوجوان بعد مشکل گورداسپور کے نہنگوں سے بچتے شہر کے لیڈروں سے ملے' التجا کی گئی کہ صرف ایک رائفل یا بندوق سے نوازا جائے۔ بجائے اس کے کہ اُن کی درخواست پر التفات فرمایا جاتا انہیں حقیر سمجھ کر تسلی دینی بھی گوارا نہ کی۔

مصلوں کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی' اس لئے ہم بھی ہجرت پر مجبور ہوئے۔ ہمارے گھر لٹے' مسجدوں میں اُلو بولے' آباؤ اجداد کی قبروں کی توہین ہوئی۔ ہم نے بعد حسرت و یاس وطن عزیز کو چھوڑا۔ رات جنگل کے گوشے میں بسر کی کیونکہ مسلمانوں کا کسی آبادی میں رہ سکنا ناممکن تھا۔ مجھے حضرت یسوع ناصری کے الفاظ یاد آ گئے کہ پرندوں کے لئے گھونسلے' لومڑیوں کیلئے بھٹ ہیں لیکن ابن آدم کو دنیا میں سر چھپانے کیلئے کوئی جگہ نہیں۔

۲۴؍اگست کو ہمارا قافلہ دریائے راوی کے کنارے جا پہنچا۔ جن لوگوں کے پاس روپیہ تھا' وہ کشتیوں میں سوار ہو کر پار جانے لگے۔ ساحل سے ہٹتی ہوئی کشتیاں دیکھ کر میرے رفیقوں کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ میں نے اُن کا ہاتھ پکڑا اور اپنا زخمی پاؤں پانی میں ڈال دیا۔ وہ گھبرائے' میں نے کہا' ناخدا جن کا نہیں اُن کا خدا ہوتا ہے"۔

دفعتاً گولیوں کی سنسناہٹ سے فضا گونج اُٹھی۔ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ لوگ سراسیمہ ہو کر دریا میں چھلانگیں مارنے لگے۔ حاملہ عورتیں پیٹ پکڑ کر بے تحاشا بھاگتی تھیں۔ معصوم بچے دھیرے دھیرے آغوشِ نیستی میں سمٹتے جاتے تھے۔ آشفتہ سر موجیں مُردوں کو آگے بڑھ کر آغوش میں چھپا لیتی تھیں۔ دریا کی وسعتیں دُور تک بچھی ہوئی پھاڑ کھانے والے سکھ درندوں کو گھور رہی تھیں۔ نواحی دیہات سے دھوئیں کے بادل اُٹھتے پھر انسانی ایندھن کی چنگاریاں چیخوں کے ساتھ بلند ہو جاتیں۔

ہم آنکھیں بند کئے بدستور آگے بڑھتے رہے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے دریا کا پانی ایک طرف سمٹ کر راستہ بنا رہا ہے۔ ہم نہ حضرت موسیٰ تھے' نہ حضرت ہارون لیکن حضرت موسیٰ سے افضل رسول کی اُمت ضرور تھے۔

ہم نے جب خطۂ پاک پر قدم رکھا تو معلوم ہوا کہ میرے ۳۷ رفیق آغوشِ دریا میں ابدی نیند سو گئے ہیں۔ وہ مر گئے لیکن میں تا حال زندہ ہوں اُن کا ماتم کرنے کیلئے اور ملت مظلوم کو بتانے کیلئے کہ ہمارے اقبال کی داستان بھی ایسے وقت سے شروع ہوئی تھی جبکہ کفر کی آندھیاں شمع رسالت کو گُل کرنے کیلئے مدینہ کی چاردیواری کی طرف بڑھ رہی تھیں اور تین سو تیرہ فدایانِ رسول کفار کے نیزوں اور تیروں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے تھے۔

پٹھان کوٹ کی سرگزشت:

جناب غلام رسول صاحب نظامی پٹھانکوٹ کے مسلمانوں کی سرگزشت کا حال یوں بیان کرتے ہیں:

۱۷راگست کو جبکہ مسلمان عیدالفطر کا چاند دیکھنے کیلئے منتظر تھے، آل انڈیا ریڈیو نے اعلان کیا کہ ضلع گورداسپور کی تین تحصیلیں پٹھان کوٹ، گورداسپور اور بٹالہ بعض نامعلوم وجوہ کی بناء پر ہندوستان میں شامل کر دی گئی ہیں۔ ضلع گورداسپور کے مسلمانوں کو یقین تھا کہ ان کا ضلع پاکستان میں شامل رہے گا۔ اس اعلان کے سنتے ہی عید کی خوشیاں جاتی رہیں اور ہر طرف رنج و مایوسی کا اظہار ہونے لگا۔ تاہم مسلمانوں نے خیال کیا کہ ہم ہندو راج ہی کے سائے میں اس قسم کی زندگی بسر کرنے پر قانع ہو جائیں گے جیسی ہمارے مسلمان بھائی ریاستوں کے اندر بسر کر رہے ہیں۔ اس اعلان کے ساتھ ہی حکومت کی مشینری سراسر تبدیل ہو گئی، ہر طرف ہندو اور سکھ حکام نظر آنے لگے۔ پولیس اور فوج بھی یکسر غیر مسلم عناصر پر مشتمل تھی۔ عید کے تیسرے دن یعنی ۲۰راگست کی رات کو پٹھان کوٹ کے بازار میں بجلی کی روشنی یکایک بجھ گئی اور تاریکی میں بچوں اور عورتوں کے رونے اور چلّانے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اس کے بعد روشنی پھر نمودار ہو گئی۔ دریافت حال پر پتا چلا کہ ہندو بدمعاشوں نے محلّہ قاضی پورہ کے مسلمان پارچہ بانوں پر چھاپا مارا اور تین مسلمانوں کو شہید اور چھ کو زخمی کر دیا۔ اس کے بعد دن دیہاڑے مسلمانوں کے گھر لٹنے لگے۔ مسلمان فریاد لے کر پولیس میں جاتے یا حکام کے پاس پہنچتے تو اُلٹا انہیں ڈانٹا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ تم ہی لوگ فساد کرتے ہو۔

۲۲راگست کو جمعہ کی نماز کے بعد ہندوؤں کے ایک جم غفیر نے محلّہ قصاباں پر

ہلّہ بول دیا' ہندو تلواروں' بندوقوں اور بموں وغیرہ سے مسلح تھے۔ مسلمانوں نے مقابلہ کیا اور حملہ آوروں کو بھگا دیا۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے دوسرے محلوں پر بھی حملے شروع ہو گئے۔ مسلمان تین دن تک مقابلہ کرتے رہے لیکن جب دیکھا کہ حکام اور پولیس کھلم کھلا ہندوؤں کی امداد کر رہی ہے تو مسلمان گھروں سے نکل کر ملٹری سپلائی رسٹ کیمپ میں جمع ہونے لگے۔ اس کیمپ میں سکھ اور گورکھا ملٹری کی گاردیں حفاظت کیلئے متعین تھیں۔ آٹھ نو ہزار مسلمانوں کے اجتماع کیلئے صرف پانی کے چار نل کھلے چھوڑے گئے' جن میں وقت مقرر پر پانی آتا تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو بقدر ضرورت پینے کے لئے پانی بھی میسر نہیں آتا تھا۔ اگست کا مہینہ تھا' شدت کی گرمی پڑ رہی تھی' صفائی کا انتظام نہ ہونے کے باعث ہر طرف غلاظت پھیل رہی تھی۔ تعفن کے مارے دماغ پھٹے جاتے تھے۔ بچے بھوک اور پیاس کے مارے بلک رہے تھے۔

پٹھان کوٹ کے مسلمان چار دن وہاں رہے۔ چوتھے روز حکم ہوا کہ سب لوگ ایک گھنٹہ کے اندر اندر ڈھانگو کیمپ میں جانے کیلئے تیار ہو جائیں۔ سب کو پیدل چلنا ہو گا' جس قدر سامان اُٹھا سکتے ہیں' ساتھ لے جائیں۔ سب لوگ خورد و نوش کا معمولی سامان لے کر روتے پیٹتے ڈھانگو کیمپ کی طرف روانہ ہو گئے جو وہاں سے تین میل کے فاصلے پر جنگل میں بنایا گیا تھا۔ وہاں دیہات سے آئے ہوئے اور مسلمان بھی جمع ہو رہے تھے۔ اس جگہ ملٹری کی ٹوٹی پھوٹی بارکیں تھیں' جن کے اندر مسلمانوں نے پناہ لی۔ اکثر باہر کھلی فضاء میں پڑے رہے۔ اس کیمپ میں کل پندرہ سولہ ہزار نفوس جمع ہو گئے۔ پہلے دن راشن کے طور پر ۳ بوری آٹا اور ایک بوری دال مسور وصول ہوئی۔ دوسرے دن ۲ بوری آٹا اور ایک بوری نمک کی دی گئی۔ تیسرے اور چوتھے دن کچھ نہ ملا۔ مسلمان پناہ گیر ضلع کانگڑہ کے دیہات سے جوق در جوق آ رہے تھے۔ تعداد روز بہ ترقی تھی۔ سرکاری

طور پر راشن بہت کم مقدار میں ملتا تھا' جو ملتا تھا وہ بھی چھینا جھپٹی کی نذر ہو جاتا تھا۔ خورونوش کی بعض اشیا قیمتاً ملتی تھیں لیکن بہت ہی گراں اور وہ بھی کم مقدار میں میسر آتی تھیں۔ گندم چھ روپے سیر' گوشت چھ روپے سیر' نمک دو روپے سیر تک بکنے لگا۔ سرخ مرچ دو پیسہ کی ایک ملتی تھی۔ راشن کے انتظام کیلئے سرکردہ اشخاص کی ایک کمیٹی بنائی گئی' جس نے روپیہ فراہم کر کے انگریز افسر کی مدد سے کچھ آٹا وغیرہ خریدا اور اسے بانٹنے کا انتظام کیا۔ لیکن یہ انتظام بھی چل نہ سکا کیونکہ نہ تو سپلائی کے محکمہ سے قیمتاً راشن ملتا تھا' نہ دکانداروں سے میسر آتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کیمپ میں فاقہ کشی کی نوبت آ گئی۔

لوگ درختوں کے پتے' خارخشک کی بیلیں' جنگلی کریلے کی بیلیں اور دیگر نباتات اُبال اُبال کر پیٹ بھرنے لگے اور خلق خدا بھوک کے مارے مرنے لگی۔

دُور دراز کے اقطاع کے لوگ جوق در جوق آ کر اس کیمپ میں جمع ہوتے گئے۔ آنے والوں میں بعض کے سروں پر بودیاں بھی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ ہمیں زبردستی ہندو بنا لیا گیا تھا۔ لیکن جب دیکھا کہ ہندو بننے والوں کو بھی قتل کرنے سے گریز نہیں کیا جاتا تو ہم رات کی تاریکی میں نکل کر بھاگے اور جنگلوں میں چھپتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں۔ آنے والے لوگ اپنے اپنے مصائب کی زہرہ گداز داستانیں بیان کرتے تھے۔ بعض کہتے تھے کہ راستے میں ہندوؤں نے ان کا سارا ساز و سامان لوٹ لیا' بعض کا بیان تھا کہ ہندو افسروں نے یہ کہہ کر اپنی اپنی نقدی اور اپنا اپنا قیمتی مال ہمارے پاس جمع کرا دو' ہم بحفاظت کیمپ میں پہنچا دیں گے' ہتھیا لیا۔

جب راشن کی قلت کے باعث لوگ بھوکوں مرنے لگے تو سب مسلمانوں نے کیمپ کے میدان میں اکٹھے ہو کر نفل پڑھے اور خدا کی حضور میں گڑگڑا کر دعائیں مانگیں۔ دعا سے فارغ ہوئے تھے کہ آٹے کی بوریوں سے لدا ہوا ایک ٹرک کیمپ کی

طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ لوگ اس ٹرک کی طرف دوڑے۔ معلوم ہوا کہ یہ آٹا گورداسپور کی ریلیف کمیٹی نے تریموں کے پتن پر جمع ہونے والے مسلمان قافلے کیلئے بھیجا تھا۔ لیکن وہاں پہنچ کر دیکھا کہ ہر طرف مسلمانوں کی لاشیں بکھری پڑی ہیں۔ ہندوؤں اور سکھوں نے تمام مسلمانوں کو شہید کر دیا ہے۔ اس لئے وہ راشن ڈھانگو کیمپ میں لایا گیا ہے۔ یہ حال سن کر مسلمان زار و قطار رونے لگے اور راشن کے پہنچنے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ راشن کمیٹی نے یہ آٹا دو چھٹانک فی کس کے حساب سے تقسیم کر دیا۔

ایک روز بارہ لاریوں کا ایک قافلہ ڈھانگو کیمپ میں پہنچا۔ لاریوں کے انچارج نے بتایا کہ کل تیس لاریاں چلی تھیں لیکن راستہ پُرخطر ہونے کے باعث بہت سی لاریاں واپس لوٹ گئیں۔ ان لاریوں پر جتنے لوگ سوار ہو سکے چڑھ گئے۔ مجھے بھی اپنے اہل وعیال سمیت ایک لاری میں سوار ہونے کا موقع مل گیا۔ ہمارا قافلہ ملٹری کی حفاظت میں امرتسر کی راہ سے واہگہ پہنچا جہاں سبز ہلالی پرچم لہراتا دیکھ کر ہماری جان میں جان آئی۔ واہگہ سے ہم چائنا کیمپ میں لائے گئے۔ وہاں ہم نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور خدا کا شکر ادا کیا۔

لاہور پہنچنے کے بعد ہمیں اپنے ان عزیزوں، رشتہ داروں اور چالیس پچاس ہزار مسلمانوں کا خیال دامنگیر رہا جو ڈھانگو کیمپ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ کئی روز کے بعد معلوم ہوا کہ ڈھانگو کیمپ سے پیدل قافلہ چلایا گیا۔ اس قافلہ کے لوگ جب لاہور پہنچے تو اُن کی زبانی حسب ذیل حالات معلوم ہوئے۔

پہلے کنوائے کے بعد دس دس بارہ بارہ لاریوں پر مشتمل دو اور کنوائے ڈھانگو کیمپ سے پناہ گیروں کو لاد کر لائے لیکن جمیعت چونکہ چالیس پچاس ہزار سے اوپر ہو چکی تھی اس لئے سارے قافلہ کو پاپیادہ ہانکنے کا فیصلہ ہوا۔ راستے میں اور قافلے بھی اس کے ساتھ ملتے گئے۔ یہ قافلہ ڈھانگو سے دس میل فی روز کے حساب سے چلا اور بارشوں میں

بھیگتا، راستے کی کڑیاں جھیلتا، مصیبتیں اُٹھاتا قیام کرتا ہوا دینا نگر پہنچا۔ دینا نگر میں لاتعداد ہندو اور سکھ سڑک کے دونوں طرف کھڑے تھے۔ قافلے کے ساتھ ہندو ملٹری تھی۔ ہندو اور سکھ قافلے میں سے خوبصورت اور جوان لڑکیوں کو کھینچ کر لے گئے۔ کئی مسافروں کے ٹرنک اور سوٹ کیس، گٹھڑیاں وغیرہ انہوں نے چھین لیں۔ ہندو اور سکھ لٹیرے کہتے تھے کہ یہ سب ہندوستان کا مال ہے اس لئے یہیں رہے گا۔ اگر کوئی مسلمان مزاحمت کرتا تھا تو اُسے وہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا تھا۔ قافلے کا طول آٹھ میل تھا۔ دینا نگر میں اس پر بم بھی پھینکے گئے اور گولیاں بھی چلائی گئیں، بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور بہت زخمی ہو گئے۔ یہ قافلہ گرتا پڑتا گورداسپور پہنچا اور وہاں کے ریلیف کیمپ میں ٹھہرایا گیا۔ وہاں مسلمان ملٹری قلیل تعداد میں موجود تھی۔ ان مسلمان فوجیوں نے دینا نگر جا کر چند ایک چھینی ہوئی لڑکیاں برآمد کیں۔ شہیدوں کی لاشیں ٹرکوں میں بھر کر لائے، زخمیوں کو ٹرکوں میں لاد کر لاہور کی طرف روانہ کر دیا۔ قافلہ دو دن گورداسپور ٹھہرا اور وہاں سے دھاریوال کی طرف چلا۔ دھاریوال سے یہ قافلہ نہر کی پٹڑی پر سے گزر رہا تھا کہ سکھوں نے اس پر زبردست حملہ کیا۔ یہ حملہ قافلے کے اس حصے پر کیا گیا جس کی نگران سکھ اور گورکھا ملٹری تھی۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے جن کی لاشیں نہر میں پھینک دی گئیں۔ اس جگہ سے بھی سکھوں نے کئی مسلمان عورتیں اُٹھا لیں۔ بلوچ رجمنٹ کے سپاہیوں پر جو کھیتوں میں چھپ گئے تھے کچھ فیر بھی کئے۔ قافلہ وہاں سے ڈیرہ بابا نانک پہنچا۔ چونکہ وہاں بھی دینا نگر کی طرح چھین جھپٹ کا خطرہ تھا، اس لئے مسلمان فوجیوں نے آگے جا کر ڈیرہ میں جا بجا پہرے لگا دیئے۔ ڈیرہ بابا نانک کے پُل پر سکھ ملٹری کی گارد متعین تھی۔ ان سکھوں نے پُل پر سے گزرنے والوں کی تلاشی لی اور جو کچھ ان کے پاس از قسم نقد و زیور قیمتی مال تھا، ہتھیا لیا۔ اس طرح یہ قافلہ کوڑی کوڑی کا

محتاج ہو کر پاکستان پہنچا۔

جناب غلام حسین امرتسری لکھتے ہیں کہ میری پھوپھی کا خاندان تحصیل بٹالہ کے ایک گاؤں وائم تنگل میں مقیم تھا' جب وہ گاؤں سے نکل کر ڈیرہ بابا نانک کی راہ سے پاکستان جانے لگے تو پل پر سکھوں کا قبضہ تھا۔ یہ لوگ دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ دو روز دریائے راوی کے کنارے بیٹھے رہے اور گھاس پھوس کھا کر گزارا کرتے تھے۔ تیسرے دن صبح کے وقت سکھوں نے حملہ کر دیا۔ میری پھوپھی زاد بہنوں اور ان کی دو نندوں نے خدا کا نام لے کر دریا میں چھلانگیں مار دیں اور دریا کے پانی نے انہیں ہمیشہ کیلئے چھپا لیا۔ ان کے چار ننھے بچوں میں سے صرف ایک بچا' تین اپنی ماؤں کے ساتھ دریا کی نذر ہو گئے۔ بٹالہ سے میرے ماموں کے خاندان نے نارووال تک کا سفر انتہائی مصیبت میں اختیار کیا اور چھ دن میں درختوں کے پتے وغیرہ کھا کر وہاں پہنچے۔

(ان بیانات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ گورداسپور کی تین تحصیلوں کے مسکلمانوں پر کیا گزری؟ جو اس خیال میں مگن بیٹھے تھے کہ ان کا سارا ضلع پاکستان میں شامل رہے گا۔ مؤلف)

فیروز پور اور اُس کے مضافات

جناب احمد علی صاحب سراجؔ تحریر فرماتے ہیں:

ہمارا گھر فیروز پور شہر میں امرتسری دروازہ کی بند گلی میں سب سے اخیر واقع تھا' جس کے ارد گرد تمام سکھ آباد تھے۔ ۱۷؍اگست کی شام کو حد بندی کمیشن کے فیصلہ کا اعلان ہوا اور فیروز پور ایسا مسلم اکثریت رکھنے والا شہر بھی ہندوستان میں شامل کر دیا گیا۔ ۱۸؍اگست کی رات کو ہم گھر میں بیٹھے اطمینان کے ساتھ باتیں کر رہے تھے کہ قریب کے

چوک سے لاٹھیاں چلنے کی آوازیں آنے لگیں اور "ہائے مرگیا' ہائے مرگیا" کا شور برپا ہوا۔ عین اُسی وقت چوک میں سکھوں نے نعرے لگائے۔ ان نعروں کی صدائے بازگشت شہر بھر کے تمام محلوں سے اُٹھی اور ہر طرف سکھوں کے نعرے بلند ہونے لگے۔ پھر خاموشی طاری ہوگئی اور لوگ سو گئے۔ ایک گھنٹہ کے بعد پھر نعرے سنائی دینے لگے۔ اس طرح سکھ رات بھر نعرے مار مار کر دہشت پھیلاتے رہے۔ ۱۹؍اگست کی صبح نمودار ہوئی تو فضا بہت دہشت زدہ سی نظر آ رہی تھی تاہم ہمارے خاندان کے افراد جو دفتروں میں ملازم تھے' اپنے اپنے کام پر روانہ ہو گئے۔ ابھی دفتر میں کام کرتے ہوئے گیارہ ہی بجے تھے کہ ہمیں دفتر سے فوراً چلے جانے کا حکم مل گیا کیونکہ شہر میں فساد شروع ہو چکا تھا۔ معلوم ہوا کہ فیروز پور اسٹیشن پر جو مسلمان مسافر ٹکٹ خرید رہے تھے ان پر سکھوں نے حملہ کر دیا اور بہت سے مسلمانوں کو مار ڈالا۔ اس کے ساتھ سکھوں کے جتھوں نے مسلمانوں کے محلوں پر دھاوا بول دیا۔ ۱۹؍اگست کو ٹھیک صبح دس بجے شہر بھر میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ ہمارا دفتر چھاؤنی میں تھا۔ میں وہاں سے شہر کی طرف روانہ ہوا۔ اسٹیشن پر پہنچا تو وہاں گولیاں چل رہی تھیں۔ میں نے ایک درخت کی اوٹ میں پناہ لی۔ چند منٹ کے بعد میں اسٹیشن کی حدود سے باہر نکلا۔ وہاں ریلوے ملازمین کے کوارٹر تھے۔ ان ملازمین نے مجھے اپنے ہاں پناہ دی۔ شہر میں ۲۴ گھنٹہ کا کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ دوسرے دن پھر ۲۴ گھنٹہ کا کرفیو لگا دیا گیا' جو ۲۱؍اگست کو صبح ۸ بجے ختم ہونا تھا لیکن اس روز یہ حکم صادر ہوا کہ ۸ سے بجے بارہ بجے تک کرفیو ہندوؤں' سکھوں اور عیسائیوں کیلئے ہوگا۔ پھر دو گھنٹہ کرفیو لگے گا اور ۲ بجے سے شام کے چھ بجے تک مسلمانوں کو چلنے پھرنے کی اجازت ہوگی۔ مجھے اس بات کا علم نہ تھا۔ اس لئے میں وہاں سے چل پڑا۔ ٹاؤن ہال کے پاس ملٹری کے پہرہ دار نے مجھے روکا۔ وہ مسلمان تھا' اس نے مجھے بات سمجھائی اور واپس جانے کیلئے کہا۔ اس لئے میں

اسٹیشن پر چلا گیا اور ۲ بجے تک وہیں رہا اور پھر گھر کی طرف واپسی کے دوران ہی میں میرے گھر والوں نے مکان تبدیل کر لیا تھا۔ محلوں کے محلے مسلمانوں سے خالی ہو چکے تھے۔ دھوبیوں کے بیل کھلے پھر رہے تھے۔ سڑکوں پر جا بجا گاڑیاں کھڑی تھیں۔ مرغیاں، بطخیں، بھیڑیں، بکریاں بازاروں میں آوارہ پھر رہی تھیں۔ مسلمان گوجروں کی گائیں اور بھینسیں رسّوں اور زنجیروں سمیت کھلی پھر رہی تھیں۔ مسلمانوں کے محلوں میں ہُو کا عالم تھا اور عمارتیں دھڑا دھڑ جل کر گر رہی تھیں۔ اپنے گھر کے نزدیک پہنچا تو میرے چھوٹے بھائی نے مجھے پیچھے سے آواز دی۔ اس نے مجھے بتایا کہ گھر تبدیل کر لیا گیا ہے اور اب وہ مسلم اکثریت والے ایک محلہ میں چلے گئے ہیں۔

۲۱؍اگست کی صبح کو میرے والد گھر کے افراد کو لے کر شہر سے بھاگ جانے کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اس وقت کرفیو صرف ہندوؤں کیلئے کھلا تھا، جب وہ اپنا سامان لے کر اسٹیشن پر پہنچے تو ملٹری نے انہیں روکا اور کہا کہ تم مسلمان کیوں گھر سے باہر نکلے ہو۔ قطار میں کھڑے ہو جاؤ تاکہ تمہیں گولی ماردی جائے۔ والد نے منت سماجت کی اور کہا کہ ہمیں اس بات کا علم نہ تھا کہ کرفیو صرف ہندوؤں کے لئے کھلا ہے۔ اس پر ملٹری والوں نے کہا کہ سامان یہیں چھوڑ کر بھاگ جاؤ۔ چنانچہ وہ سب واپس لوٹ آئے۔

۲۱؍اگست کی شام کو ہم اپنے گھر سے کچھ سامان اُٹھانے کیلئے گئے۔ اس امر کے باوجود کہ کرفیو صرف مسلمانوں کیلئے کھلا تھا۔ سکھوں کے ایک گروہ نے ہم پر اینٹیں برسانی شروع کر دیں۔ ہم نے ملٹری کی مدد سے جو آگ بجھا رہی تھی، کچھ سامان نکالا اور اسٹیشن کو چل دیئے۔ رات کے دس بجے گاڑی چلی اور ہم لاہور پہنچ گئے۔

جناب غلام قادر صاحب لکھتے ہیں:

یوں تو مشرقی پنجاب کے ہر ضلع میں کشت و خون اور قتل و غارت کے دردناک

واقعات ظہور پذیر ہوئے لیکن فیروز پور کا ضلع بدترین آلام و مصائب کا تختۂ مشق بنا رہا۔ اس ضلع میں غایت درجہ کے تشدد کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اس کے چھوٹے بڑے تمام افسر اور اہل کار ہندو اور سکھ تھے، جو اپنی قوم کے فسادی عنصر کی کھلی طرفداری کرتے رہے۔ موگا اور فاضلکا کی تحصیلوں میں ۱۵؍ اگست سے پہلے ہی قتل و غارت کی وارداتیں شروع ہو گئی تھیں۔ موگا میں ایک مسلمان مجسٹریٹ اور سب پوسٹ ماسٹر کو ان کے بال بچوں سمیت قتل کر دیا گیا۔ فاضلکا سے ابوہر جانے والی سڑک پر تین مسلمان گاڑی بانوں کو قتل کیا گیا ۔ کوکری تحصیل موگا میں شبخون مار کر مسلمانوں کے تین چار خاندان تہ تیغ کر دیئے گئے۔

۱۳؍ اگست کو پولیس کے تمام مسلمان ملازمین سے ہتھیار لے لئے گئے اور انہیں نکال دیا گیا۔ ۱۵؍ اگست کو فیروز پور میں یوم آزادی کی خوشی میں جانور ذبح کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ فاضلکا میں کئی مسلمانوں کو گھروں اور دکانوں سے نکال کر شارع عام میں قتل کر دیا گیا۔ ۱۷؍ اگست کو اعلان ہوا کہ فیروز پور کا ضلع ہندوستان میں جائے گا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی ہر جگہ جتھے جمع ہونے لگے اور ۱۹؍ اگست کو صبح دس بجے ان جتھوں نے فیروز پور شہر اور ضلع بھر کے دیہات میں مسلمانوں کے قتل عام کی مہم شروع کر دی۔ فرید کوٹ اور پٹیالہ کے فوجی دستے اور ضلع فیروز پور کی پولیس ان کی امداد کر رہی تھی۔ فرید کوٹ سے نکلنے والے مسلمانوں کو فیروز پور کی سیدھی راہ سے قصور کی طرف آنے سے روک دیا۔ انہیں کہا گیا کہ مکتسر کی راہ سے آئیں، جہاں سکھوں کا ایک بے پناہ لشکر جمع ہو رہا تھا۔ اس لشکر نے فرید کوٹ کے مسلمانوں کے قافلے پر حملہ کر کے نوّے فیصد مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا۔ عورتیں چھین لیں۔ مکھو تحصیل زیرہ کی طرف سے آنے والے قافلوں کو گونڈی نپالال کے ایک مسلمان چودھری نے سکھ تھانیدار سے مل کر تباہ کرایا۔ ضلع فیروز پور کے مسلمانوں پر اتنی تباہی آئی کہ بمشکل پچاس فیصدی پاکستان پہنچے

میں کامیاب ہو سکے ہوں گے۔ جب ملٹری مسلمانوں کو قافلوں کی صورت میں لانے لگی تو عورتوں کو برہنہ کر کے ان کی تلاشی لی گئی۔ برہنہ عورتوں کا ایک قافلہ قصور تک آیا جہاں اسے کپڑے پہنائے گئے۔

شیخ مہر علی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

میں موگا کے مشہور شیخ خاندان کا ایک فرد ہوں' ہمارا خاندان تجارت پیشہ تھا۔ اگست کے آغاز ہی سے موگا کی فرقہ دار فضا مکدر نظر آنے لگی۔ غیر مسلم جلسے کرتے تھے اور جلوس نکالتے تھے اور مسلمانوں کو تنگ کرتے تھے۔ سبزی منڈی میں بم پھینکا گیا' جس سے ایک مسلمان شہید ہوا اور چند زخمی ہو گئے۔ ۶ راگست کو سکھوں نے قبرستان پر شبخون مارا اور چھ مسلمان فقیروں کو جو وہاں سو رہے تھے شہید کر دیا۔ ان حادثات کی وجہ سے موگا کے مسلمان وہاں سے نکلنے لگے۔ ۸ راگست کو ہمارا خاندان بھی لاہور آنے کے ارادے سے گھر سے نکلا۔ راستے میں غیر مسلم ہم پر حملہ کرنے کیلئے چھپے بیٹھے تھے۔ انہوں نے ہم پر ریوالور سے فیر کئے۔ میرا نوجوان بھتیجا وہیں شہید ہو گیا۔ ۹ راگست کو ہمیں ہسپتال سے مرحوم کی لاش ملی جسے ہم نے پولیس کی حفاظت میں سپرد خاک کیا۔ اُسی دن شام کو ہم فیروز پور پہنچ گئے اور فیروز پور میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہوا تو ۲۰ راگست کو لاہور آ گئے۔

اہلیہ حکیم محمد نعمان ساجد تحریر فرماتی ہیں:

مَیں جولائی کے وسط میں اپنے برادر عزیز قاضی مبارک احمد ٹیلی گراف کلرک کے ہاں فاضلکا پہنچی۔ اگست کے شروع میں میرے بھائی کو حکم ملا کہ تمہیں بہاول نگر میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ بھائی اکیلے وہاں چلے گئے اور ۱۵ راگست کو اہل وعیال کو لے جانے کیلئے واپس لوٹے۔ ۱۶ راگست کو ہم گاڑی پر سوار ہونے والے تھے کہ شہر میں فساد ہو گیا۔ سکھ مسلمانوں کو قتل کرنے اور اُن کے گھربار لوٹنے لگے۔ ہم رُک گئے۔ خیال تھا کہ فساد کی

روتھم جائے گی لیکن ۱۸؍اگست کو عید کے دن سارے فاضلکا میں وسیع پیمانہ پر مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ لوٹ مار اور قتل و غارت کی وارداتیں عام ہونے لگیں۔ شہر میں مکانات کو آگ لگا دی گئی۔ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ سکھ اور ہندو غنڈے کوچہ و بازار میں مسلمان عورتوں کی بے عزتی کرتے نظر آنے لگے۔ یہ ہیبت ناک مناظر دیکھ کر اور خوفناک حالات سن کر ہم بہت گھبرائے اور ۱۹؍اگست کو صبح سویرے ہی گھر سے نکل کر ریلوے اسٹیشن کی طرف چل دیئے۔ راستے میں کئی جگہ بڑی بڑی عمارتیں جلتی ہوئی نظر آئیں۔ راستے میں غنڈوں کے ایک گروہ نے ہمارے تانگے پر حملہ کرنا چاہا لیکن کوجوان گھوڑے کو تیز دوڑا کر ہمیں خطرے سے نکال لایا۔ اسٹیشن پر گاڑی تیار تھی، ہم اُس میں بیٹھ گئے۔ ہمارے پاس کوئی سامان نہ تھا۔ بستر اور کیش بھی ہم اپنے ساتھ نہیں لا سکے تھے۔ میں، میری بھاوج، اس کے دو بچے اور میرا بھائی جانیں بچا کر اسٹیشن پر پہنچے تھے۔ خیال تھا کہ گھر کا سامان مقفل ہے۔ امن چین ہونے پر بھائی آ کر لے جائیں گے۔ لیکن جو لوگ ہمارے بعد فاضلکا سے نکلے ان کا بیان ہے کہ ہمارے نکلنے کے فوراً بعد ہمارے مکان کو لوٹا گیا پھر نذر آتش کر دیا گیا۔ مکان تو ہمارا نہ تھا، ہم کرایہ دار تھے لیکن ہمارا بیس ہزار روپیہ کا ساز و سامان سکھ اور ہندو لٹیروں کی نذر ہو گیا۔ تاہم خدا کا شکر ہے کہ ہم عزت و آبرو اور جان کی سلامتی کے ساتھ نکل آئے۔

تحصیل زیرہ کا بے پناہ قافلہ:

ایک صاحب جو اپنا نام لکھنا بھول گئے ہیں، تحریر فرماتے ہیں:

ضلع فیروزپور میں سکھوں نے فسادات برپا کرنے کی ابتداء تحصیل موگا سے کی۔ ۲۲۔۲۳ رمضان مطابق ۱۰۔۱۱؍اگست کو سنا گیا کہ موگا میں تین اہم وارداتیں رُونما

ہوئی ہیں۔ ایک مجسٹریٹ پر قاتلانہ حملہ ہوا' جو زخمی ہونے کے چند گھنٹہ بعد راہیٔ ملک بقا ہو گیا۔ ایک مسلمان سب انسپکٹر پولیس جو تھانے کی طرف جا رہا تھا' مار دیا گیا۔ اور ایک میونسپل کمشنر پر ریوالور کے تین فائر ہوئے' جو انہی قدموں پر گر کر جاں بحق تسلیم ہو گیا۔ یہ تمام کارروائی سکھ علاقہ مجسٹریٹ اور ڈی ایس پی اور اسلحہ کے لائسنس دار لالہ دولت رام کے لڑکوں نے مل کر کی تھی۔ تینوں راشٹریہ سیوک سنگھ کے ممبر تھے۔ اسی رات سکھوں نے دیہات میں مسلم اقلیت پر حملے کئے' کوکری ارائیاں کی بستی پر رات کو چھاپا مارا' اور کئی خاندانوں کو عورتوں بچوں سمیت تہ تیغ کر دیا۔ بستی کے دو تین آدمی جو باہر کھیتوں میں فصلوں کو پانی دے رہے تھے' بچے اور بھاگ کر دوسری بستیوں میں پناہ گزیں ہوئے۔

اگلے دن موضع اندر گڑھ تحصیل زیرہ پر حملہ ہوا۔ اس گاؤں کی نصف آبادی سکھ اور نصف مسلمان تھی۔ امداد کیلئے ارد گرد سے بھی لوگ اکٹھے ہو گئے۔ سکھ سکھوں کی مدد کیلئے آئے' مسلمان مسلمانوں کی امداد کیلئے جمع ہوئے۔ پہلی جھڑپ میں سکھ گاؤں چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ لڑائی دو دن تک جاری رہی۔ تیسرے دن سکھوں کو سات مسلح لاریوں پر کمک پہنچ گئی' جس میں ریاست فرید کوٹ کے سپاہی بھی شامل تھے۔ سکھوں نے بم گرائے اور رائفلوں سے فیر کئے۔ مسلمانوں کے پاس نیزوں اور بھالوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ وہ مقابلے کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلے۔ اُس روز مسلمان سینکڑوں کی تعداد میں شہید اور زخمی ہوئے۔ جو بیچارے جانیں بچا کر بھاگے' اُن میں سے اکثر ڈھولے وال تحصیل زیرہ میں داخل ہو گئے' اور کچھ اِدھر اُدھر مسلمانوں کی آبادیوں میں بکھر گئے۔ اندگڈھ کے بعد کوٹ قائم خان' کوٹ عیسیٰ خان' نور پور لکھا وغیرہ پر عید کے دن حملے ہوئے۔ ان حملوں میں سکھوں کے ساتھ ڈوگرا ملٹری کے سپاہی بھی شریک تھے۔ حملہ آوروں نے ان دیہات کے مسلمانوں کو جانی نقصان پہنچایا اور منتشر ہونے پر مجبور کر دیا۔

۲۰ راگست کو موضع تکونڈی پر حملہ ہوا جو مسلمانوں کا ایک بہت بڑا مرکز تھا۔ اس مقام پر بہت سے مسلمان پناہ گیر جمع ہو رہے تھے۔ دو گھنٹہ مسلسل لڑائی ہوتی رہی۔ سکھ بھاگ گئے' ان کے بھاگنے کے فوراً بعد لاریوں پر سوار ڈوگرا ملٹری وہاں پہنچ گئی' جس نے مسلمانوں پر بے تحاشا فائرنگ شروع کر دی۔ لاتعداد مسلمان چشم زدن میں مٹی کا انبار ہو گئے۔ اب سکھ لوٹے اور انہوں نے گاؤں پر ہلہ بول کر غارت گری شروع کر دی۔ وہ بچوں' عورتوں' بوڑھوں اور جوانوں کو بلاامتیاز قتل کرنے لگے۔ یہ قصبہ منٹوں میں لاشوں کا انبار بن گیا۔ سکھوں نے مکانات کو آگ لگا دی اور آگ کی لپٹیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔

تکونڈی کا یہ انجام دیکھ کر ارد گرد کے دیہات کے مسلمان سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلے۔ سکھ ان خانماں برباد لوگوں پر حملے کرتے تھے اور نوجوان اور شکیل لڑکیوں کو اُٹھا اُٹھا کر لے جاتے تھے۔ اندازہ ہے کہ اس افراتفری کے عالم میں سکھوں نے مسلمانوں کی چار پانچ ہزار عورتیں ہتھیا لی ہوں گی۔ بچے کھچے لوگ' مرد عورتیں' بچے' زخمی اور تندرست بے سروسامانی کے عالم میں ڈھولے وال پہنچے۔ گاؤں کے ارد گرد بے حساب لوگ جمع ہو گئے۔ مشرق' جنوب اور مغرب سے جوق در جوق پناہ گیر آ رہے تھے۔ صرف شمال کی جانب دریائے ستلج کے کنارے کی مسلمانوں کی بستیاں ابھی تک محفوظ بیٹھی تھیں۔

۲۰ یا ۲۱ راگست کو دھرم کوٹ پر حملہ ہوا۔ صبح کے نو بجے تھے کہ دھرم کوٹ اور گرد و نواح کے دیہات میں خطرے کے نقارے بجنے لگے۔ ڈھولے وال سے سینکڑوں کی تعداد میں مسلمان نیزے اور بھالے سنبھالتے ہوئے دھرم کوٹ کی طرف دوڑے۔ قصبہ میں پہنچ کر مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور سکھوں پر جو دھرم کوٹ کے مسلمانوں کو لوٹ رہے تھے ہلہ بول دیا۔ سکھوں کے پاؤں اُکھڑ گئے' لیکن ابھی آدھ گھنٹہ نہیں گزرا

تھا کہ اس علاقہ کا سکھ ایم۔ ایل۔ اے۔ جیپ کار پر سوار وہاں آن پہنچا۔ اس کے ساتھ چند اور سکھ بھی تھے جو رائفلوں سے مسلح تھے۔ انہوں نے آتے ہی مسلمانوں پر فائرنگ شروع کر دی۔ چند ہی منٹ میں مشین گن چلنے لگے۔ دوسری جانب سے ڈوگرا ملٹری کی لاریاں آ گئیں، وہ بھی گولیاں کی موسلا دھار بارش برسانے لگیں اور دو گھنٹے میں قصبہ کا صفایا کر دیا۔ مرد بھاگ گئے تھے، عورتیں اور بچے گھروں میں دبکے بیٹھے تھے، چار بجے شام ملٹری کے ایک افسر نے حکم دیا کہ تمام مسلمان مرد اور عورتیں آدھ گھنٹہ کے اندر اندر اپنے گھروں کو خالی کر کے باہر نکل جائیں، کسی قسم کا سامان ساتھ نہ لیا جائے، جس کے پاس سامان ہو گا اُسے گولی سے اُڑا دیا جائے گا۔ عورتیں فی الفور بچوں کو لے کر گھروں سے نکل پڑیں، انہیں برقعے اور چادریں تک سنبھالنے کی بھی ہوش نہیں تھی۔ کچھ مرد باہر کنوؤں پر جمع تھے۔ سب نے اکٹھے ہو کر ڈھولے وال کا رُخ کیا۔ عورتیں ابھی دھرم کوٹ سے نکلی ہی تھیں کہ سکھوں نے مکانوں کو نذرِ آتش کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر دھرم کوٹ کے اردگرد کے دیہات بھی خالی ہو گئے اور ڈھولے وال میں مسلمان پناہ گزینوں کا ایک بے پناہ ہجوم اکٹھا ہو گیا۔

پناہ گیروں کے اس انبوہ کا خیال یہ تھا کہ دریائے ستلج کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے فیروزپور کی طرف چلیں لیکن ۲۱ راگست کو اطلاع ملی کہ موضع تکونڈی نیپالاں میں زور کی لڑائی ہو رہی ہے۔ شام کو وہ گاؤں بھی اور اس کے گرد و نواح کی بستیاں بھی خالی ہو گئیں، جنہیں سکھوں نے آگ لگا دی۔

اُسی دن ملٹری کے آدمیوں نے جن کے ساتھ لوہ گڈھ کا سکھ ایم۔ ایل۔ اے بھی تھا، مسلمانوں کے دیہات میں گشت لگا کر نوٹس دے دیا کہ گاؤں فی الفور خالی کر دیا جائے۔ یہ سکھ ایم۔ اے۔ ایل کہتا تھا کہ ہم یہاں خالصتان بنا رہے ہیں، تم لوگ اپنے

پاکستان میں چلے جاؤ۔ یہ حال دیکھ کر ڈھولے وال کے سرکردہ لوگوں نے بھی فیصلہ کرلیا کہ گاؤں خالی کر دیا جائے۔ چنانچہ گرد و نواح کے مسلمان بھی اپنے بال بچوں کو اپنے گھروں سے باہر نکال لائے۔ سب نے مل کر پاکستان کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ کرلیا۔

۲۳راگست کو ڈھولیوال کے چار پانچ لاکھ مسلمانوں کا قافلہ پاکستان کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی یہ قافلہ پہلے دن کی منزل سے تین کوس کے فاصلے پر تھا کہ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ اونٹ پھسلنے لگے، لوگ اپنا سامان پھینکنے لگے۔ غروب آفتاب کے وقت پہلی منزل پر پہنچے جہاں بارش نے ایک دن اور ایک رات روکے رکھا۔ تیسرے دن وہاں سے آگے چلے۔

جب سکھوں کو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا قافلہ اس راہ سے جا رہا ہے تو انہوں نے نہر کے بند کاٹ دیئے۔ راستے پانی سے بھر گئے۔ اس لئے قافلے والوں کو اپنی بیل گاڑیاں ساز و سامان سمیت پیچھے چھوڑنی پڑیں۔ ۲۵راگست کو یہ قافلہ مکھو تھانہ کے قریب پہنچ گیا۔ مکھو کے تھانیدار امر سنگھ نے قافلے کو وہیں روک لیا اور حکم دیا کہ کل سارے قافلے والوں کی تلاشی لی جائے گی اور پھر اسے آگے چلنے کی اجازت دی جائے گی۔ اس نے قافلے کے چیدہ چیدہ اشخاص کو اپنے پاس بھی بلایا اور کہا کہ گیارہ ہزار روپیہ ابھی لا دو تو قافلہ کو تلاشی کے بغیر آگے جانے کی اجازت دی جائے گی۔ سرکردہ اشخاص نے واپس آکر روپیہ جمع کیا۔ رات کے بارہ بجے یہ رقم ادا کی گئی۔ تھانیدار نے حکم دیا کہ صبح آٹھ بجے یہ جگہ خالی کر دی جائے۔ ادھر بارش ہو رہی تھی۔ سرکردہ اشخاص نے پھر منت سماجت کی اور دس بجے تک کی مہلت مانگی۔ اس مہلت کے لئے مزید تین ہزار روپیہ ادا کرنا پڑا۔

اگلے دن قافلہ مکھو سے آگے چلا۔ بیل گاڑیاں ساتھ لے جانے کی ممانعت کر دی گئی تھی، اس لئے جو گاڑیاں وہاں تک پہنچ سکی تھیں سامان سمیت وہیں چھوڑنی پڑیں۔

ابھی تھوڑی دیر چلے تھے کہ تھانیدار پولیس کے سپاہیوں اور سکھ بدمعاشوں کو ساتھ لئے راستہ روکے کھڑا نظر آیا۔ نہر کے پل پر سے گزرنے کی راہ دی گئی اور کہا گیا کہ سب کی تلاشی لی جائے گی۔

مردوں سے نقدی اور عورتوں سے زیور چھینے گئے اور اس طرح چھینے ہوئے مال کا انبار لگتا گیا۔ آگے نہر کی پٹڑی پر مسلح سکھ دو چار فرلانگ کے فاصلے پر کھڑے تھے' جو مسلمان وہاں پہنچتا تھا اسے کاٹ کر نہر میں پھینک دیتے تھے۔ اِدھر جب پندرہ بیس مرد' عورت' بچے وغیرہ گزر جاتے تو فائرنگ ہو جاتی اور کہا جاتا کہ آہستہ آہستہ گزرو۔ فائر کی آواز سن کر لوگ پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ تھانیدار پھر پندرہ بیس آدمیوں کو بلا لیتا تھا اور اُن کی تلاشی لے کر آگے روانہ کر دیتا تھا۔ آگے جا کر وہ قتل ہو جاتے تھے اور ان کی نعشیں نہر میں ڈال دی جاتی تھیں۔ چار پانچ گھنٹے یہ قصہ جاری رہا۔

اتنے میں اچانک ملٹری کی تین لاریاں آن پہنچیں۔ اس ملٹری کا آفیسر لاریوں کو ایک میل پیچھے چھوڑ کر قافلے میں سے گزرتا ہوا موقع پر پہنچ گیا۔ تھانیدار نے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو اس نے اپنے ساتھی سکھوں کو نقدی اور زیورات کے انبار سمیٹ کر بھاگ جانے کیلئے کہا۔ میجر نے پوچھا تو تھانیدار نے کہا کہ میں علاقہ مجسٹریٹ کے حکم سے قافلے کی تلاشی لے رہا ہوں۔ میجر نے حکم دیا کہ تم فی الفور یہاں سے چلے جاؤ۔ میجر نے تمام قافلے کو پیچھے ہٹایا اپنے سپاہی جو لاریوں میں تھے' اپنے پاس بلائے' تمام زخمیوں کو یکجا کیا اور ٹرکوں پر لاد کر ۳۵ میل دور موگا کے ہسپتال میں بھجوایا۔ زخمی اس قدر تھے کہ سب کے سب ان ٹرکوں میں نہیں جا سکتے تھے۔ اس لئے کچھ زخمی وہیں سپاہیوں کی تحویل ہی میں رہے تا کہ اگلے دن اُٹھائے جائیں۔ اس طرح وہ زخمی دو دن میں موگا کے ہسپتال میں پہنچائے گئے۔ تھانیدار امر سنگھ نے ان زخمیوں پر بھی

راستے میں حملہ کرا دیا۔ زخمیوں کے ٹرکوں کے ساتھ جو فوجی سپاہی تھے۔ انہوں نے حملہ آوروں پر فیر کیے اور کئی بدمعاشوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا۔ ان بدمعاشوں میں امر سنگھ تھانیدار بھی تھا جو گولی کھا کر مر گیا۔

قافلہ فوجی سپاہیوں کی حفاظت میں چلا اور چوتھے روز فیروز پور کے پل یعنی پاکستان کے دروازے پر پہنچا۔ یہ تحصیل زیرہ کے تباہ حال مسلمانوں کا تیسرا قافلہ تھا جو پاکستان میں داخل ہوا۔

تحصیل زیرہ کے متعلق ایک اور بیان:

جناب محمد صدیق صاحب ثاقبؔ کا ایک بیان روزنامہ ''انقلاب'' مورخہ ۶ ستمبر میں شائع ہوا تھا، جس میں وہ لکھتے ہیں:

پندرہ اگست تک ریاست فرید کوٹ کے فوجی دستے رتن سنگھ لوہگڈھیہ ایم۔ ایل۔ اے کی جعلی ملٹری اور پولیس، مشرقی پنجاب کی باقاعدہ پولیس اور ڈوگرا فوج موگے سے مسلمانوں کا خاتمہ کر چکی تھی۔ یہی وہ دن تھا جس دن موگا کے چودھری عبدالعزیز مجسٹریٹ کو گولی مار کر شہید کیا گیا۔

۱۵ اگست کی رات کو زیرہ تھانے کے تھانیدار صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ فرید کوٹ ریاست کے بعض ملازم زیرے میں بھی وارد ہوئے ہیں اور امرتسر میں مسلم پولیس کو بے ہتھیار کر کے گولیوں سے اُڑایا گیا ہے۔ موگے میں مجسٹریٹ کے علاوہ ایک تھانیدار اور دو سپاہیوں کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا ہے۔ یہ حالات سن کر تھانیدار صاحب نے ارادہ کر لیا کہ وہ اسی دن تھانے کے مسلمان عملہ کو لے کر چارج دیئے بغیر نکل جائیں۔ میں ان کے مشورے سے اگلے دن زندگی کو خطرے میں ڈال کر چھپ چھپا

کراونٹ پر سوار ہو کر فیروز پور پہنچا۔ وہاں ڈاکٹر نذیر اور سٹی مسلم لیگ کے صدر سعادت نواز خان سے ملا۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ فیروز پور اور زیرہ کی تحصیلیں پاکستان میں ہیں۔ نواب صاحب ممدوٹ نے خاص طور پر انہیں اس بات کی اطلاع دی ہے اور مجھے رہنے کی تلقین کی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مسلم لیگی زعما فیروز پور اور زیرہ میں وارد ہو کر تمام انتظامات ٹھیک ٹھاک کر دیں گے۔

میں اس روز بڑی مشکل سے گھر پہنچا۔ لدھیانہ اور جالندھر لائین کی گاڑیاں بند ہو چکی تھیں اور زیرے سے دس میل دور تلونڈی بھائی کے مسلمانوں پر حملہ ہو چکا تھا۔ اس حملے میں تلونڈی اور اردگرد کے دیہات کے دو تین ہزار مسلمانوں میں سے بمشکل چند سو افراد جان بچا کر زیرے پہنچے۔ میں نے یہ ساری کہانی تھانیدار صاحب سے بیان کی۔ وہ اگلے دن اپنے مسلمان عملہ سمیت مکھو کی طرف روانہ ہو گئے۔

تلونڈی کے بعد موڈھیوالہ، جوئیاں، سکھواں، پنڈوری جٹاں، مسیتاں اور دیگر مسلم دیہات پر حملے ہوئے۔ بعض دیہات سے تو ایک بچہ بھی بچ کر نکل نہ سکا۔ سکھ جوان اور پاکیزہ دوشیزاؤں کو اُٹھا اُٹھا کر لے گئے۔

۱۹/اگست کو ایک سکھ تھانیدار زیرہ میں وارد ہوا۔ اس کے ہمراہ تیس سپاہی تھے جو تمام کے تمام چوہڑے اور باؤریئے معلوم ہوتے تھے۔ یہ سپاہی فوج سے نکلے ہوئے یا بھاگے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس نمبر ۳۰۳ کی رائفل تھی۔ ملیشیا کے پاجامے اور قمیصیں پہنے تھے۔ ان کی قمیص کی کمر پر سیاہ چوکور سا نشان لگا ہوا تھا۔ ان کے چہروں اور آنکھوں سے غیظ و غضب کے شعلے نکل رہے تھے، وہ سب کے سب خونی دکھائی دیتے تھے۔ ان کی آمد پر زیرے کے لوگ محسوس کرنے لگے کہ اب زیرہ پر بھی حملہ ہو کر رہے گا۔

میں اس تھانیدار کی آمد کے دو گھنٹہ اور میونسپل کمیٹی کے پریذیڈنٹ اور امن کمیٹی کے صدر سردار چنن سنگھ کی معیت میں تھانیدار کے پاس گیا۔ اُس وقت اُس کے پاس زیرہ تحصیل کے سکھ بدمعاش جمع تھے' جن میں سے بوڑ سنگھ ستو والہ' بلا سنگھ گاڈیوال والا' اور لال سنگھ ڈھنڈیاں والا قابل ذکر ہیں۔ میں نے اور سردار چنن سنگھ نے تھانیدار سے امن کے متعلق بات چیت کی۔ تھانیدار نے جواب دیا: انسان کے بس میں کیا ہے' سکھوں سے ناانصافی ہوئی ہے۔ مسلمانوں کو پاکستان مل گیا ہے' ہندوؤں کو ہندوستان مل گیا ہے' سکھوں کو کچھ بھی نہیں ملا' اس کے پاس تو صرف گنڈاسا اور برچھا ہے' انہی کے بل پر وہ اپنے لئے کوئی راہ نکال لے گا۔ جذبات اس قدر بھڑک چکے تھے کہ ان کا انسداد دشوار ہے۔ یہ جواب لے کر ہم واپس آ گئے۔

راستے میں ہمیں ایک گھڑ سوار سکھ ملا جو تھانہ میں اطلاع دینے کیلئے جا رہا تھا کہ نیلے والے کے مسلمانوں نے سکھوں پر حملہ کر دیا ہے۔ میں اور سردار چنن سنگھ یہ بات سن کر بہت حیران ہوئے کیونکہ نیلے والا ایک ایسا گاؤں تھا جس میں سکھ اور مسلمان برابر کی چوٹ تھے اور اردگرد کے مسلمان دیہات خالی ہو چکے تھے۔ اطلاع ملنے پر تھانیدار اپنی جمیعت کو لاریوں پر بٹھا کر نیلے والے کی طرف روانہ ہو گیا۔ آدھی رات کے قریب نیلے والے سے آگ کے شعلے بلند ہوتے دکھائی دینے لگے۔ صبح سویرے ایک پٹواری میرے پاس بھاگا بھاگا آیا کہ رات فوج اور پولیس نے اکالیوں کی بھاری جمیعت کے ساتھ نیلے والے پر ہلہ بول دیا تھا۔ تین سو مسلمان موقع پر بُری طرح ذبح کر دیئے گئے' پچیس چھبیس مسلمان بمشکل جان بچا کر نکلے۔ مسلمان لڑکیوں اور جوان عورتوں کی ایک لاری بھر کر موگے بھیج دی گئی۔

سکھ مسلمانوں کے دیہات کو تاراج کرنے کیلئے ایک منظم سکیم پر عمل کر رہے

تھے۔ ایک جتھا رتن سنگھ ایم۔ ایل۔ اے کی سرکردگی میں کام کر رہا تھا‘ جس کے ہمراہ فوج اور پولیس کے سپاہی بھی ہوتے تھے۔ دوسرا جتھا زیرے کی پولیس کے ہمراہ حملے کرتا تھا‘ اور تیسرا ریاست فرید کوٹ کی فوج اور موگے کی پولیس کی قیادت میں ہلے بولتا تھا۔ ان تینوں گروہوں کے حملے کرنے کے طریقے مختلف تھے۔

چھوٹے چھوٹے دیہات قریب کے کسی حملہ سے متاثر ہو کر خود بخود خالی ہو جاتے تھے۔ جتھا وہاں پہنچ کر گھروں کو لوٹتا اور مکانوں کو آگ لگا دیتا تھا۔ رتن سنگھ کا گروہ جو چار پانچ سو اکالیوں پر مشتمل ہوتا تھا‘ چھوٹے چھوٹے دیہات کے گرد گھیرا ڈال لیتا تھا‘ اس کے بعد رتن سنگھ کی جیپ کاریں مسلح پولیس کے ساتھ گاؤں میں داخل ہوتی تھیں۔ رتن سنگھ لوگوں کو امن کی تلقین کرتا تھا اور پولیس کے سپاہی مسلمانوں کی تلاشی لے کر ہتھیار چھین لیتے تھے۔

اس کے بعد ہندوؤں کو ایک طرف اور مسلمانوں کو ایک طرف کر کے مسلمانوں پر گولیاں چلا دیتے تھے۔ مسلمان فیروں سے بچنے کیلئے بھاگتے تھے تو گھیرا ڈالنے والے اکالی انہیں گنڈاسوں‘ برچھوں‘ کرپانوں اور ٹکوؤں وغیرہ سے کاٹ ڈالتے تھے۔ جوان لڑکیوں کی مشکیں کس لی جاتی تھیں اور گاؤں ہی میں ان کی عصمت ریزی کرنے کے بعد انہیں لاریوں میں لاد کر موگے کی طرف بھیج دیا جاتا تھا۔

دوسرے گروہ کے حملے کا طریق بھی قریب قریب یہی تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ پہلے کوئی سکھ تھانے میں جا کر غلط رپورٹ پیش کرتا تھا۔ اس پر زیرے کی پولیس وہاں چلی جاتی تھی۔ رپٹ دینے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ سکھ اس گاؤں پر حملہ کر رہے ہیں‘ اس لئے پولیس کو چاہیئے کہ بروقت ان کی امداد کیلئے پہنچ جائے۔ تیسرا گروہ جس میں ریاست فرید کوٹ کے فوجی دستے شامل تھے‘ ان بڑے بڑے دیہات پر حملہ کرتا تھا جہاں مسلمان

پناہ گیر جمع ہو جاتے تھے۔ بعض مقامات پر تینوں گروہ مل کر حملہ کرتے تھے۔ بہک گوجراں، ملانوالہ، نیلے والا، تلونڈی جلّے خاں، چوٹیاں ڈھولے والا، ملہو تلونڈی، نیپالاں، دھرم کوٹ، قادروالا اور لہرہ ایسے مقامات ہیں جہاں تینوں گروہوں نے مل کر سخت حملے کیے اور ہر مقام پر دو دو تین تین ہزار مسلمان شہید کر ڈالے۔ حملہ کے بعد لوٹ کھسوٹ کا سلسلہ کئی کئی دن تک جاری رہتا تھا اور پولیس مٹی کا تیل لے جا کر لاشوں کو جلا دیتی تھی۔

ایک شام زیرہ پولیس کے سکھ سب انسپکٹر پولیس کی کارگزاری کی داستان ایک سکھ فخریہ طور پر یوں بیان کر رہا تھا کہ ’’مسلمان تو ہم نے بھی بہت مارے ہیں لیکن اُس مائی کے لال کا مقابلہ مشکل ہے جس نے تلونڈی جلّے خاں میں ایک سو سے زیادہ زندہ بچے اپنے ہاتھ سے آگ میں جھونکے‘‘۔

تلونڈی جلّے خاں سے جوان عورتوں اور لڑکیوں کی تین لاریاں بھر کر مالوے بھیجی گئیں اور کچھ زیرہ کی پولیس کو تحفۃً پیش کی گئیں۔

۲۹راگست کی صبح کو قصبہ زیرہ کے نہتے مسلمانوں کا ایک قافلہ آٹھ مسلمان فوجی سپاہیوں کی معیت میں پاپیادہ فیروز پور کو روانہ ہوا۔ اس وقت تحصیل زیرہ کے وہ مسلمان جو موت کے پنجے سے بچ نکلے تھے لیکن موت ان کی تلاش میں پھر رہی تھی، قافلوں کی صورت میں فیروز پور ہیڈ کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ ان میں سے ایک قافلے کو جو سید مالھے شاہ کی قیادت میں مکھو سے چلا تھا، اُسے راہ میں روک لیا گیا اور دس دس کر کے دو ہزار آدمی موت کے گھاٹ اُتار دیئے۔ دوسرا قافلہ چودھری عبدالعزیز ذیلدار کی قیادت میں پہلے قافلے کی لاشوں پر سے گزرتا ہوا فیروز ہیڈ کی راہ سے قصور پہنچا، اس قافلے کے کوئی ایک سو افراد امر سنگھ تھانیدار کی گولیاں کی نذر ہو گئے۔

(اس کے بعد آنے والے بے پناہ قافلہ کا حال پہلے درج کیا جا چکا ہے، مؤلف)

جالندھر اور اس کے مضافات

جالندھر شہر کی سرگزشت:

لندن کے اخبار ڈیلی ٹیلی گراف میں ۲۲راگست کو اس کے خاص نامہ نگار کا حسب ذیل بیان شائع ہوا۔

آج میں جالندھر پہنچا' یہ شہر پہلے ایک ہنستا ہوا صاف ستھرا مقام تھا' لیکن اب یہ مُردوں کی بستی ہے جس کی فضائیں شعلوں اور دھوؤں سے مسحور نظر آ رہی ہیں۔ یہاں پیر کے دن (۱۸راگست یوم عید الفطر) ہلاکت کا قصہ شروع ہوا اور منگل کے روز اپنی معراج پر پہنچ گیا۔

سرحدی فوج کے ایک نوجوان مسلم کپتان نے مجھے شہر کے دروازے پر روکا۔ اُس نے کہا "اس شہر پر قابو رکھنے سے ہماری مختصر اور ناکافی جمعیت قاصر رہ گئی ہے۔ مقامی حکام فتنہ و فساد کرنے والوں کی امداد کر رہے ہیں' اگر آپ شہر میں جانا چاہتے ہیں تو اپنی ذمہ داری پر جا سکتے ہیں"۔

میں کار پر سوار تھا اور شہر میں داخل ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ ہر کوچے اور ہر بازار میں سکھ اپنی تلواریں لہراتے ہوئے پھر رہے ہیں اور مسلمانوں کے اُن مکانات کو جو ابھی کھڑے ہیں مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا رہے ہیں۔ پنڈت نہرو کی پولیس کھڑی تماشا دیکھتی ہے۔ نیچے ایک چوراہے پر بچے کھچے مسلمان پناہ گیر جمع ہو رہے تھے۔ ایک لاکھ بیس ہزار کی مسلم آبادی میں سے یہی مٹھی بھر لوگ باقی رہ گئے تھے۔ قریب کے کوچے سے آگ لگانے والوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں' وہ ان گھروں کو جنہیں یہ پناہ گیر چھوڑ کر آئے تھے' لوٹ رہے تھے اور نذر آتش کرتے جاتے تھے۔ عام اندازہ یہ ہے کہ جالندھر شہر میں دو

دن کے اندر کوئی ایک ہزار مسلمان تہ تیغ کر دیئے گئے۔ اس تعداد میں سے نصف وہ لوگ تھے جو منگل کی شب کو گھروں میں سوتے ہوئے زندہ جلا دیئے گئے تھے۔

پنجاب محمد نذیر صاحب رضوی رقمطراز ہیں:

۱۷؍اگست کی شام کو ہم عید کا چاند دیکھنے کیلئے کوٹھے پر چڑھے ہی تھی کہ کسی نے پکار کر دیا: جالندھر ہندوستان کا حصہ بن گیا‘ ریڈیو پر اعلان ہو گیا‘‘ اِدھر چاند کو دیکھ کر دُعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے اُدھر سے گولی کی سنسناہٹ کان میں سنائی دی۔

عید کی صبح کا آفتاب طلوع ہوا۔ شہر سے خبریں آنے لگیں کہ اڈہ ہوشیار پور میں ایک مسلمان کو قتل کر دیا گیا۔ ریلوے اسٹیشن پر چار مسلمانوں کو کاٹ کر لائین پر پھینک دیا گیا۔ منڈی فنٹن گنج کے قریب چند مسلمان عورتوں سمیت جا رہے تھے وہ سب کے سب شہید کر دیئے گئے۔ پیر مودودی کی مسجد میں سکھ گھس گئے اور مسجد کی بے حرمتی کی۔

شہر میں حکام نے کرفیو آرڈر نافذ کر دیا‘ لیکن یہ نرالہ قسم کا کرفیو تھا۔ سکھ اور ہندو جوق در جوق آزادی کے ساتھ چلتے پھرتے تھے۔ مسلمان اگر دروازے سے باہر قدم رکھتا تھا تو اسے گرفتار کر لیا جاتا تھا۔

شام ہوئی اور ہماری بدبختیوں کی رات شروع ہو گئی۔ ہندوستانی حکومت کے ٹھیکہ داروں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ انہوں نے پہلے ہی سے پروگرام مرتب کر رکھا تھا۔ ان کی ٹولیاں شہر کے مختلف اقطاع میں پھیل گئیں۔ ہر ٹولی کے پاس ایک ایک لاری تھی جس میں پٹرول‘ مٹی کا تیل اور آگ لگانے کا دوسرا سامان بھرا ہوا تھا۔ ایک ایک کار تھی جس میں پولیس کے پانچ پانچ سپاہی آگ لگانے کیلئے بٹھائے گئے تھے۔ انہوں نے باقاعدہ سلسلہ وار فہرست کے مطابق آگ لگانی شروع کر دی۔ ہندو اور سکھ اپنی کمین گاہوں سے گولیاں برسانے لگے۔ جب کوئی مسلمان ان کے فیروں کا جواب دیتا تو

پولیس وہاں پہنچ کر اس کے مکان کے گرد گھیرا ڈال دیتی اور بندوق یا رائفل چھین کر اس کے گھر کو آگ لگا دیتی۔ اس شخص کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے جاتی۔

پنج پیر سے امام ناصر الدین تک مسلمانوں کی تمام دُکانیں اور عمارتیں آگ کی نذر ہو گئیں۔ شہر کے چاروں کونوں سے آگ کے شعلے اور دُھوئیں کے بادل اُٹھتے دکھائی دینے لگے۔ اس پُر ہول کیفیت میں رائفلوں کے فیر اور بموں کے دھماکے اور بھی غضب ڈھا رہے تھے۔ مسلمانوں کو ہر طرف موت منہ کھولے نظر آنے لگی۔

رات کے دس بجے ہندوؤں اور سکھوں کے ایک ہجوم نے شہر سے باہر کشن پورہ محلہ کی مسلم آبادی پر حملہ کیا۔ صبح چار بجے تک جنگ ہوتی رہی۔ صبح تک صرف چند مسلمان زندہ برآمد ہوئے باقی شہید کر دیئے گئے۔ مسلم نیشنل گارڈ کے ایک سالار ڈاکٹر غلام محمد بھی اسی محلہ کے رہنے والے تھے، جنہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ اگلے روز صبح کے آٹھ بجے شاہ سکندر کے قبرستان کے قریب کی مسلم آبادی پر حملہ ہوا۔ اس بستی کے تمام مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ صرف چند عورتیں اور چند بچے زندہ بچے۔

اسی اثناء میں ایک مسلمان بھاگا ہوا آیا اس نے کہا کہ شہر میں ملٹری آ گئی ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ مسلمان آدھ گھنٹہ کے اندر اندر شہر خالی کر دیں، ورنہ تمام مسلمانوں کو گولی سے اُڑا دیا جائے گا۔ تمام مسلمان گھروں کو چھوڑ کر چل دیئے۔ عجب ہولناک منظر تھا۔ ہر شخص اپنی اپنی راہ تلاش کر رہا تھا۔ کوئی کسی گاؤں کی طرف جا رہا تھا، کوئی کسی بستی میں پناہ لینے کیلئے روانہ ہو رہا تھا۔ ماں کو بیٹے کی خبر نہ تھی، بیٹے کو ماں کا پتا نہ تھا۔ نفسا نفسی کے اس عالم میں عورتیں چیخیں مار مار کر رو رہی تھیں۔ بچے سڑکوں کے کناروں پر پڑے چلّا رہے تھے۔

اسی ہلچل کے دوران میں بلوچ ملٹری کا ایک ٹرک آیا۔ ان مسلمان فوجیوں کے زیرِ نگرانی ستم رسیدوں کا ایک بھاری قافلہ گھرلہ کنکرہ کی طرف چل دیا۔ باقی لوگوں نے شہر کی مختلف جگہوں پر اکٹھے ہو کر ڈیرے ڈال دیئے۔ دو دن کے بعد چھاؤنی میں پناہ گزینوں کا کیمپ کھولا گیا اور لوگ ٹرکوں میں بیٹھ کر اس طرف جانے لگے۔ پناہ گزیں ٹرکوں میں بھوسے کی طرح لادے جا رہے تھے۔

کیمپ میں کسی قسم کا انتظام نہ تھا۔ کھانے کیلئے روٹی اور پینے کیلئے پانی تک میسر نہ آتا تھا۔ کیمپ کی حفاظت کیلئے ڈوگرا ملٹری متعین تھی؛ جس کا رویہ بہت ظالمانہ تھا۔ کیمپ میں ہماری وہ مائیں اور بہنیں برہنہ سر اور برہنہ پا پھر رہی تھیں؛ جن کو پہلے کسی غیر مرد نے دیکھا تک نہ تھا۔ عورتیں اناج کے ایک ایک دانے کو ترستی پھر رہی تھیں۔

کچھ دن بعد پناہ گزینوں کو ٹرکوں اور لاریوں پر لے جانے کا سلسلہ شروع ہوا جو فوجی لاریاں لے کر آتے تھے؛ وہ سرمایہ داروں سے رشوت لے لے کر ان کے کنبوں کو لاریوں اور ٹرکوں میں بٹھا بٹھا کر لے جاتے تھے۔ غریب اور مفلس منہ تکتے رہ جاتے۔

کچھ دن بعد کیمپ میں غلاظت کے ڈھیر لگنے کے باعث ہیضہ پھیل گیا۔ مشرقی پنجاب کی گورنمنٹ نے حکم دیا کہ ان پناہ گیروں کو بیرکوں سے نکال کر کھلے میدان میں ڈال دیا جائے۔ نیا کیمپ تین میل دُور سول پولیس لائن کے سامنے والے میدان میں ڈالا گیا۔ لوگ پا پیادہ چل کر وہاں پہنچے۔ مغرب کے قریب بارش ہونے لگی۔ تین دن تک مسلسل موسلا دھار بارش ہوتی رہی۔ میدان سارا پانی پانی ہو گیا۔ پناہ گزینوں کا سامان ڈوبنے لگا۔ آگ جل نہیں سکتی تھی؛ اس لئے چار دن فاقہ سے رہنا پڑا۔ اس بارش کے دوران میں اور اس کے بعد بیسیوں پناہ گیر مر گئے؛ بعض کو تو کفن تک میسر نہ آ سکا۔

چار دن کے بعد حکم ملا کہ پناہ گیر پھر بیرکوں میں چلے جائیں۔ سب کے سب

پھر وہاں پہنچے۔ پھر حکم ہوا کہ کیمپ گڑھا گاؤں میں جائے گا۔ تمام پناہ گزین اُدھر چل دیئے۔ وہاں سے ریلوے کا پھاٹک نزدیک پڑتا تھا۔ دونوں حکومتوں کے درمیان سمجھوتا ہوگیا کہ دونوں قوموں کے پناہ گزین پُرامن طریقے سے اِدھر سے اُدھر پہنچائے جائیں گے اور اُدھر سے اِدھر لائے جائیں گے۔ یکم اکتوبر سے دو ریل گاڑیاں روزانہ چلنے لگیں جنہوں نے ۹/ اکتوبر تک گڑھا کیمپ کے واردین کی ساری جمعیت کو اُٹھا لیا۔ (یہ پہلا اجتماع تھا' از اں بعد اس مقام پر اور قافلے بھی اُتارے گئے۔ مؤلف)

جناب محمد اصغر صاحب لکھتے ہیں:

پاکستان اور ہندوستان کا اعلان ہوا اور ہندوؤں اور سکھوں نے جالندھر شہر میں اُودھم مچا دیا۔ پولیس کے اکثر مسلمان افسر اور سپاہی پاکستان جا چکے تھے' جو باقی رہ گئے تھے اُن سے ہتھیار لے لئے گئے تھے۔ ہم نے عیدالفطر کی نماز خوف کی وجہ سے اپنے بازار ہی کی مسجد میں پڑھی' جس میں صرف سات آٹھ مسلمان شامل ہوئے۔ ہم عید کی نماز سے فارغ ہوئے تھے کہ شہر بھر میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہوگیا۔ ہر بازار' ہر گلی اور ہر کوچے میں مسلمان شہید ہونے لگے۔ بازاروں میں جعلی ملٹری دکانوں کو آگ لگانے لگی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں سارا شہر دھڑا دھڑ جلنے لگا۔ آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بادل اُٹھ اُٹھ کر آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ چیدہ چیدہ مسلمانوں کو آوازیں دے دے کر کہ فلاں افسر تمہیں بلاتا ہے' گھر سے باہر نکالا جاتا تھا۔ جونہی وہ نکلتا تھا گولی کا نشانہ بنا لیا جاتا تھا۔ عید کی رات کو آگ لگانے کا یہ سلسلہ زور شور سے جاری رہا۔ عید کے اگلے دن بھی ہندو اور سکھ بلوائیوں کی ٹولیاں مقامی افسروں کی سرکردگی میں یہی کام کرتی رہیں۔ مردوں کو گھر سے باہر بلا کر گولی مار دی جاتی تھی۔ عورتوں اور بچوں سے کہا جاتا کہ نکل جا [illegible] ے گھر کو آگ لگائی جائے گی۔ گھر کا موٹا موٹا سامان لوٹنے کے بعد آگ لگا دی جاتی۔ یہ کام

بڑے ہی منظم طریق سے ہو رہا تھا۔ کسی بازار یا محلہ میں پہلے موٹر کے ہارن کی طرح موٹی آواز کا ہارن بجتا تھا۔ جعلی ملٹری کے دستے الارم کی آواز سن کر وہاں پہنچ جاتے تھے اور مسلمانوں کو قتل کرنے لگتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد باریک آواز کا الارم بجتا' جس کے معنی یہ تھے کہ راستہ صاف ہے اب اس جگہ کوئی مزاحمت نہیں۔ اس الارم پر غنڈوں کی ٹولیاں ٹوٹ پڑتی تھیں اور مکانوں اور دکانوں کو لوٹنے لگتی تھیں' پھر آگ لگا دیتی تھیں۔ آگ لگانے کا سامان پٹرول' گھاس پھوس وغیرہ ان کے پاس ہوتا تھا۔ ۱۹ اگست کی صبح کو میں کوٹھے پر چڑھا' فوراً ایک گولی سنسناتی ہوئی' میرے سر پر سے گزر گئی۔ میں نے پاخانہ میں پناہ لی اور جھروکوں میں سے دیکھا کہ محلہ کی مسجد کی چھت پر سکھوں کی ایک ٹولی کھڑی ہے اور ہر طرف گولیاں برسا رہی ہے۔ نیچے اُترا تو ہماری دکان کے آگے غنڈے جمع ہو رہے تھے اور مجھے آوازیں دے دے کر بلا رہے تھے۔ میں نے دروازہ نہ کھولا تو انہوں نے دکان کے تالے توڑ کر سامان لوٹا اور آگے نکل گئے۔ یہ حال دیکھ کر ہم نے گھر کی قیمتی اشیاء' نقدی اور زیور جمع کئے اور ان کی گٹھڑی باندھ کر اپنے ملازم نور محمد سے کہا کہ وہ اس سامان کو لے کر کسی طرف نکل جائے۔ نور محمد گھر سے نکلا' میں بالاخانے پر چڑھ کر اسے دیکھنے لگا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ نور محمد بھاگا جا رہا ہے اور ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور تھانیدار پستول تانے ہوئے اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ ان کے ساتھ سو ڈیڑھ سو کے قریب بدمعاش بھی ہیں۔ منوہر لال تھانے دار نے نور محمد کو پکڑ کر اس سے گٹھڑی چھین لی اور پستول کی گولی سے اسے وہیں ڈھیر کر دیا۔ ازاں بعد اس کی لاش پر پٹرول چھڑک کر اُسے آگ لگا دی گئی۔ دس منٹ کے بعد یہ لوگ ہمارے گھر کا دروازہ توڑنے لگے۔ اے ڈی ایم حکم دے رہا تھا کہ ''لگا دو آگ'' ''کافر حرامی بدذات بچ کر نہ جانے پائیں'' دکان کے دروازوں پر تیل چھڑک کر آگ لگا دی گئی اور پارٹی آگے نکل گئی۔

اتنے میں میرے عم زاد بھائی شمشاد عرف مٹو نے اپنے ایک ہندو دوست ملکھی کو بازار میں دیکھا اور اس سے چلّا کر التجا کی کہ ہمیں بچاؤ۔ ملکھی نے کہا کہ میں اس شرط پر تمہاری جان بچا سکتا ہوں کہ تم گھر کا کوئی سامان اپنے ساتھ نہ لو۔ آگ ابھی بھڑکی نہ تھی اس لئے ہم اُسے بجھانے میں کامیاب ہو گئے اور خاندان کے اکیس افراد گھر سے نکلے۔ ہندو بدمعاشوں نے سب کی تلاشی لی اور بڑی فحش کلامی سے پیش آئے۔ یہ حال دیکھ کر عورتیں اور بچے گلی کی طرف بھاگے۔ میری بیوی حاملہ تھی وہ بیہوش ہو کر گر پڑی۔ آگے جعلی ملٹری کے چار سکھ تلواریں سونتے کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے یہاں رکھ دو۔ وہاں کچھ ہندو بھی آ گئے‘ انہوں نے کہا کہ ان کے پاس کچھ نہیں‘ ہم تلاشی لے چکے ہیں۔ ہم گلیوں اور کوچوں میں سے گزرتے ہوئے شام کے قریب چوک مفتیاں میں پہنچے‘ وہاں ہم نے سردار محمد نامی ایک مسلمان کے گھر میں پناہ لی۔ سرِ شام گولیاں چلنے کی رفتار اور بھی تیز ہو گئی۔ صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ مسلمان شیخ غلام دستگیر کی کوٹھی کی طرف جا رہے ہیں۔ ہمارے کچھ آدمی گھر سے ضروری سامان لینے کیلئے گئے تو دیکھا کہ گھر لوٹا جا رہا ہے‘ وہ لوٹ آئے۔ ہم بھی شیخ غلام دستگیر کی کوٹھی پر پہنچے۔ وہاں مسلمان پناہ گیروں کا اتنا ہجوم تھا کہ الامان۔ عورتیں‘ بچے اور مرد سراسیمگی کے عالم میں اپنے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو تلاش کر رہے تھے۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ حشر کا سا عالم تھا۔ دن کے بارہ بجے ڈوگرے سپاہی اور شہر کے سرکردہ ہندو اس طرف آئے۔ انہوں نے کہا کہ کرفیو لگنے والا ہے‘ اس لئے فی الفور یہاں سے چلے جاؤ‘ ورنہ ملٹری سب کو گرفتار کر لے گی یا گولی سے اُڑا دے گی۔ لوگ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے اور شہر کی نواحی بستیوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہم بستی شیخ درویش میں پہنچے‘ وہاں ہماری دکان کے ملازم منشی مشتاق احمد ملے‘ جنہوں نے ہمیں اپنے گھر میں پناہ دی۔ ہم

آٹھ دس دن وہاں آرام سے رہے۔

بستیات میں شہر کے پناہ گزین ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو رہے تھے اور لوگ ٹرکوں پر سوار ہو کر پاکستان کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ ٹرک ہزار ہزار اور ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار روپے میں بنتا تھا۔ ہمارے پاس کچھ نہ تھا اس لئے مجبور و لاچار پڑے رہے۔ آخر لوگوں نے جالندھر چھاؤنی کے کیمپ میں جانا شروع کر دیا۔ ہم بھی گرتے پڑتے چھ گھنٹہ میں وہاں پہنچے۔ رات میدان میں بسر کی۔ اگلے دن ایک بارک ملی جس کی چھت نہ تھی۔ کیمپ میں پناہ گزین ہزاروں کی تعداد میں جمع تھے۔ راشن کا کوئی انتظام نہ تھا۔ دس دن میں ساتھ دفعہ راشن ملا' وہ بھی دو دو تولہ فی کس کے حساب سے۔ کیمپ کمانڈر بڑا درشت مزاج شخص تھا۔ ڈوگرا ملٹری حفاظت پر متعین تھی جو پناہ گیروں پر طرح طرح کے ظلم و ستم ڈھا رہی تھی۔ عوتوں کی بے حرمتی کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس کیمپ سے دو دو ہزار روپیہ کے حساب سے ٹرک جا رہے تھے۔ اس لئے جن کے پاس سرمایہ نہ تھا' صبر کے ساتھ پڑے رہے۔ ایک مہینہ گزر گیا۔ ہمیں اطلاع ملی کہ ڈاک خانہ سے آ کر اپنے وی پی اور منی آرڈر لے جاؤ' ہم نے منشی غلام محمد کو بھیجا' اسے شہید کر دیا گیا۔ پشاور سے میرے بھائی نے ایک آدمی کے ہاتھ مبلغ تین سو روپیہ بھیجا تو ہم آٹا دال حاصل کرنے کے قابل ہو سکے۔ اس کیمپ میں پانی کی بڑی وقت تھی۔ پانی کے پمپ کا انتظام ایک سکھ کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے موٹر خراب کر دی۔ لوگ جوہڑوں کا گندا پانی پینے پر مجبور ہو گئے۔ اسی حال میں دن گزرتے گئے آخر ایک دن ملٹری کے دو مسلمان کلرکوں نے ہماری مدد کی اور ہمارے خاندان کو دو دو تین تین کر کے ٹرکوں میں سوار کرایا۔ اس طرح ہمارا خاندان جو کبھی لاکھوں کا مالک تھا' پانی پانی کا محتاج ہو کر پاکستان پہنچا۔ لاہور میں ہمیں متعدد درخواستیں کرنے پر بھی مکان نہ ملا۔ اس لئے ہم اپنے عزیز ترین رشتہ دار شیخ

عبدالرشید سپرنٹنڈنٹ سنٹرل جیل کے پاس پشاور آ گئے۔ ابھی تک حصول معاش کی کوئی سبیل پیدا نہیں ہوئی۔

جناب محمد اشرف صاحب رقمطراز ہیں:

میں جالندھر شہر کی بستی غذاں کا رہنے والا ہوں۔ عیدالفطر کے روز صبح ۸ بجے سے ایک بجے تک کرفیو کھولا گیا۔ عید کی نماز سے فارغ ہونے کے ایک گھنٹہ بعد ہم نے دیکھا کہ شہر جالندھر کے سر پر دھوئیں کے مہیب بادل چھا رہے ہیں۔ بستیات میں مسلمانوں کی ٹھوس اکثریت تھی اس لئے بستیات محفوظ رہیں۔

شہر کی حالت خراب ہوئی تو شہر کے لوگ بستیوں میں پناہ لینے لگے اور بالآخر وہاں سے بھی حکماً اُٹھا دیئے گئے اور چھاؤنی کے کیمپ میں جانے لگے۔ ہماری بستی کے چاروں طرف مسلمان رجمنٹ کا پہرہ تھا' اسی لئے جالندھر شہر اور گردونواح کی تمام بستیوں کے خالی ہونے کے بعد بھی بستی غذاں کے مسلمان اپنے گھروں میں مقیم رہے۔ سات ستمبر کو مسلم بہار رجمنٹ کے افسر نے کہا کہ پرسوں تک تمام مسلمان کیمپ میں چلے جائیں کیونکہ ہمیں واپس بُلا لیا گیا ہے اور ہماری جگہ ڈوگرا فوج متعین ہو رہی ہے۔ ۸ ستمبر کو ہم بھی گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ ایک رات بستی کے اڈے پر گزاری۔ بارش ہو رہی تھی لیکن ہم ڈر کے مارے گھر نہیں جا سکتے تھے۔ صبح کو مبلغ ایک سو ستر روپیہ کرایہ دے کر ایک بیل گاڑی کا انتظام کیا' جس پر سامان لاد کر ہم کیمپ کی طرف روانہ ہوئے۔ کیمپ میں داخل ہوتے وقت تلاشی لی جاتی تھی۔ ہم نے فوجی سپاہی کو پانچ روپے دے دے کر تلاشی سے مخلصی حاصل کی۔ کیمپ میں راشن کی بڑی تکلیف تھی۔ گردونواح کے دیہات سے خورد و نوش کا سامان قیمتاً مل جاتا تھا۔ گندم ایک روپیہ سیر اور چنے دو روپیہ سیر تک بک رہے تھے۔ پانی کی بہت دقت تھی۔ لوگ جوہڑوں کا پانی پینے پر مجبور

ہو رہے تھے۔ ہیضہ کی وبا پھوٹ پڑی تو کیمپ تبدیل کر کے پولیس لائین کے قریب کے میدان میں لگایا گیا۔ اس نئے کیمپ میں تین دن موسلا دھار بارش ہوتی رہی۔ بارش تھمنے پر سڑک پر نکل کر دیکھا تو بیسیوں لاشیں بے گور و کفن پڑی نظر آئیں۔ ۵؍اکتوبر کو گڑھا کیمپ میں جانے کا حکم ملا' وہاں سے اسپیشل ٹرینیں چل رہی تھیں۔ ہم ۷؍اکتوبر کو ریل گاڑی پر سوار ہو کر لاہور چھاؤنی میں پہنچے۔ کیمپ میں جانے کے بجائے ہم شہر میں چلے گئے۔ جب یہاں کام نہ بنا' سکونت کیلئے مکان تک نہ ملا اور نہ حصول معاش کا کوئی سہارا نظر آیا تو ہم پشاور آ گئے۔ یہاں ہمیں مکان بھی مل گیا اور دکان بھی میسر آ گئی۔

جالندھر کے مضافات:

لندن کے اخبار ''ٹائمز'' نے ۲۵؍اگست کی اشاعت میں اپنے نامہ نگار کا حسب ذیل بیان شائع کیا:

ان دنوں مشرقی پنجاب میں قتل عام ہلاکت اور بربادی کا جو طوفان برپا ہے وہ جنگ کے وحشت ناک مناظر سے کئی ہزار گنا زیادہ ہولناک ہے۔ یہ ایک عام رائے ہے جو فوج کے برطانوی اور ہندوستانی افسر اپنے چشم دید حالات کی بناء پر ظاہر کر رہے ہیں۔ سکھ جنگ و جدال کی راہ اختیار کر چکے ہیں۔ وہ مشرقی پنجاب کو مسلمانوں کے وجود سے پاک کر رہے ہیں۔ روزانہ سینکڑوں مسلمانوں کو کاٹ کاٹ کر موت کے گھاٹ اُتار رہے ہیں۔ ہزاروں کو مغرب کی طرف راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے گھروں' مکانوں اور گاؤں کو آگ لگا رہے ہیں۔ بلکہ وہ غیظ و غضب میں اس قدر اندھے ہو گئے ہیں کہ کہیں کہیں اپنے مکانوں کو بھی نذرِ آتش کر دیتے ہیں۔ سفاکی کے اس کھیل کو اُونچے طبقہ کے سکھ لیڈروں نے منظم طریق سے چلایا ہے۔ یہ کھیل نہایت

باقاعدہ طریق سے کھیلا جا رہا ہے۔ ایک علاقہ کے بعد دوسرے علاقہ کی باری آتی ہے۔ امرتسر اور جالندھر ایسے بعض بڑے بڑے شہروں میں اب خاموشی طاری ہے' کیونکہ وہاں ایک مسلمان متنفس بھی باقی نہیں رہا۔ میں نے ہفتے کے آخری دن ہوائی جہاز میں بیٹھ کر دیکھ بھال کی' مجھے کوئی پچاس گاؤں جلتے ہوئے نظر آئے۔

سکھوں کا طریق کار یہ ہے کہ ان کا جتھا جو پچاس سے لے کر دو سو افراد پر مشتمل ہوتا ہے' کسی گوردوارے میں جمع ہو جاتا ہے اور آکا دکا مسلمانوں کو قتل کرنے کی وارداتیں شروع کر دیتا ہے۔ بہت سے جتھے سکھ ریاستوں سے آ کر اُدھم مچا رہے ہیں۔ ہر جتھے کے پاس ایک دو آتشیں ہتھیار' فوجی اور دیسی ساخت کے بم' نیزے' بھالے' ٹکوے اور کرپانیں ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کے پاس لاٹھیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ جب مسلمانوں کے کسی گاؤں پر حملہ کرنے کے لئے سکھ جمع ہونے لگتے ہیں تو مسلمان گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر نقارے بجاتے ہیں تاکہ گردونواح کے مسلمان ان کی مدد کے لئے جمع ہو جائیں۔ وہ حملہ آوروں پر اینٹیں اور پتھر پھینکنے کا سامان فراہم کرنے لگتے ہیں۔ سکھ جنگی طریق سے حملہ کرتے ہیں۔ پہلے وہ بندوقوں اور رائفلوں سے گولیاں برساتے ہیں تاکہ مسلمان چھتوں پر سے اُتر آئیں۔ حملہ کی دوسری لہر میں سکھ مسلمانوں کے گھروں پر بم پھینکتے ہیں' اور جب مسلمان سراسیمہ ہو کر اِدھر اُدھر بھاگنے یا چھپنے لگتے ہیں تو سکھوں کا جتھا کرپانیں اور بھالے لے کر اُن پر ٹوٹ پڑتا ہے اور قتل عام شروع ہو جاتا ہے۔ حملہ آوروں کی آخری لہر جو لمبی لمبی داڑھیاں رکھنے والے پنشن خور بوڑھے فوجیوں پر مشتمل ہوتی ہے' مشعلیں ہاتھ میں لئے آگے بڑھتی ہے۔ یہ لوگ آگ لگانے کے ماہر ہوتے ہیں اور گھروں کو آگ لگاتے جاتے ہیں۔ جو مسلمان جان بچا کر بھاگتے ہیں انہیں گھڑسوار سکھ کاٹ ڈالتے ہیں۔

یہ قاتل سورمے نہیں بلکہ انتہا درجہ کے بزدل لوگ ہیں، لیکن وہ مسلح ہیں اور ملکی حکام کی صریح اور سرگرم امداد سے نہتے دیہاتیوں پر حملے کرتے ہیں۔ مسلح سکھ پولیس بھی ان کی مدد کرتی ہے اور فوج بھی انہیں معطل رہ کر مدد دیتی ہے۔ برطانوی افسروں نے ایسے جتھے دیکھے ہیں، جن میں عورتیں اور بچے بھی نیزے اُٹھا کر شامل تھے۔ لرزہ خیز مظالم کا ارتکاب کیا جا رہا ہے۔ لاشوں تک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ مردوں، عورتوں اور بچوں کو بلا امتیاز کاٹ ڈالا گیا۔ ایک گاؤں کی پچاس لاشوں میں سے تیس عورتوں کی تھیں۔ ان جتھوں کی قیادت سابق فوجی سپاہی اور افسر کرتے ہیں لیکن پھر بھی وہ بزدلوں کے گروہ ہوتے ہیں۔ ایک جتھے نے جو پوری طرح مسلح تھا، مسلمانوں کی پندرہ بستیاں تاراج کیں اور پانچ سو کے قریب مسلمان تہ تیغ کر ڈالے۔ لیکن ایک گاؤں کے مسلمانوں نے جن کی جمعیت کچھ زیادہ نہ تھی، رائل انڈین آرمی کور کے ایک سابق کپتان کی سرکردگی میں اس جتھے کا مقابلہ کیا اور ان کے چھ آدمی گرا کر اسے شکست دی۔ دو برطانوی افسروں نے سکھوں کے ایک ہجوم کو جو ریلوے ٹرین پر حملہ کرنے کی تیار کر رہا تھا منتشر کر دیا۔ آسٹر ایئر کرافٹ کے ایک نوجوان ہوا باز نے محض روشنی کے گولے پھینک کر کئی جتھوں کو منتشر کر دیا۔

جناب برکت علی صاحب لکھتے ہیں:

میں پندرہ اگست دہلی سے اپنے گاؤں دھوگڑی پہنچا، جو جالندھر شہر سے چار پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اُس وقت ہوشیار پور کی تحصیل میں فسادات شروع ہو چکے تھے اور یہ آگ منظم سازش کے ماتحت تحصیل جالندھر کی طرف پھیل رہی تھی۔

ہمارے علاقہ میں سب سے پہلے ۱۹؍اگست کو موضع تکونڈی میں سکھوں نے وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا۔ دن کے وقت تھانہ قصبہ آدم پور کا سکھ تھانیدار اس گاؤں میں

آیا اور مسلمانوں کو تسلی دے گیا کہ میرے ہوتے ہوئے کوئی تمہارا بال تک بیکا نہیں کر سکے گا۔

اُسی رات کو گاؤں پر حملہ ہو گیا۔ آدھ گھنٹے کے اندر اندر گاؤں کا صفایا کر دیا گیا۔ اس چھوٹے سے گاؤں میں پچاس مسلمان شہید ہوئے اور دس زخمی۔ باقی لوگوں نے بھاگ کر دھوگڑی میں پناہ لی۔

۲۰راگست کو شام کے قریب سکھوں کا ایک جم غفیر دھوگڑی کی طرف بڑھتا ہوا دکھائی دیا۔ اس لشکر کا سرغنہ موضع جنڈ و سنگھ والہ کا سکھ ذیلدار ہزارا سنگھ تھا۔ مغرب کے قریب مقابلہ ہونے لگا۔ بلوچ رجمنٹ کی ایک گارد بر وقت پہنچ گئی جس نے سکھ حملہ آوروں پر فیر کر کے انہیں بھگا دیا۔ سکھ بھاگتے وقت اپنا بہت سا سامان مثلاً گھوڑے، بم اور تلواریں وغیرہ پیچھے چھوڑ گئے۔

سکھوں کے دوسرے جتھے اس وقت تک ستووالی' کالا بکرا' بھوگ پور' بھٹے سرائے خاص وغیرہ دیہات کو تاراج کر چکے تھے۔ ۱۶راگست کو آدم پور پر حملہ ہوا۔ آدم پور میں پولیس اور فوج کی چوکیاں تھیں لیکن اس کے باوجود شام کے ۴ بجے حملہ ہو گیا۔ ہندو اور سکھ مسلمانوں کے مکانوں میں آگ لگانے لگے۔ سکیم یہ تھی کہ مسلمانوں کو ان کے گھروں کے اندر ہی زندہ جلا دیا جائے۔ بازاروں اور گلیوں میں پولیس گشت کر رہی تھی۔ وہ مسلمانوں کو باہر نکلنے سے روک رہی تھی' جو مسلمان چھتوں پر چڑھ کر حملہ آوروں پر اینٹیں برساتے تھے انہیں گولی کا نشانہ بنا لیا جاتا تھا' جو لوگ بھاگتے تھے انہیں سکھ کرپانوں سے کاٹ ڈالتے تھے۔ آدم پور میں تین سو کے قریب مسلمان مرد' عورتیں اور بچے شہید کر دیئے گئے۔ باقیماندہ مسلمان بھاگ نکلے اور دھوگڑی میں جمع ہونے لگے۔ آدم پور کا ایک معزز مسلمان اپنے کنبہ سمیت تانگے پر سوار ہو کر چلا تھا کہ تھانہ کے قریب پولیس کے سپاہیوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ اس معزز مسلمان اور تانگے والے کو قتل کر دیا

گیا۔ اس کی لڑکیوں کو اُٹھا لے گئے اور اس کی بیوی کو جو حاملہ تھی نزدیک کے کھیت میں لے گئے۔ وہیں اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا' جسے سکھوں نے مار دیا اور ماں سے کہنے لگے کہ تو گائے کا گوشت کھایا کرتی تھی اب اپنے بچے کا گوشت کھا۔ چار دن کے بعد یہ عورت ایک شریف ہندو کی مدد سے دھوگڑی پہنچی جس نے اپنی داستانِ درد سنائی۔

۱۶راگست سے لے کر ۲۱راگست تک مواضعات گول پنڈ' محمد پور' چگٹی' ننگل سرالہ' بڈالہ' کڈیانہ' سوماں' کوہجے' کراڑی اور لسیاں کو سکھ جتھوں نے تاراج کیا۔ موضع کوہجے کے مسلمانوں نے شدید مقابلہ کیا لیکن آتشیں اسلحہ کے مقابلے میں عاجز آ گئے۔ ان دیہات کے کچھ لوگ نور پور کے کیمپ میں چلے گئے جو جالندھر سے جانب شمال دسوہہ کی طرف جانے والے سڑک پر دو میل کے فاصلے پر واقع تھا' اور کچھ دھوگڑی میں پناہ گزیں ہوئے۔

یکم ستمبر کو دھوگڑی کے پانچ آدمی جالندھر شہر کے دوآبہ کالج کے قریب ہندو طالب علموں نے شہید کر دیئے۔ اُسی روز پنڈت جواہر لال نہرو' مسٹر لیاقت علی خان اور سردار شوکت حیات وغیرہ نے موضع جنڈو سنگھ والا میں کانفرنس منعقد کی۔ پنڈت نہرو کی امن کی اپیل کے جواب میں ہزارہ سنگھ ذیلدار نے کہا کہ "ہم تو راولپنڈی اور مغربی پنجاب کا بدلہ لے کر چھوڑیں گے' تم سے جو بنتا ہے کر لو"۔

چونکہ دھوگڑی کے اِردگرد کے تمام دیہات تباہ و برباد ہو چکے تھے اس لئے دھوگڑی میں پناہ گزینوں کی جمعیت بہت بڑھنے لگی۔ انتظام کیلئے ڈوگرا فوج آئی جو مسلمانوں کو تنگ کرتی تھی۔ اس لئے دھوگڑی کے باشندے اور وہاں جمع ہونے والے پناہ گزین وہاں سے اُٹھ کر چوہڑ والی کے کیمپ میں چلے گئے جو جالندھر سے ہوشیار پور کو جانے والی کی سڑک پر جالندھر سے دس میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔

۱۴ اور ۱۵ ستمبر کی درمیانی شب کو نورپور کیمپ پر زبردست حملہ ہوا۔ اس کیمپ کی حفاظت کیلئے ڈوگرا فوج متعین تھی۔ ساری رات گولیاں چلنے کی آوازیں آتی رہیں۔ صبح کے وقت ایک مرد اور ایک عورت چوہڑوالی کے کیمپ میں پہنچے' انہوں نے بتایا کہ نورپور کا کیمپ سکھوں نے ڈوگرا فوج کی مدد سے تباہ کر دیا ہے۔ ہزاروں مرد' عورتیں اور بچے شہید ہو چکے ہیں۔

۲۰ ستمبر کو شام چوراسی پر زبردست حملہ ہوا اور پانچ سو مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ اس قصبہ پر پہلے بھی تین چار حملے ہو چکے تھے جن کو مسلمانوں نے مقابلہ کر کے مسترد کر دیا تھا۔ یہ حملہ بڑی تیاری سے کیا گیا تھا۔ چوہڑوالی کیمپ میں ہم ۲۴ تاریخ تک رہے۔ بارشوں کے باعث سخت تکلیف کا سامنا ہوا۔ بیماری سے سینکڑوں اموات واقع ہوئیں۔ اس کیمپ میں لوگوں کو کھانے دانے کی تکلیف نہیں ہوئی کیونکہ کسان لوگ بیل گاڑیوں پر آٹا اور گندم لاد لائے تھے۔ جو لوگ اُجاڑ دیئے گئے تھے ان کی مدد کی جاتی تھی۔

۲۴ ستمبر کو دو لاکھ سے زائد پناہ گزینوں کا قافلہ چوہڑوالی سے چلا۔ یہ قافلہ دیہاتی عوام پر مشتمل تھا جو اپنے ہمراہ بیل گاڑیاں اور چھکڑے ہانک لائے تھے۔ روانگی کے وقت موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ چھکڑے پر چالیس من کا بوجھ دو سو من ہو گیا' اور سر پر کی بیس سیر کی گٹھڑی دو من کی ہو گئی۔ لوگ سامان پھینک پھینک کر اُفتاں و خیزاں چلتے رہے۔ قافلے کی حفاظت کیلئے ہمارے ساتھ فوجی اسکورٹ کافی تھا' لیکن ہمارے اعمال کی شامت کے باعث جو قہرِ خداوندی بارش کی شکل میں نازل ہوا اس کا مقابلہ کون کر سکتا تھا۔ ۲۷ ستمبر کو دریائے بیاس میں طغیانی آ جانے کے باعث طوفانِ نوح برپا ہو گیا۔

ہمارا قافلہ اس وقت ہمیر ال کے قریب پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔ یہ مقام دریائے بیاس سے کوئی ساڑھے سات میل دُور جالندھر کی طرف واقع ہے۔ طغیانی کے باعث

ہر طرف پانی ہی پانی پھیلنے لگا۔ یہ سیلاب دریا سے دس میل دور تک بیس پچیس فٹ کی بلندی تک چڑھ آیا۔ لوگ پناہ لینے کے لئے چھکڑوں پر چڑھ گئے اور چھکڑے بچوں کی کاغذی ناؤ کی طرح تیرنے لگے۔ بعض لوگ بجلی یا تار برقی کے کھمبوں پر چڑھ گئے۔ عورتیں اپنے بچوں کو دوپٹے کے ساتھ چھاتیوں سے باندھے درختوں پر بیٹھی نظر آنے لگیں۔ ہر منٹ میں دو تین چھکڑے بہ جاتے تھے اور آدمی غرقِ آب ہو جاتے تھے۔ جس چھکڑے پر میں سوار تھا' وہ بہتا ہوا ایک درخت کیساتھ اٹک گیا۔ ہم نے وہیں رسا لے کر اسے درخت کے ساتھ جکڑ دیا۔ ہمیں متواتر ساٹھ گھنٹے' تین دن اور دو رات وہاں پر کھڑے رہنا پڑا۔ ہر طرف سے رونے اور چیخنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اپنے والد' اپنی والدہ اور بیوی بچوں کو جو دوسرے چھکڑے پر تھے' غرق دریا ہوتے دیکھا۔ بہن پانی میں گرتے وقت مسترحمانہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی لیکن افسوس کہ میں ان کی کچھ مدد نہ کر سکا۔ اس سے زیادہ حشر کا سماں اور کیا ہوگا۔ بہت سے خاندان تباہ ہو گئے۔ ہوائی جہاز ہمارے اس حال کو پہلے ہی دن دیکھ گیا تھا۔ ہمیں امید تھی کہ کشتیوں سے ہماری مدد کی جائے گی لیکن پاکستان اور ہندوستان کے حکمرانوں میں سے کوئی بھی ہماری مدد کو نہ پہنچا۔ اس طغیانی میں لاتعداد مال مویشی کے علاوہ ۱۲ ہزار انسان لقمہ اجل ہو گئے۔ میرا سارا خاندان داغِ مفارقت دے گیا۔ طغیانی ختم ہونے کے بعد میں تین دن اپنے ماں' باپ' بہن' بیوی اور بچوں کی نعشوں کی تلاش میں سرگرداں رہا' لیکن سیلاب انہیں کہیں کا کہیں بہا لے گیا تھا۔

مویشی اور انسانوں کے مرنے اور کیچڑ میں سڑنے کی وجہ سے بدبو پھیلی اور ہیضہ کی وبا پھوٹ پڑی۔ روزانہ دو دو تین تین سو آدمی مرنے لگے۔ اس قافلے کا بچا کھچا حصہ پا پیادہ چل کر ۹ر اکتوبر کو لاہور پہنچا۔ خدا غریقانِ دریا اور کشتگانِ وبا کو غریق رحمت

کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

خان صاحب ولدار محمد خان ذیلدار چک جھنڈو خان ذیل بہرام میں تحریر فرماتے ہیں:

میری ذیل میں ۱۴ دیہات مسلمانوں کے اور تین دیہات سکھوں کے تھے۔ اس لئے آغازِ فساد کے دنوں میں سکھ مسلمانوں سے خوفزدہ رہتے تھے۔ میں نے اپنی ذیل کو فتنہ و فساد سے محفوظ رکھنے کیلئے امن کمیٹیاں بنائیں۔ مسلمانوں کو سکھوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے باز رکھا۔ سکھ آ کر منت سماجت کرتے رہتے تھے اور شکریہ ادا کرتے تھے جب دوسرے قریبی علاقوں میں شورش ترقی کرنے لگی تو میری ذیل میں پولیس کا ایک سب انسپکٹر، ایک حوالدار اور چار سپاہی آگئے جو سب کے سب ہندو اور سکھ تھے۔ پولیس کے یہ آدمی دن کو کھانا میرے ہاں کھاتے تھے اور رات کو سکھوں کے دیہات میں پہرہ دیتے تھے۔ مجھے ان پر بہت بھروسہ تھا کہ مصیبت کے وقت میں میری امداد کریں گے۔

۲۰؍اگست کو پولیس کے ان ملازموں نے سکھوں کے پندرہ سولہ ملحقہ دیہات کے لوگوں کو جمع کر کے میری ذیل کے ایک گاؤں درانواں کے جاٹ مسلمانوں پر دھاوا بول دیا۔ ابھی وہ نیند سے بیدار بھی نہ ہوئے تھے کہ سکھوں نے آ کر ان کے مکانوں اور بھوسہ کے موسلوں وغیرہ کو آگ لگا دی اور مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ پولیس کے ملازم مسلمانوں پر گولیاں چلا کر حملہ آوروں کی امداد کر رہے تھے۔ ۸۵ مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ باقیماندہ بھاگ کر گنے کے کھیتوں میں چھپ گئے۔ مکان لوٹ کر جلا دیئے چند بالغ لڑکیاں اُٹھا کر لے گئے۔ یہ موضع میرے گاؤں سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر تھا ہم چھتوں پر چڑھ کر یہ ماجرا دیکھتے رہے۔

اس گاؤں کو تباہ کرنے کے بعد سکھوں کا یہ اجتماع موضع عالمگیر پر ٹوٹ پڑا۔

اس گاؤں میں انہوں نے عورتوں' بچوں اور لڑکیوں سے کہا کہ تم سب ایک مکان میں جمع ہو جاؤ' تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ جب وہ اکٹھی ہو گئیں تو باہر سے زنجیر لگا دی اور اندر ایک بم پھینک کر ہلاکت مچا دی۔ اس گاؤں سے چند نفوس اتفاقیہ طور پر بچ گئے' باقی تمام کے تمام تہ تیغ کر دیئے گئے۔ اسی روز لوہاراں کے ایک سکھ آتما سنگھ نے جو میرا پروردہ تھا اور جسے میں نے اس کی بیوہ ماں کی منت سماجت پر سالہا سال خرچ دے کر پڑھایا تھا' پیغام بھیجا کہ آپ بے فکر بیٹھے رہیں' آپ کو کسی قسم کا گزند نہیں پہنچایا جائے گا۔ اگلے دن اُسی آتما سنگھ نے پیغام بھیجا کہ آپ جس قدر جلد ہو سکے گھر سے بھاگ جائیں' ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ میں اُسی وقت اپنے اہل و عیال کو لے کر موضع لاڈرہ میں جا پہنچا۔ ۲۱ تاریخ کو صبح ۹ بجے کے قریب بیس بائیس دیہات کے سکھوں نے مل کر میرے گاؤں پر حملہ کیا۔ چک جھنڈو خاں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا' جس کے سو ڈیڑھ سو باشندے میرے ساتھ بھاگ کر نکل چکے تھے۔ صرف میرا چھوٹا بھائی اپنے اہل و عیال سمیت اپنے گھر میں جما بیٹھا رہا اور باہر کے دروازہ کو مقفل کر کے بالا خانہ پر چڑھ گیا۔ اس کے ساتھ گاؤں کے چند اور جوان بھی تھے' جن کے پاس تین گن بارہ بور کی تھیں۔ حملہ آوروں کی تعداد سات آٹھ ہزار تھی' جن کے پاس چالیس رائفلیں تھیں۔ پولیس کی مسلح جمعیت بھی ان کے ساتھ حملہ میں شامل تھی۔ حملہ آوروں نے صبح ۹ بجے میرے بھائی کے بالا خانہ پر گولیاں برسانی شروع کیں۔ اُدھر سے بھی بندوق کے فیر ہونے لگے۔ ساڑھے چار بجے تک مقابلہ ہوتا رہا۔ میرے بھائی غلام بھیک اور اس کے دو ساتھیوں نے اس روز کوئی ایک ہزار کے قریب کارتوس چلائے اور ۴۷۶ سکھوں کو جہنم واصل کیا۔ سکھوں کی جمعیت یہ حال دیکھ کر پسپا ہو گئی' لیکن وہ گنے کے کھیتوں میں چھپ کر بیٹھ رہے۔ غلام بھیک نے جب دیکھا کہ مطلع صاف ہے تو وہ اپنے اہل و عیال اور اپنے ساتھیوں کو لے

کر گھر سے نکلا۔ ایک شیر خوار بچی اس کی بیوی کی گود میں تھی۔ دو اور لڑکیاں جن کی عمریں ۴ سال اور ۶ سال تھیں، ان کے ساتھ تھیں۔ ابھی وہ گھر سے چالیس پچاس قدم نکلنے پائے تھے کہ سکھوں نے جو گنے کے کھیت میں چھپے ہوئے تھے انہیں گھیر لیا۔ غلام بھیک نے بندوق سے تین فیر کئے اور تین سکھ گرا لئے۔ گنگا رام حوالدار پولیس نے جو چھپا بیٹھا تھا غلام بھیک پر گولی چلادی جو پہلو کو چیرتی ہوئی پار نکل گئی۔ وہ گرتے ہی فوت ہو گیا۔ چند سکھ جو گھوڑوں پر سوار تھے، موقع پر پہنچ گئے جنہوں نے آتے ہی غلام بھیک کی بیوی کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس کی لاش کو گھسیٹ کر بھوسے کے ایک موسل پر جو جل رہا تھا ڈال دیا۔ دونوں چھوٹی بچیوں کے منہ پر اس قدر طمانچے مارے کہ ان کے رخسار متورم ہو گئے۔ غلام بھیک کا داماد جو گھر سے نکلا تھا اور کھیت میں چھپا بیٹھا تھا۔ سکھوں کے گاؤں کی طرف چلے جانے کے بعد کھیت سے نکلا اور بچیوں کو لے کر روانہ ہوا۔ گھڑ سوار سکھوں نے دیکھ لیا اور پہنچ کر اسے بھی شہید کر دیا۔ مسلمان جاٹوں کا ایک لڑکا، ایک فقیر اور ایک حجام بھی اسی مقام پر شہید ہوئے۔ یہ ساری واردات ہمارے گاؤں کا ایک آدمی جو گنے کے کھیت میں چھپا بیٹھا تھا دیکھ رہا تھا۔

موضع لاہڈرہ سے نکل کر ہم ننگل ارائیاں میں پہنچے۔ وہاں سے ہم نے اپنے رشتہ داروں کو جو بہرام میں تھے پیغام بھیجا کہ ہمیں آ کر لے جاؤ۔ بہرام والوں کی ایک جمعیت ننگل آئی اور ہمیں ساتھ لے کر بہرام کی طرف روانہ ہوئی۔ راستے میں سکھوں نے دونوں طرف سے حملہ کر دیا۔ ہماری جمعیت نے مقابلہ کیا۔ قریب کے ایک گاؤں کے نمبردار چودھری راج مل نے سکھوں کو پیغام بھیجا کہ انہیں گزر جانے دو۔ اس غیبی مدد سے ہم بہرام پہنچے۔ سکھ ہماری تلاش میں تھے اس لئے ہم چھپے بیٹھے رہے۔ دوپہر کے وقت ملٹری کا ایک ٹرک وہاں سے گزرا، اُن کی منت کی کہ ہمارے عزیزوں کی

لاشیں ہمیں لا دو تا کہ ہم ان کی تکفین و تدفین کر سکیں۔ پہلے ملٹری کے دو سپاہی چھکڑا لے کر جھنڈ و چک کی طرف گئے۔ سکھوں نے لاشیں نہ دیں۔ پھر حوالدار نے چار سپاہی بھیجے' وہ جا کر لاشیں اُٹھوا لائے۔ دو قبریں کھدوائی گئیں۔ ایک میں بھائی' اُس کی بیوی اور اُس کے داماد کو دفن کیا۔ دوسری میں حجام اور فقیر کی لاشیں دھری گئیں۔

بہرام کے لوگ اپنے بال بچوں اور عورتوں کو نندا چور کے کیمپ میں بھیج چکے تھے۔ میرے ساتھ پچاس آدمی تھے اور بہرام والے کہہ رہے تھے کہ تمہاری وجہ سے سکھ ہم پر بھی حملہ کر دیں گے۔ ہم سب تین دن سے بھوکے تھے۔ ایک شخص نے ہمیں اپنے مکان میں پناہ دی۔ ہم تین دن وہاں رہے۔ چوتھے دن ایک فوجی لیفٹیننٹ نے ہمیں ٹرک میں بٹھا کر آدم پور کے کیمپ واقعہ چوہڑوالی میں پہنچایا۔ چوہڑوالی کے لوگ بے سروسامان پناہ گزینوں میں فی کس ایک روٹی اور ایک قاش اچار آم کے حساب سے راشن تقسیم کرتے تھے۔ اس لئے گزارا ہوتا رہا۔ چوہڑوالی سے ہم ٹرک میں بیٹھ کر چھاؤنی جالندھر کے کیمپ میں پہنچے۔ وہاں سے ہم نے ایک ٹرک ڈرائیور کو مبلغ دو سو روپیہ دے کر لاہور پہنچنے کا انتظام کیا' جس نے ہمیں ماڈل ٹاؤن کے کیمپ میں اُتارا۔ ماڈل ٹاؤن میں رات ہمیں کھلے میدان میں بسر کرنی پڑی اور اگلے دن تک کھانا میسر نہ آیا۔ میری ذیل کا ایک فوجی سپاہی اتفاقاً مل گیا جس نے ٹرک لا کر ہمیں بادامی باغ لاہور میں اپنے ایک رشتہ دار کے پاس پہنچایا۔ لاہور سے ہم کوئلے کے ایک چھکڑے میں سوار ہو کر لائلپور پہنچے' جہاں میرے پانچ مربعے ہیں۔

پھلور کی سرگزشت:

حکیم محمد شاہ سنیاسی جو ۸۶ سال کے ایک معمر بزرگ ہیں' تحریر فرماتے ہیں:

مارچ ۱۹۴۷ء کے آغاز میں جب سکھوں کے لیڈر ماسٹر تارا سنگھ نے ایوان اسمبلی کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر ننگی تلوار کا مظاہرہ کیا اور اس مظاہرہ کے ساتھ ہی سکھوں نے پنجاب بھر میں فتنہ وفساد شروع کر دیا تو جالندھر شہر میں ایک سکھ لیڈر مسمی لابھ سنگھ وکیل ایک مسلمان لڑکے کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ یہ لابھ سنگھ لساڑا تحصیل پھلور کا باشندہ تھا۔ اس لئے سکھ اس کی ارتھی کو جالندھر سے اُٹھا لائے اور پھلور کے قریب باؤلی صاحب میں رکھ لی۔ پھلور کے ہندو سیٹھوں اور ساہوکاروں کے مشورے سے سکھوں نے یہ پروگرام بنایا کہ لابھ سنگھ کی ارتھی کا جلوس پھلور میں سے گزارا جائے' خوب نعرے لگائے جائیں۔ دو چار مسلمانوں کو قتل کر دیا جائے اور اس طرح پھلور میں فساد کی آگ مشتعل کر دی جائے۔ منڈی کے مسلمان مزدوروں نے کہیں سے یہ بات سن پائی' مجھے اور دیگر مسلمانوں کو خبر کر دی۔ مسلم لیگ کے صدر مولوی محمد سعید نے شام کے چار بجے مسلمانوں کو مسجد میں جمع کر کے انہیں اس خطرہ سے جو کل پیش آنے والا تھا' آگاہ کیا۔ مسلمان گھروں کو چلے گئے اور رات بھر چارہ کترنے والی مشینوں کے گنڈا سے نکال نکال کر لاٹھیوں میں جڑواتے رہے۔ ہندو اور سکھوں کو جب یہ خبر ملی کہ مسلمان مقابلے کیلئے تیار ہو رہے ہیں تو انہوں نے تھانیدار سے شکایت کی۔ انسپکٹر پولیس نے انہیں سمجھایا کہ فساد کی بناء تو تم رکھ رہے ہو' جو لابھ سنگھ کی ارتھی کو اس کے گاؤں کی طرف لے جانے کے بجائے پھلور میں لانا اور پھرانا چاہتے ہو۔ یہ سن کر ہندوؤں اور سکھوں کا جوش ٹھنڈا ہو گیا اور پھلور میں کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ ازاں بعد ہندو چھوکروں نے دو ایک مقامات پر آگ لگانے کی ناکام کوششیں کیں۔ مقامی حکام نے امن قائم رکھنے کیلئے سرگرمی دکھائی اور بتیس ہندو اور مسلمان نوجوانوں سے ضمانتیں لے لیں۔ ایک دن ساٹھ ستر ہندو لڑکوں نے شہر کے ہندو وکلا کی فساد انگیز تقریروں سے متاثر ہو کر بازار میں جلوس نکالا۔ وہ نعرے

لگا رہے تھے "جو مانگے گا پاکستان، ہم دیں گے اس کو قبرستان"۔ اس کے جواب میں میں نے اپنی دکان کے تھڑے پر کھڑے ہو کر جواب دیا "جو نہ دے گا پاکستان، وہ جاوے گا شمشان"۔ ہندوؤں کا حلقہ میرے گرد گھیرا ڈال کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ فساد برپا کرنا اچھا نہیں۔ اگر پھلور کی فضاء مکدّر ہو گئی تو اس میں زیادہ نقصان ہندوؤں ہی کا ہوگا۔ اس پر سمجھدار لوگ جلوس سے الگ ہو گئے اور جلوس پھیکا ہو کر منتشر ہو گیا۔

۱۵/اگست کے بعد جب انڈین حکومت کی سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق جا بجا مسلمانوں پر حملے ہونے لگے تو تحصیل پھلور کے ایسے دیہات میں جہاں سکھوں اور مسلمانوں کی مشترکہ آبادیاں تھیں اور مسلمان تعداد میں کم اور کمزور تھے، مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا گیا۔ اس ظلم و ستم کا تختۂ مشق پہلے وہ لوگ بنے جو کمیں تھے، یعنی جولاہے، موچی، تیلی اور مزارعین۔ ان کو لوٹا گیا، قتل کیا گیا۔ ان کی خوبرو لڑکیاں جبراً چھین لی گئیں۔ وہ بھاگم بھاگ دوسرے دیہات میں جہاں ان کے رشتہ دار ہوتے تھے پہنچ جاتے تھے اور ان کا حال دیکھ کر وہاں بھی دہشت طاری ہو جاتی تھی۔ رات کے وقت قتل کی وارداتیں بکثرت کی جاتی تھیں۔ جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی وہاں سے سکھ یا تو خود ہی نکل جاتے تھے یا مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان کر کے وہیں بیٹھے رہتے تھے۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے قصبے ابھی تک امن چین سے بیٹھے تھے۔

۲۸/اگست کو اطلاع ملی کہ لدھیانہ شہر میں مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا ہے۔ شہر بھر میں ہر طرف مسلمانوں کی لاشیں ہی لاشیں پڑی ہیں۔ مکانات جل رہے ہیں۔ اس اطلاع نے پھلور میں بھی کافی ہراس پیدا کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ خبر ملی کہ مسلم لیگ کے لیڈروں نے جن میں حسین شہید سہروردی کا نام خاص طور پر لیا جاتا تھا، اعلان کیا ہے کہ مسلمان گھروں سے نکل کر کیمپوں میں پہنچ جائیں کیونکہ تبادلۂ آبادی کی اسکیم منظور ہو

چکی ہے۔ یہ خبر سن کر پھلور کے مسلمان بھی گھروں سے نکل کر باہر کیمپ میں جمع ہونے لگے۔ ہمارے لیڈروں کا یہ فیصلہ بے حد افسوسناک تھا۔ اگر وہ اس کے بجائے مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو بندوقیں بہم پہنچا دیتے تو مسلمان سکھ جتھوں کا اور انڈین گورنمنٹ کا منہ پھیر دیتے۔ مسلمانوں نے لدھیانہ، تلونڈی رائے، شام چوراسی، رائے پور ارائیاں، تلون، لالو والی اور متعدد دیگر مقامات پر نہتے ہونے کے باوجود سکھ جتھوں کا مقابلہ کیا، جن کے ساتھ ملٹری اور پولیس کی امداد بھی ہوتی تھی، اور انہیں شکست فاش دی۔

پھلور کے مسلمان لیڈروں کے حکم کے مطابق گھروں سے نکل کر کیمپ میں پہنچ گئے، جہاں راہوں، حوڑ، تحصیل پھلور کے دیگر دیہات اور ضلع لدھیانہ کے علاقہ بیٹ کے گوجر بھی جمع ہو رہے تھے۔ اس کیمپ میں پچاس ساٹھ ہزار زن و مرد کا ہجوم ہو گیا۔ بھیڑ، بکری، گائے، بھینس اور گندم زمیندار لوگ اپنے اپنے گھروں سے لے آئے تھے، اور بعض دفعہ گوجر لوگ راتوں کو دیہات میں جا کر لے آتے تھے۔

کیمپ میں ایک آسمانی مصیبت نازل ہوئی۔ برابر تین دن لگاتار مینہ برستا رہا۔ پانچ پانچ فٹ پانی چڑھ آیا۔ بہت سے لوگوں کا سامان تلف ہو گیا، غلہ بھیگ گیا، ایندھن بہ گیا۔ کئی کمزور آدمی، بچے اور بوڑھے ڈوب مرے۔ یہ کیمپ برابر چار ماہ لگا رہا۔ اس کے بعد یہ قافلہ چلایا گیا۔ راستے میں اس قافلے پر کسی جگہ حملہ نہیں ہوا۔ البتہ امراض سے بہت سی اموات واقع ہوتی رہیں۔ پھلور سے لاہور تک کے سفر میں ہم نے سڑک کے آس پاس ہزاروں لاشیں پھولی اور سڑی ہوئی دیکھیں۔ دست و پا بریدہ بچوں کی لاشیں بھالوں سے چھیدی ہوئی تھیں۔ عورتوں کے پیٹ چاک کیے ہوئے تھے۔

چار ماہ کیمپ اور سفر کے مصائب جھیلنے کے بعد پھلور کے لوگ پاکستان پہنچے تو یہاں کا باوا آدم ہی نرالا دیکھا۔ مکان کرائے پر مل رہے ہیں۔ جن کا کوئی اہلکار وسیلہ ہے

یا جن کی جیب میں کچھ دام ہیں ان کیلئے آسائش کا سامان موجود ہے' لیکن بہت لوگ جن میں عزت دار ملکیتوں والے بھی ہیں اور غرب بھی ہیں مارے مارے پھرتے ہیں' کوئی پُرسانِ حال نہیں۔

جناب اسعد گیلانی رقمطراز ہیں:

۱۵ اگست کے بعد پھلور کے چاروں طرف آگ' خون اور آنسوؤں کی ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ پناہ اور فرار کی سب راہیں مسدود ہو چکی تھیں۔ رات کو پہرہ داروں کی خوف بھری صدائیں سنائی دیتی تھیں۔ دُور کے دیہات سے نقارے بجنے کی آوازیں آتی تھیں جو خطرے کا الارم دے کر مسلمانوں کو اپنی مدد کیلئے بلاتے تھے۔ دُور دیہات میں آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرتے دکھائی دیتے تھے۔ بندوقیں چلنے اور بم پھٹنے کی آوازیں بھی سنائی دیتی تھیں۔ دن لاشوں کے ڈھیر' زخمیوں کے انبار اور خوفزدہ پناہ گیروں کے گروہ لاتا ہوا نمودار ہوتا تھا۔ فوجی لاریاں کبھی کبھار چکر لگاتی ہوئی نظر آجاتی تھیں جن کو دیکھ کر سہمے ہوئے دل کسی قدر حوصلہ پکڑتے تھے۔

۱۵ اگست کے بعد "لے کے رہیں گے پاکستان" کے نعرے "لے لیا پاکستان" کی آہوں میں تبدیل ہو گئے۔ جلوسوں کی جگہ جنازوں نے لے لی۔ مسلمان نے آنکھ کھولی تو حکومت کا سارا انتظام بدل چکا تھا۔ تھانے کے سپاہی سے لے کر ضلع کے حاکم تک تمام وہ لوگ برسرِ کار نظر آئے جن کی چھاتی پر مونگ دل کر اس نے پاکستان کے نعرے لگائے تھے۔ اس بدلی ہوئی فضا میں اس پر حملے ہونے لگے۔ منظم گروہ' مسلح جتھے' ہتھیاروں سے بھری ہوئی لاریاں رات کی تاریکی اور دن کی روشنی میں اس پر پل پڑے۔

آگ کے شعلے پھلور کو بھی اپنی لپیٹ میں لینے لگے۔ لدھیانہ ہماری آنکھوں کے سامنے جلا تھا۔ وہاں سے امی بچوں کے ساتھ پھلور آ گئی تھیں۔ جالندھر چھاؤنی کے دو

کو ہے پر حملے کی تاریخیں مقرر ہو چکی تھیں اس لئے بھائی جان وہاں سے چلے آئے تھے۔ جھنگیاں کے لوگ بھاگ کر پھلور میں پناہ لے چکے تھے، جن میں مائی جی بھی تھیں۔ بھائی بشیر صاحب کنبہ کے افراد کو مرغی کی سی مستعدی کے ساتھ چھپائے چھپائے پھرتے تھے۔ ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں نقل مکانی جاری تھی۔

ہمیں خیال تھا کہ یہ بدامنی چند روز میں خود بخود دُور ہو جائے گی لیکن اس خیال کو تقویت دینے والے آثار کہیں نظر نہیں آتے تھے۔ مشرقی پنجاب کی مسلم لیگی قیادت رُو پوش ہو چکی تھی۔ غیر مسلم لیڈر اپنے عوام کے جذبات کو بھڑکا رہے تھے اور فساد آرائی پر ان کی ہمت افزائی کر رہے تھے۔ مسلمان بے سری فوج کی طرح ہراساں تھے۔ انہیں تسلی دینے والا بھی کوئی نہ تھا۔ ان کی آنکھوں میں بیچارگی اور لبوں پر ''اب کیا ہوگا'' کا سوال تھا

ہم نے یکم ستمبر کو پھلور چھوڑا۔ پاکستان ریڈیو نے اعلان کیا تھا کہ یکم ستمبر سے سپیشل گاڑیاں اور لاریاں چلانے کے وسیع انتظامات کئے جا رہے ہیں۔ ہم اس خیلل سے کہ جاتے ہی گاڑی یا لاری مل جائے گی، کیمپ میں پہنچے۔ کیمپ محکمہ جنگلات کے ذخیرے کے ساتھ شمالی جانب تھا اُس دن تعداد سینکڑوں سے متجاوز نہ تھی۔ بلوچ رجمنٹ کے ۴۵ سپاہی وہاں متعین تھے۔ ان فسادات میں بلوچ رجمنٹ کے جوانوں نے اپنی مستعدی اور فرض شناسی سے مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو اپنا گرویدۂ احسان بنا لیا تھا۔ پھلور کا کیمپ منظور شدہ کیمپ نہ تھا، اس لئے وہ اپنی راشن کی لاریوں میں پناہ گزینوں کو بٹھا کر جالندھر چھاؤنی کے کیمپ میں پہنچا رہے تھے۔

۲ ستمبر گویا بے سری فوج کی پسپائی کی تاریخ تھی۔ رات کیمپ میں سینکڑوں کی تعداد لے کر نازل ہوئی تھی۔ دن ہزاروں پناہ گزینوں کو ساتھ لئے ہوئے نمودار ہوا۔ پندرہ دن سے ہم ایک ایک گاؤں کو اُجڑتے، لٹتے، تباہ ہوتے دیکھ اور سن رہے تھے۔ آج

جنڈ تباہ ہوا' کل تلونڈی' پرسوں رائے پور لساڑہ' پھر خانپور' پھر مسانی' پھر اوڑ' پھر مٹو میومیانوال' پھر تنگل اور نہ معلوم کیا کیا تاراج کیا گیا۔ ۲ ستمبر کو پناہ گزینوں کی آمد جاری رہی۔ ہر طرف سے چھکڑوں کی مویشی کی۔ انسانوں کی بھیڑیں چلی آرہی تھیں۔ لوگوں نے کپڑے تان کر جھونپڑیاں بنائیں۔ درختوں کے نیچے ڈیرے ڈالے' چھکڑوں کی اوٹ میں پناہ لی' آسمان کی نیلی چھت کے نیچے گھر بنائے' لوگ ایندھن اور پانی کی تلاش میں سرگرداں پھرنے لگے۔

سکھ کیمپ کے قریب آتے اور پناہ گیر مسلمانوں کے مویشی ہانک کر لے جاتے تھے۔ لوگ اناج کی تلاش کیلئے باہر جاتے تھے اور سکھوں کے ہاتھوں قتل ہوتے تھے۔ مویشی چرانے کیلئے دور نکل جانے والے بھی مارے جاتے تھے۔ بیمار بھی بکثرت مرنے لگے۔ گائیں' بھینیں دس دس' بیس بیس روپے میں بک گئیں۔ بکریاں ایک ایک روپے میں فروخت ہوئیں۔ کیمپ کے چاروں طرف غلاظت کے ڈھیر لگتے چلے گئے۔ جانوروں کی اوجھیں سڑنے لگیں۔ مرنے والے مویشی سڑ سڑ کر بدبو پھیلانے لگے۔ سپیشلیں لدھیانہ کیمپ سے پناہ گزینوں کو بھر کر لاتی تھیں اور ہماری آنکھوں کے سامنے سے گزرتی تھیں۔ ہم حسرت سے ہاتھ ہلاتے رہ جاتے تھے۔

سات ستمبر کو اس کیمپ میں چودہ لاریاں آئیں اور اگلے دن لد لدا کر چل دیں۔

معلوم ہوا کہ ان لاریوں پر چڑھنے کیلئے فی سواری ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو سو روپیہ دیا گیا

دس ستمبر کو سات لاریاں آئیں۔ ہم نے بادل نخواستہ وہی ترکیب اختیار کی جو اور لوگ کر رہے تھے۔ تیس روپے فی سواری کے حساب سے معاملہ طے ہوا۔ ہم نے اپنے کنبے کو لاریوں میں ٹھونس دیا اور خود چھت پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ لاریاں چلیں' پاکستان کی سرزمین میں پہنچنے کا شوق تیز ہوا۔ سات بجے شام امرتسر' بارہ بجے رات کے

قریب واہگہ سے ایک میل ادھر ہماری لاری کا انجن خراب ہو گیا۔ ساتھ کی سات لاریاں خدا حافظ کہہ کر نکل گئیں۔

ناچار لاری دھکیلتے ہوئے رات کے ڈیڑھ بجے پاکستان کی حدود میں داخل ہوئے۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ موٹر کی لاش سڑک کے ایک کنارے پر پڑی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ہم نے سڑک سے ذرا ہٹ کر اطمینان خاطر سے چادریں بچھائیں اور اُن پر سو گئے۔ کئی ماہ کے بعد امن اور چین کی یہ پہلی نیند تھی جو پاکستان کی سرزمین پر آئی۔ خوف' بدامنی' اجنبیت' بے کسی اور بے اعتمادی کا جو خول بنا ہوا تھا وہ پھٹ چکا تھا۔

علاقہ بیٹ (دریائے ستلج) کی سرگزشت:

راقم الحروف مؤلف کتاب دریائے ستلج کے علاقہ بیٹ واقعہ تحصیل نکودر کے ایک گاؤں بھدم تھانہ شاہکوٹ کا باشندہ تھا۔ میں نے زندگی کا بیشتر حصہ لاہور میں ملک و ملت کی صحافتی خدمات بجالاتے ہوئے بسر کیا تھا' لیکن خدائے حکیم وخبیر کی اَن دیکھی اور اَن بوجھی مصلحتوں کو منظور تھا کہ میں مسلمانانِ ہند کی تاریخ کے ان پُر آشوب ایام میں قوم پر وارد ہونے مصائب کا شریک حال بنوں' اس لئے ماہ جون کے آخری دنوں میں شدید طور پر علیل ہونے کے باعث میں اپنے گاؤں کو جا چکا تھا۔

جون کے آخر میں شہر لاہور میں عمارتوں اور مکانوں کو آگ لگانے کی وارداتیں کثرت سے ظہور پذیر ہونے لگی تھیں اور شہر کے مختلف اقطاع پر مسلسل بہتر بہتر گھنٹوں کا کرفیو نافذ ہو رہا تھا۔ بیمار آدمی کیلئے وہاں ٹھہرنا ناممکن ہو گیا تھا۔ گاڑی امرتسر سے گزری تو وہاں بھی شہر کے مختلف حصوں سے آگ کے شعلے بلند ہوتے دکھائی دے

رہے تھے۔ گاڑی میں بہت سے ہندو خاندان ہم سفر تھے جو لاہور کو ہندوستان کی طرف نقل مکانی کر رہے تھے۔

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں میں ابھی بصیغہ علالت گاؤں سے باہر ایک مکان میں پڑا صحت یابی کا انتظار کر رہا تھا کہ ۱۵؍اگست کو پاکستان اور ہندوستان الگ الگ ہو گئے اور ہمیں جالندھر کے مسلم لیگی کارکنوں کی طرف سے یہ پیغام ملا کہ خان افتخار حسین خان والی ممدوٹ صدر صوبہ مسلم لیگ نے یقین دلایا ہے کہ ضلع فیروز پور کی تحصیل زیرہ اور ضلع جالندھر کی تحصیلیں نکودر اور جالندھر حد بندی کمیشن کے فیصلہ میں پاکستان کی طرف جائیں گی۔ (تین ماہ بعد لاہور پہنچ کر معلوم ہوا کہ حد بندی کمیشن کے فیصلہ کا حال زعمائے کرام کو ۱۷؍اگست کو ہی معلوم ہو چکا تھا اور وہ جان چکے تھے کہ یہ تحصیلیں ہندوستان میں شامل ہو رہی ہیں۔ اس علم کی بناء پر انہوں نے اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور دوستوں کو پاکستان میں لانے کی کوششیں بھی شروع کر دی تھیں۔ مؤلف)

۱۷؍اگست کو حد بندی کمیشن کے فیصلہ کا اعلان ہو گیا لیکن ہمارے علاقہ میں کئی دن تک یہ بات واضح نہ ہو سکی کہ فیصلہ کی نوعیت کیا ہے۔ کیونکہ ڈاک معطل ہو چکی تھی۔ قریب کے دیہات میں جن لوگوں کے پاس ریڈیو کے سٹ تھے، وہ بیٹریاں ختم ہو جانے کے باعث بیکار پڑے تھے۔

۱۸؍اگست کی شام کو غروب آفتاب کے قریب دریائے ستلج کے پار سے مسلمان پناہ گزینوں کی ٹولیاں بیٹ کے دیہات میں وارد ہونے لگیں۔ وہ عید کا دن تھا۔ ہمارے گاؤں میں جو لوگ پہنچے وہ اندگڑھ تحصیل زیرہ کے باشندے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ سکھ جتھوں نے موضع اندگڑھ کو تباہ کر دیا ہے۔ مسلمان خانماں برباد ہو چکے ہیں۔ علاقہ بیٹ تحصیل نکودر میں مسلمانوں کی اسی فیصدی اکثریت آباد تھی۔ کہیں کہیں سکھوں

کا کوئی گاؤں یا سکھوں اور مسلمانوں کا کوئی مشترکہ گاؤں نظر آتا تھا۔ اس علاقہ کے سکھ مسلمانوں کے سامنے بھیگی بلی کی مانند رہتے تھے اور مسلمانوں کی اکثریت کے باعث بہت خوفزدہ تھے۔ مسلمان بھی یہ سمجھتے تھے کہ اس سکھ اقلیت اور انکا دکا ہندو بنیوں کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔ تاہم عام مسلمان ناگوار حادثات کا مقابلہ کرنے کیلئے گنڈاسے، بھالے، نیزے، تلواریں اور چھرے بنوانے لگے، اور بارود کی نالیوں کے تجربے کرنے لگے جو توڑے دار بندوق کی طرح لوہے کے ٹکڑے پھینک سکتی تھیں۔

دور دور سے مسلمانوں کے قتل عام کی اطلاعات پہنچنے لگیں۔ مقابلوں اور مقاتلوں کی خبریں آنے لگیں۔ راستے مسافروں کیلئے پُرخطر ہو کر مسدود ہو گئے۔ افواہیں اور متضاد خبریں اس کثرت سے پھیلنے لگیں کہ صحیح کیفیت کا جانچنا ناممکن ہو گیا۔ تاہم ایک بات یقین کے درجہ تک پہنچ گئی کہ دریا کے پار ضلع فیروزپور اور ضلع لدھیانہ کے دیہات میں مسلمان تباہی و بربادی کا شکار ہو رہے ہیں۔ وہاں سے پناہ گزینوں کی جمعیتیں برابر اس علاقہ میں وارد ہو رہی تھیں، اور بعض اوقات رات کے وقت دریا کے پار جلتے ہوئے دیہات کے شعلے بھی نظر آنے لگے تھے۔ دریا کے پار گوجروں کے جو بیس بائیس دیہات کی ایک زنجیر سی بنی ہوئی تھی وہ ٹوٹ گئی اور اس کے باشندے دریا کی گود میں دو نالوں کے درمیان ایک بڑے جزیرے کے جنگل میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔

علاقہ بیٹ میں بھی خوف و ہراس پھیلنے لگا۔ گاؤں گاؤں میں حفاظت کی تدابیر سوچی جانے لگیں۔ دیہات نے فیصلہ کیا کہ خطرے کے وقت ایک دوسرے کی امداد کو پہنچیں گے لیکن یہ سب اضطراری کیفیات تھیں۔ حفاظت و مدافعت کیلئے نظم کا ہونا ایک لازمی امر تھا لیکن یہ بات سرے سے مفقود تھی۔ یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ ہمارا علاقہ ہندوستان میں شامل ہو چکا ہے۔ اس لئے لوگ بددل ہو رہے تھے۔ ان اقطاع

کے باشندے پشتوں سے پُرامن زندگی بسر کرتے چلے آرہے تھے۔ اس لئے بدنظمی کے دور میں صحیح دفاعی تدابیر کو سوچنے تک کی اہلیت نہ رکھتے تھے۔ چہ جائیکہ ان پر ثابت قدمی کیساتھ عمل کر سکتے۔

اگست کے اواخر میں ایک رات علاقہ بیٹ کے دیہات میں خطرے کے نقارے بجنے لگے۔ لوگ جوق جوق نکل کھڑے ہوئے' کئی میل چل کر لوہ گڈھ کے قریب جمع ہو گئے' جہاں پہلے پہل خطرہ کا الارم ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ الازم بے بنیاد تھا' اس لئے سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔

دریا کے پار اضلاع فیروز پور' لدھیانہ اور جالندھر کی حدیں ملتی تھیں۔ آغاز ستمبر میں قصبہ کشن پور ضلع فیروز پور کے سکھوں نے اردگرد کے سکھ دیہات سے جتھے منگوا کر قصبہ تہاڑہ ضلع لدھیانہ کے مسلمانوں پر دھاوا بول دیا۔ شدید جنگ وقوع پذیر ہوئی۔ سکھوں نے شکست کھائی' مسلمانوں نے آگے بڑھ کر اُن کے ایک دو گاؤں جلا دیئے اور کئی میل تک سکھوں کا تعاقب کر کے سینکڑوں سکھ جہنم رسید کیے۔ راستے میلوں تک ان کی لاشوں سے پٹے پڑے تھے لیکن اس خوف سے کہ اب ہندوستان کی فوج تہاڑہ سے انتقام لے گی' تہاڑہ اور گردونواح کے دیہات کے مسلمان دریا کے پار علاقہ بیٹ میں آنے لگے' جو باقی رہ گئے انہیں اگلے دن ملٹری نے آن گھیرا اور سکھ جتھوں نے آ کر ان کا قتل عام کر دیا۔ ملٹری چیدہ چیدہ اشخاص کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئی۔

آغاز ستمبر میں علاقہ بیٹ کے مشرقی سرے پر موضع تلون تحصیل پھلور میں معرکے کا رَن پڑا۔ اس موضع میں جیب اللہ خان اور حفیظ اللہ خان دو بھائیوں نے اپنے قلعہ میں حفاظتی تدابیر درست کر رکھی تھیں۔ اپنے طور پر کچھ بندوقیں اور رائفلیں بھی فراہم کر لی تھیں۔ ایک باقاعدہ عسکری جماعت بھی منظم کر لی تھی۔ گردونواح کے دیہات نے

جیب اللہ خان کو اپنا امیر سمجھ رکھا تھا۔ ان دیہات کے جوان خطرے کے وقت ان کے جھنڈے تلے جمع ہو جاتے تھے۔ تلون اور اس کے نواحی دیہات میں تین دن جنگ جاری رہی۔ سکھوں نے شکست کھائی۔ ملٹری جو سکھوں کی امداد کیلئے آئی تھی اُس نے بھی شکست کھائی۔ مسلمانوں نے سکھوں کے تین چار گاؤں جلا دیئے۔ یلغار کو منظم طریق سے جاری رکھنے کا انتظام نہ تھا اس لئے دیہات کے لوگ شام کے وقت گھروں کو لوٹ آئے تھے اور معرکہ کے وقت لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہو جاتے تھے۔ تاہم امیر جیب اللہ خان کی منظم جمعیت سکھوں کے حملوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتی رہی۔ یہ جمعیت صحیح اسلامی اصول کے مطابق لڑتی تھی۔ امیر جیب اللہ خان نے ہدایت کر رکھی تھی کہ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں پر ہاتھ نہ اُٹھانا۔ صرف اُن لوگوں سے لڑنا جو مقابلہ کیلئے آئے ہوں۔ قصبہ تلون کے ہندوؤں نے سکھوں کی پناہ میں جانے کے بجائے امیر جیب اللہ خان کی پناہ میں رہنے کو ترجیح دی اور مسلمانوں نے ان کی حفاظت میں کسی قسم کا دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

انہی دنوں میں تلون سے چند میل کے فاصلے پر سکھوں کے گاؤں بلگہ کے قریب سکھوں نے ایک ریل گاڑی روک کر مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ اگلے دن ان کا ایک جم غفیر مسلمانوں کے دیہات پر حملہ کرنے کے ارادہ سے جمع ہو رہا تھا کہ بلوچ رجمنٹ کا ایک دستہ اس طرف آ نکلا۔ اس نے سکھوں پر فیر کر کے اس ہجوم کو منتشر کر دیا۔ تلون کے نواحی دیہات میں جو لڑائیاں ہوئیں ان میں راقم الحروف کے ایک عم زاد بھائی مولوی جمیل احمد خان بھی شہید ہو گئے۔ مولوی صاحب مرحوم بُرج چھیاں کے ایک تکیہ میں بیٹھے تھے، گاؤں کے کچھ لوگ بھی وہاں جمع تھے کہ سر شام سکھوں نے اچانک حملہ کر دیا۔ لوگ سراسیمہ ہو کر بھاگے لیکن مولوی صاحب مرحوم نے بھاگنے سے انکار کر دیا۔ معلوم نہیں کہ اُن پر لوگوں کے چلے آنے کے بعد کیا گزری؟

اواخر اگست میں علاقہ بیٹ کے چند سرکردہ مسلمان وفد بنا کر تحصیل نکودر کے سکھ تحصیلدار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور التجا کی کہ دریا کے پار ضلع فیروز پور اور ضلع لدھیانہ کے دیہات میں بدامنی پھیل رہی ہے۔ دریا چند دنوں تک پایاب ہو جائے گا اس لئے آپ علاقہ بیٹ کو بدامنی سے بچانے کیلئے مناسب ذرائع اختیار کریں تاکہ دریا پار کے سکھ جتھے آپ کی تحصیل کے امن کو برباد نہ کر پائیں۔ تحصیلدار نے جواب دیا کہ آپ فکر نہ کریں میں دریا کو پایاب نہیں ہونے دوں گا۔ وفد اس جواب سے حیرت زدہ ہو گیا لیکن وہ سچ کہہ رہا تھا کہ دریا کے پایاب ہونے سے پہلے پہلے اس علاقہ کے مسلمانوں کو اُٹھنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔

آغاز ستمبر میں جب تیس میل لمبے اور آٹھ دس میل جوڑے علاقہ بیٹ کے جنوب میں نہاڑہ ضلع لدھیانہ اور مشرق میں تکون تحصیل پھلور میں معرکے ہو رہے تھے۔ سکھ جتھوں نے اس علاقہ کے شمال میں کانگنہ نامی ایک گاؤں پر بھی جنگ کا محاذ قائم کر لیا۔ کانگنہ کے لوگ تین دن مقابلہ کرتے رہے۔ دو دن انہوں نے حملہ آور جتھوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔ تیسرے دن سکھ ملٹری کی جمعیت لے کر آئے۔ کانگنہ میں تباہی مچا دی۔ لوگ گولیوں کی بے پناہ بارش کے درمیان سراسیمہ ہو کر بھاگے۔ لاتعداد عورتیں عصمت بچانے کیلئے کنوؤں میں کود گئیں۔ بیسیوں مرد، عورتیں اور بچے کاٹ دیئے گئے، بہت گولیوں کا نشانہ بنے، بچے کھچے لوگ علاقہ بیٹ کے دیہات میں پھیل گئے۔

انہی دنوں میں علاقہ بیٹ کے شمال مغربی گوشے کے ایک گاؤں میانوال کے ذیلدار میاں محمد اسلم نے سکھوں کو شمالی دیہات میں تباہی مچاتے ہوئے دیکھ کر مسلمانوں کو جمع کیا اور قریب کے سکھ دیہات پر ہلہ بول دیا۔ اس لشکر نے سکھوں کے تین چار دیہات یکے بعد دیگرے تاراج کیے۔ سکھ مسلمانوں کو آتا دیکھ کر گاؤں چھوڑ کر بھاگ

جاتے تھے۔ سرِ شام لشکر تھک گیا، ابھی آگے سکھوں کے دوسرے دیہات پڑے تھے لیکن تھکاوٹ کے باعث لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور جمعیت منتشر ہو گئی۔

اگلے دن ۴ ستمبر کو سکھوں نے جم غفیر نے میانوال پر حملہ کیا۔ مسلمان مقابلے کیلئے پھر جمع ہوئے۔ محمد اسلم ذیلدار کو تھانیدار اور ملٹری کے افسروں نے تھانہ میں بلا بھیجا تھا۔ وہ بے خوف وخطر وہاں چلے گئے۔ تھانے سے باہر نکلے ہی تھے کہ کچھ لوگوں نے جوان کی گھات میں بیٹھے تھے ان پر گولی چلا دی اور محمد اسلم شہید ہو گئے۔ مسلمان ان کی شہادت کے باعث بددل ہو گئے اور میانوال کے نواحی دیہات خالی ہونے لگے۔

کانگنہ اور میانوال کے مورچے تین دن کی لڑائی کے بعد بیک وقت ۴ ستمبر کو ٹوٹے۔ امیر جیب اللہ خان نے جو ابھی تک اپنے قلعہ میں ڈٹے ہوئے تھے اس روز تکون کے نواحی دیہات میں چکر لگا کر اعلان کر دیا کہ سب مسلمان اپنے اپنے دیہات خالی کر کے کسی ایک مقام پر جمع ہو جائیں۔ چنانچہ متذکرہ صدر تین مقامات کے اردگرد مسلم دیہات اُسی روز خالی ہو گئے اور سکھ جتھے ان دیہات کو لوٹنے اور آگ لگانے لگے۔

یہ حال دیکھ کر دریائے ستلج کے کنارے کے مسلم دیہات نے بھی ہجرت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ۴ ستمبر کو میرے اپنے گاؤں کی غالب اکثریت اپنا ضروری سامان بیل گاڑیوں پر لاد کر گاؤں سے باہر کنوؤں پر چلی گئی اور جب کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آیا تو لوگ بال بچوں سمیت اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔

۶ ستمبر کو علی الصبح روانگی شروع ہو گئی۔ راقم الحروف کے خاندان نے ہجرت کی کوئی تیاری نہ کی تھی۔ گاؤں خالی ہو رہا تھا اس لئے میں اپنے خاندان کی عورتوں، بچوں اور کنبہ کے جوان لڑکوں کو لے کر دریا کی طرف چلا گیا۔ خیال یہ تھا کہ گڑبڑ چند دن رہے گی اور وہ دن ہم دریائے ستلج کی گود میں جھاڑیوں کے جنگل میں چھپ چھپا کر گزار

لیں گے، اور جب پنڈت جواہر لال نہرو کی حکومت ملک میں امن قائم کر لے گی تو اپنے گھروں میں واپس آ جائیں گے۔ ہمیں اس بات کا قطعی علم نہ تھا کہ ہندوستان اور پاکستان کی سیاست کے آسمانوں میں ہماری تقدیر کا فیصلہ ہو چکا ہے اور قائداعظم محمد علی جناح اور لارڈ مونٹ بیٹن نے ۲۹/اگست کو لاہور میں کانفرنس کر کے یہ بات طے کر لی ہے کہ قسمت جالندھر تک کے اضلاع کی مسلم آبادی کا تبادلہ مغربی پنجاب کی ہندو اور سکھ آبادی کے ساتھ کیا جائے گا۔

۶ ستمبر کی صبح کو ہم دریا کے کنارے پر درختوں کے ایک جھنڈ میں جا بیٹھے۔ اس مقام کے سامنے ایک میل تک دریا کا ریتلا طاس پھیلا ہوا تھا اور آگے دریا تھا۔ اس ریتلے طاس میں سے دو پگ ڈنڈیاں شرقاً غرباً گزر رہی تھیں۔ درختوں کے جھنڈ کے آگے نالہ کے کنارے کے ساتھ ساتھ بڑا راستہ گزرتا تھا اور پیچھے یعنی گاؤں کی طرف ایک اور پگ ڈنڈی واقع تھی۔ ہم وہاں جا کر بیٹھے تو دیکھا کہ خانماں برباد لوگ قطار اندر قطار سروں پر بوجھ اُٹھائے ان چاروں راستوں پر سے گزر رہے ہیں اور مغرب سے مشرق کی طرف جانے کا ایک غیر منقطع سلسلہ جاری ہے۔ بڑے راستے پر سے بیل گاڑیوں کے قافلے گزر رہے تھے۔ دریا کے ریتلے طاس کی پگ ڈنڈیوں پر سے وہ گوجر لوگ جا رہے تھے جو کئی دن سے دریا کی گود میں بیٹھے تھے۔

دوپہر کے بعد تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر مہاجرین کی رفت و گزشت میں کمی واقع ہو گئی۔ ہمارے گاؤں سے مغرب کی طرف کے تمام دیہات خالی ہو گئے۔ ظہر کی نماز کے وقت ہم نے دیکھا کہ مغرب کی جانب سے لوگوں کی ٹولیاں سراسیمگی کے عالم میں بھاگی چلی آ رہی ہیں۔ ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہم لوگ بھمیاں کے رہنے والے ہیں جو ہمارے گاؤں سے مغرب کی طرف تین میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ وہاں

سے مسلمان نکل رہے تھے۔ کچھ گاؤں سے باہر بیل گاڑیاں لئے دریائی نالہ کے کنارے پر چلنے کیلئے تیار ہو رہے تھے کہ سکھوں نے حملہ کر دیا۔ بہت سے مسلمانوں کو شہید کر ڈالا' کئی ایک عورتوں کو چھین لیا' کئی عورتیں نالے میں چھلانگ لگا کر ڈوب گئیں۔

سکھوں کے گھڑ سوار لوگ دریا کے کنارے کنارے اس طرف چلے آ رہے ہیں اور جو مسلمان قافلے سے پیچھے رہ گئے ہیں انہیں قتل کر رہے ہیں۔ یہ سن کر میں نے کنبہ کے افراد کو درختوں کے جھنڈ سے نکال کر مکئی اور گنے کی فصلوں کے درمیان بٹھا دیا۔ ہمارے پاس صرف تلواریں اور بھالے تھے۔ آتشیں ہتھیار کوشش کے باوجود نہیں مل سکے تھے۔

اب وہاں اخی المکرم آغا زغلام رسول خان جو گھر ہی میں رہ گئے تھے پہنچے۔ ان کے ساتھ گاؤں کے دو تین اشخاص بھی تھے جو گاؤں سے دو میل دور نکل کر ہمیں ہجرت پر آمادہ کرنے کی نیت سے واپس لوٹے تھے۔ اخی المکرم نے بتایا کہ سب دیہات خالی ہو چکے ہیں اور سکھ قریب کے گاؤں ساند کے خالی گھروں کو جو نصف میل کے فاصلے پر واقع تھا' لوٹ رہے ہیں۔ اس حال میں اس کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہ گیا تھا کہ ہم بھی اُسی طرف کی راہ لیں جدھر سب لوگ جا چکے تھے۔ لہٰذا اخی المکرم اور میرے ایک عم زاد بھائی تو گھر کو واپس لوٹ گئے کہ بھینسوں کو ہانک لائیں تاکہ راستے میں بچوں کو دودھ ہی مل سکے۔

میں خاندان کے ذکور و اناث کو لے کر وہیں سے پرجیاں کلاں کی طرف روانہ ہو گیا۔ جوان اطراف کے مہاجرین کی پہلی منزل مقصود تھی۔ اس طرح ہم لوگ بے سرو سامانی کے عالم میں گاؤں کو خیر باد کہنے پر مجبور ہو گئے۔

اخی المکرم اور میرے ایک عم زاد بھائی مولوی نجم الدین گھر پہنچے۔ وہ آگ سلگا کر حقے کے کش لگا رہے تھے کہ سکھ لٹیرے آ کر ہمارے گھروں کا بیرونی پھاٹک توڑنے لگے۔

دونوں بھائی پچھواڑے کے ایک چھوٹے دروازے کی راہ سے نکل کر فصلوں میں سے گزرتے ہوئے پرجیاں کلاں کی طرف چل پڑے اور گاؤں سے باہر قبرستان کے قریب جا کر ہمارے ساتھ مل گئے۔ لٹیرے گاؤں کے مغربی سرے پر ہمارے گھروں کو لوٹ رہے تھے اور ہم گاؤں کی مشرقی سمت میں پرجیاں کلاں کی طرف جا رہے تھے۔ دو میل چلنے کے بعد ہم مہاجرین کے قافلے کے عقبی حصہ میں شامل ہو گئے جو وہاں سستا رہا تھا۔

سارے قافلے نے رات پرجیاں کلاں کے قریب پڑاؤ ڈال کر بسر کی، تعداد کوئی دس ہزار کے لگ بھگ ہوگی۔ اگلے روز قافلہ وہاں سے روانہ ہوا اور کوئی تین میل چل کر بڑھے دریا کے کنارے جا بیٹھا۔ بارشوں کی وجہ سے راستے دلدل ہو رہے تھے اس لئے بیل گاڑیاں چلانے میں بڑی دقت کا سامنا ہو رہا تھا۔ لوگ اپنا قیمتی سامان اور گندم کی بوریاں بوجھ ہلکا کرنے کے لئے راستے میں پھینکتے چلے گئے۔

۸ ستمبر کو بڑھے دریا کو عبور کر کے تین چار میل کا سفر طے کیا اور ہم مہت پور پہنچ گئے۔ گاؤں سے لے کر مہت پور تک کے دیہات ایک دو روز قبل اُٹھ چکے تھے۔ مہت پور سے نکودر کو جانے والی سڑک پر دونوں طرف کیمپ لگ رہا تھا۔ لوگ آسمان کی نیلی چھت کے نیچے چادریں تان کر سائے بنا کر بیٹھ گئے۔ نکودر کا کیمپ بھرپور ہو چکا تھا۔ مہت پور کا کیمپ بھی بھر گیا۔ محبت پور سے نکودر تک چھ میل کی مسافت میں سڑک کے آس پاس کوئی دو لاکھ انسانوں کا جم غفیر جمع ہو رہا تھا، کچھ معلوم نہ تھا کہ ہم کس طرف جا رہے ہیں۔ عام لوگوں کا خیال تھا کہ قافلہ اسی طرح چلتا ہوا پاکستان کی راہ لے گا، لیکن نکودر اور مہت پور میں جا کر دن گزرنے لگا۔ دونوں جگہ ملٹری کی چوکیاں بنی ہوئی تھیں۔

مہت پور میں گورکھا گارڈ متعین تھی، جس نے ہمارے جانے سے ایک روز قبل تین سکھوں کو کرفیو کی خلاف ورزی کرنے کے باعث گولی کا نشانہ بنالیا تھا۔ یہ لاشیں ہم نے وہاں پڑی دیکھیں۔

دن گزرتے گئے، ہفتے گزرتے گئے، مہینہ گزر گیا لیکن مصائب سے نجات کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ کبھی کبھار پاکستان کی ملٹری کے لوگ ٹرک لے کر آتے تھے اور اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو لے جاتے تھے۔ بعض ہوشیار اشخاص نے آغاز ستمبر ہی میں دیہات میں ٹرک بھیج بھیج کر اپنے اعزاء اور اقربا کو نکال لیا تھا۔ سیکرٹری جنرل پاکستان[۱] کے بھیجے ہوئے ٹرک ستمبر کے ابتدائی دنوں ہی میں جبکہ لوگ ابھی اپنے اپنے گھروں میں امن چین سے بیٹھے تھے، ان کے رشتہ داروں کو گاؤں سے نکال لے گئے تھے

۱۵؍اکتوبر کو میں نے کیمپ مہتپور کی کیفیات پر مشتمل ایک بیان گھسیٹ کر ٹرک میں سوار ہونے والے ایک شخص کو دیا کہ لاہور پہنچ کر کسی روزنامہ میں چھپوا دے۔ یہ بیان نومبر کے آخری ایام میں ڈاک کے ذریعے اپنی منزل مقصود پر پہنچایا گیا جبکہ میں لاہور پہنچ چکا تھا۔ اس لئے وہ اخبار میں تو شائع نہ ہوسکا لیکن کتاب میں درج کیا جارہا ہے۔

---

[۱] سیکرٹری جنرل پاکستان مسٹر محمد علی علاقہ بیٹ کے ایک گاؤں تنگل انبیاء کے رہنے والے تھے۔ لاہور پہنچ کر معلوم ہوا کہ پاکستان اور مغربی پنجاب کے وزرائے کرام اور مسلم لیگ کے زعمائے عظام اور پاکستان گورنمنٹ کے بڑے چھوٹے عہدہ داروں میں سے اکثر نے اپنی پوزیشنوں سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر اپنے رشتہ داروں کو نکال لانے کا بندوبست کیا (مؤلف)

اس میں کیمپ کی کیفیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مضمون حسب ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۵ / اکتوبر ۱۹۴۷ء از کیمپ بیکسان واقعہ محبت پور ونکودر

شب تاریک و بیم موج و گر دابے چنیں حائل
کجا دانند حال ما سبکساران ساحل ہا

پاکستان کے خوش بخت باشندو! خدائے کریم آپ سب کو شادکام اور بامراد رکھے۔

آپ کو مبارک ہو کہ دس کروڑ مسلمانانِ ہند کے قائداعظم مسٹر محمد علی جناح نے اپنی خوش تدبیریوں سے آپ کیلئے دارالسلام پاکستان بنالیا اور ہندوستان کے چار کروڑ یا زائد از چار کروڑ کلمہ گویانِ توحید کو بھیڑیوں کے حوالے کردیا۔ میں اپنے قائداعظم مسٹر محمد علی جناح کو بھی مبارک باد دیتا ہوں کہ وہ پاکستان کے گورنر جنرل بنا دیئے گئے۔ مسٹر لیاقت علی خاں اور دیگر اشخاص متعلقہ بھی علی الترتیب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد کی بیدردانہ قربانی دے کر وہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو گئے۔ نواب افتخار حسین، میاں ممتاز دولتانہ، راجہ غضنفر علی، میاں افتخار الدین وغیرہم بھی میری مبارک باد کے مستحق ہیں کہ ان سب کی مرادیں بر آئیں اور وہ سستے داموں پاکستان کے بااقتدار طبقہ میں شامل ہو گئے۔

ہمارا حال! آپ کو ہمارے حال سے کیا غرض! ہم سب سسکیاں لے رہے ہیں، چند دن کے مہمان ہیں۔ جہاں آپ لوگوں نے صدہا سال کی اسلامی یادگاروں، آباؤ اجداد کی محنتوں کے ثمروں، مسجدوں، بزرگوں کے مقبروں، نیاگان کی بنائی ہوئی شاندار عمارتوں، اسلاف کے علمی کارناموں کی پرواہ نہ کی وہاں ہم تباہ ہو گئے تو آپ سے کس ہمدردی کی توقع ہو سکتی ہے۔ ارادہ تو یہی تھا کہ خاموشی اور صبر جمیل کے ساتھ ہر

مصیبت کو برداشت کریں اور آپ سے کچھ نہ کہیں لیکن از مہت پورتا نکودر کے کیمپ کی بے سروسامان، فاقہ کش، مریض، ستم زدہ، دشمنوں کے پیہم حملوں کی ہدف مخلوق مجھے مجبور کر رہی ہے کہ آپ کو حالات پہنچانے کی کوشش کروں۔ اس لئے یہ چند سطور لکھ رہا ہوں۔ شاید کسی اخبار میں چھپ جائیں اور آپ کی نگاہوں سے گزر سکیں۔

خانہ بربادی: ہم لوگوں کے مصائب بے حد و بے حساب ہیں جن پر دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے۔ تحصیل نکودر کی اسی فیصدی مسلم آبادی پہلے اس مغالطہ کا شکار رہی کہ حسب قرارداد یہ تحصیل پاکستان میں شامل ہو کر رہے گی۔ جب حد بندی کے کمیشن نے نہ معلوم وجوہ کی بناء پر اس خالص مسلم علاقہ کو ہندوستان میں شامل کر دیا اور ضلع فیروز پور میں اسی دن (۱۵ اگست) سے مسلمانوں کا قتل عام منظم طریق سے شروع ہو گیا تو دریا (ستلج) پار کے پناہ گزین مسلمان اس مسلم آبادی میں آنے لگے۔ چند دن تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ آغازِ ستمبر میں مسلمانوں کے قتل عام کی مہم ہماری تحصیل کی حدود پر بھی شروع ہو گئی۔ حکام کی آنکھیں بدل چکی تھیں۔ ملٹری سکھوں کی کھلم کھلا امداد کرتی تھی۔ جس جگہ سکھوں کو شکست ہوتی وہاں کے مسلمانوں سے ملٹری آ کر شدید انتقام لیتی۔ اس طریق سے بھارت ورش کی سرکاری پولیس، سرکاری فوج اور سکھوں کی منظم جتھا بندی نے تلون، کانگنہ، میانوال اور تہاڑہ کے مورچے توڑ ڈالے۔ عام مسلمان آبادی میں ہراس پھیل گیا۔ ۵ ستمبر کو یہ افواہ گرم ہوئی کہ مسلمان اپنے گھر چھوڑ کر نکل جائیں ورنہ بھارت ورش کی فوج بنوک سنگین انہیں نکالے گی۔ ۶ ستمبر کو جملہ دیہات یک لخت خالی ہونے لگے۔ جن زمینداروں کے پاس بیل گاڑیاں تھیں وہ اپنا کچھ سامان لاد کر نکلے۔ باقی بے سروسامانی کے عالم میں چل کھڑے ہوئے۔ ان سب کو مہت پور سے نکودر کو جانے والی

سڑک کے ساتھ ساتھ خانہ بدوشوں کی طرح بیٹھنے کا حکم ملا۔ ان دونوں قصبوں میں بھارت ورش کی فوج کی چوکیاں قائم ہو چکی تھیں۔

سکھوں کے حملے: بیل گاڑیوں والے خورد و نوش کا کچھ سامان اُٹھالائے تھے اس لئے کیمپ میں چند دن کسی قدر امن کے ساتھ گزر گئے۔ جب دانے اور چارے کی قلت محسوس ہوئی تو کیمپ کے لوگ دانہ اور چارہ لانے کیلئے دیہات کو جانے لگے اور سکھ جتھوں کے حملوں کا شکار ہونے لگے۔ ہر روز شام کو اطلاع ملتی تھی کہ سکھوں نے دس بارہ یا اٹھارہ بیس مسلمانوں کو گھیرے میں لے کر مار ڈالا ہے۔ مسلمانوں کی داد دینے والا یا فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔ سول حکام پہلے ہی سے مسلمانوں کی جان کے دشمن ہو چکے تھے۔ اب ہم ملٹری کی تحویل میں تھے لیکن ڈوگرا فوج کے سپاہیوں کو جیپ کاروں میں بیٹھ کر سڑک پر گشت لگانے کے سوا ہمارے ساتھ کوئی واسطہ نہ تھا۔ جب ملٹری کے آفیسروں سے شکایت کی گئی کہ سکھ دیہات کو جانے والے مسلمانوں پر حملے کرتے ہیں اور کیمپ کے نزدیک آ کر چرنے والے مویشی کو دن دیہاڑے بھگا لے جاتے ہیں تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ ہمارے پاس اتنے آدمی نہیں کہ ہم دانہ چارہ لانے والوں کے ہمراہ محافظ دستے بھیج سکیں۔ انتظام کرنے کے بجائے انہوں نے کرفیو آرڈر لگا دیا کہ کیمپ کا کوئی آدمی دیہات کی طرف نہ جانے پائے۔ اس کے بعد بھی سکھ لٹیرے اُن لوگوں کا شکار کھیلتے رہتے ہیں جو کیمپ سے ذرا دور گھاس کھودنے یا ایندھن لانے کے لئے نکل جاتے ہیں۔ سکھوں کے ہاتھ سے قتل ہونے والوں کی تعداد دس بارہ نفوس روزانہ ہے۔

بیماریاں اور وبائیں: سڑک کے دونوں کناروں پر چھ میل کے فاصلے میں دو لاکھ سے زیادہ نفوس کے اجتماع، صفائی وغیرہ کے انتظام کے فقدان اور طبی امداد کے نہ ہونے کے باعث

کیمپ کے لوگ جلد ہی طرح طرح کی امراض کا شکار ہونے لگے۔ پہلے پیچش اور اسہال کا حملہ ہوا اور سو فیصدی لوگ اس مصیبت کا شکار ہو گئے۔ پھر بخار اور ہیضے کی وبا پھوٹ پڑی اور دھڑا دھڑ اموات واقع ہونے لگیں۔ اس قسم کی اموات کی رفتار کا صحیح اندازہ لگانا میرے حیطۂ امکان سے باہر ہے۔ مختصر یہ کہ مہت پور سے لے کر نکودر تک کا کیمپ شہر خاموشاں میں تبدیل ہو رہا ہے۔ پچانوے فیصدی لوگ بیمار ہیں، چہرے زرد ہو گئے ہیں۔ اکثر صاحب فراش ہیں، جو لوگ چل پھر رہے ہیں ان میں بھی توانائی کا نام تک نہیں۔

غلے اور چارے کا قحط: بیل گاڑیوں والے جو غلہ لائے تھے، وہ ختم ہو چکا تھا یا ختم ہو رہا ہے۔ جو لوگ دیہات سے غلہ اُٹھا کر لاتے تھے ان پر بندش عائد ہو چکی تھی۔ مویشی کیلئے چارہ لانا بھی ممکن نہیں رہا۔ پہلے مہت پور، نکودر اور سڑک کے نواحی دیہات کے ہندوؤں اور سکھوں نے ہر طریق سے مسلمانوں کا بائیکاٹ کر رکھا تھا، چند دن سے ان کی پالیسی بدل گئی ہے۔ اب وہ گراں فروشی کر رہے ہیں اور کیمپ سے روپیہ، سونا اور چاندی نکال رہے ہیں۔ کیمپ کے گرد و نواح کی گھاس ختم ہو رہی ہے۔ لوگوں کیلئے مویشی کا سنبھالنا ناممکن ہو چکا ہے۔ اس لئے ہندو اور سکھ ایک ایک ہزار روپیہ کی بھینس چالیس چالیس پچاس پچاس روپیہ میں خرید کر لے جا رہے ہیں۔ لوگ بیل چھوڑنے یا سستے داموں بیچنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ آپ حضرات کا خیال ہو گا کہ کیمپ کے بیکسوں کیلئے سرکاری طور پر راشن کا کوئی انتظام ہو گا۔ یہ خیال محض خواب یا خوش فہمی ہے۔ ایک دو دفعہ دو لاکھ کی آبادی کیلئے آٹے کی دس بارہ بوریاں آئیں۔ پاکستان سے آنے والے ٹرک بھی ایک دو دفعہ غلہ، چاول اور آٹا لائے۔ اس میں سے بہت کم حصہ مستحق لوگوں تک پہنچ سکا، باقی اُن چودھریوں نے ہضم کر لیا جو خود ساختہ لیڈر بنے ہوئے ہیں۔ یہ بھیڑ انتہائی بدنظمی اور انارکی کا شکار ہے۔ روزِ حشر کی نفسا نفسی کا عالم ہے۔ پرسوں پاکستان کے ٹرک

چاول اور گندم کی کچھ بوریاں پھینک گئے تھے' آج لوٹ مچ گئی' صحیح تقسیم نہ ہونے کے باعث لوگ بوریاں اُٹھا لے گئے' اس وقت ڈوگرا فوج تفتیش کر رہی ہے۔

موسم سرما کی آمد: طوفانی بارشیں ہونے کے باعث موسم تبدیل ہو چکا ہے۔ سردی بڑھ رہی ہے۔ اکثر لوگوں کے پاس سردی سے بچنے کا کوئی سامان نہیں۔ امراض و اموات کی رفتار میں تیزی کا ایک بڑا سبب موسم سرما کی آمد بھی ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی تکالیف ہیں جو مسلمانوں کو سرعت رفتار کے ساتھ فنا کرنے کا موجب بن رہی ہیں۔ مسلمانوں کے بچے ان شدید کے ہاتھوں مر رہے ہیں۔ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ان لوگوں کا پُرسانِ حال کوئی نہیں۔ بھارت ورش کی حکومت دشمن جان' پاکستان کے حکمران پرلے درجہ کے بے تدبیر اور غرض پرست انسان۔

علاج: میں یہ کہتا ہوں کہ جو لوگ اس بات کا اندازہ نہ کر سکے کہ میں جس قسم کے پاکستان کو وہ قبول کر رہے ہیں اس کے نتائج کیسی کیسی بھیانک شکلوں میں رونما ہو کر رہیں گے۔ آپ لوگ ان کیلئے "زندہ باد" کے نعرے کس بنا پر لگا رہے ہیں۔ جو لوگ ۱۵راگست سے لے کر ۱۵راکتوبر تک ہندوستان کی حکومت کے ساتھ اتنی بات طے نہ کر سکے کہ تبادلۂ آبادی کی اچھی صورتیں کیا ہوں' ان سے کل کس قسم کی فلاح کی توقع ہو سکتی ہے۔ پاکستان کے جو حکمران بھارت ورش کے مسلمانوں کو اس ہلاکت عامہ سے نکالنے کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتے انہوں نے کس برتے پر یہ ذمہ داریاں قبول کی تھیں؟

اب میں حکومت پاکستان کے انتظامات کو لیتا ہوں۔ جب سے ہم لوگ یہاں آن پڑے ہیں' اقربا نوازی کا سلسلہ جاری ہے۔ پاکستان کے فوجی اور غیر فوجی ملازم

ٹرک لاتے ہیں اور اپنے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو لے جا رہے ہیں۔ عوام بیچارے بددل ہو ہو کر روتے ہیں کہ ہمارا مائی باپ کوئی نہیں۔ چند دن سے بلیک مارکیٹ کا سلسلہ شروع ہے۔ پاکستان سے آنے والے ٹرک ان لوگوں کو بٹھا کر لے جا رہے ہیں جو ٹرک لانے والوں کو رشوتیں دے سکتے ہیں۔ غضب خدا کا! محمد عربی کا کلمہ پڑھنے والے غریب بے کس اور بے سروسامان لوگ تو بیٹھے آسمان کی طرف تکتے رہیں اور پاکستان سے آنے والا غلہ چودھری لوگ کھا جائیں۔ پاکستان کے ٹرک سرمایہ داروں کے کام آئیں۔ یہ لچھن اچھے نہیں احکم الحاکمین علیم وخبیر اور سمیع وبصیر ہے، سب کو اس کے مواخذہ سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر پاکستان کے بااقتدار لوگ جن کو عیش وعشرت کے سوا اور کسی بات سے سروکار نہیں" ان مصیبت زدوں کو جلد سے جلد پاکستان لے جانے کا بندوبست کر لیتے تو نہ اتنی جانیں ضائع ہوتیں، نہ عصمتیں گرتیں، نہ مویشی تباہ ہوتے" نہ یہ مسلمان قلاش بنتے، لیکن پاکستان والوں سے تو اتنا بھی نہ ہو سکا کہ وہ انہیں حوصلہ افزائی کا کوئی پیغام بھیجتے یا ان کے انتظام کیلئے اپنے چند آدمی ارسال فرما دیتے جو کیمپ کے لوگوں کو منظم کرتے۔ ان کی تکالیف کا انسداد فرماتے" زیادہ مستحق اشخاص کو پہلے اور دوسروں کو بعد میں لے جانے کا انتظام کرتے۔

مجھے دوسرے کیمپوں کا حال معلوم نہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ ہم پر گزری ہے وہی کچھ کم وبیش دوسرے کیمپوں پر بھی گزر رہی ہے۔ اتنے مسلمانوں کی تباہی وبربادی، ہلاکت وافنا کی ذمہ داری کس کی گردن پر ہے؟

پاکستان کے مسلمانو! آپ نے اپنے رئیسوں، نوابوں، رئیس زادوں اور

نواب زادوں کی جن کو آپ نے لیڈر اور حکمران بنا رکھا ہے، بے تدبیریوں کے نتائج اس شکل میں دیکھ لئے کہ اسلام ہندوستان کی سرزمین سے بیک بینی و دو گوش صرف دو ماہ کے قلیل عرصہ میں نکال دیا گیا۔ پاکستان کے خیال کا خالق، پاکستان کے لئے جدوجہد کرنے میں سب سے پیش پیش یہی راقم الحروف تھا۔ لیکن مجھے وہم وگمان بھی نہ تھا کہ ہمارے لیڈر ایسے ادھورے اور نکمے پاکستان کو قبول کر کے مسلمانوں کو فریب دیں گے۔ میرے تصور کا پاکستان اور تھا۔ اگر وہ بنایا جاتا تو آج ہندوؤں اور سکھوں کو جرأت نہ ہوتی کہ کسی ایک مسلمان کی طرف ترچھی نگاہ سے دیکھ سکیں۔ خیر جو ہونا تھا ہو چکا اب آپ کو ہماری نہیں اپنی فکر کرنی چاہیئے۔ یہ بے تدبیر حکمران آپ کو بھی صعب تر مصیبتوں میں بھی مبتلا کر کے رہیں گے۔ میں ذاتی طور پر اپنی اور اپنے بال بچوں کی تقدیر پر شاکر ہوں۔ میں پاکستان کے ان حکمرانوں سے اپنے لئے کوئی التجاء نہیں کرتا لیکن اتنا ضرور کہتا ہوں کہ اب بھی بہت کچھ سنبھالا جا سکتا ہے۔ ہوشمندی اور تدبیر سے کام لیں، مسلمانوں کو جلد سے جلد پوری قوت صرف کر کے ہلاکت کے اس غار سے نکالنے کی کوشش کریں۔ ازاں بعد خدا آپ کو اور اِدھر سے بچ کر جانے والوں کو توفیق دے کہ آپ راہِ راست پر چلیں۔ اپنے فرائض کو پہچانیں اور تلافیٔ مافات کی کوشش کریں۔ خدا آپ کا حامی و ناصر ہو۔ والسلام

نیازمند: مرتضٰی احمد خاں

۱۵ ؍اکتوبر کو یہ چٹھی لکھی گئی اور ۱۶ ؍اکتوبر کو مہت پور کیمپ پر حملہ ہوا۔ گھڑ سوار سکھوں نے ان مسلمانوں کو جو کیمپ سے نکل کر میل آدھ میل کے فاصلے پر گھاس کھود رہے تھے گولیوں کا نشانہ بنا لیا۔ گھنٹہ بھر گولیاں چلتی رہیں، اٹھارہ مسلمان شہید ہوئے اور کچھ زخمی ہو گئے۔ کیمپ پر بھی گولیاں پھینکی گئیں لیکن حملہ آوروں کو کیمپ کے نزدیک آنے

کی جرأت نہ ہوئی۔ گھنٹہ بھر کے بعد اِدھر مہت پور سے ملٹری کی گارد نکلی اُدھر نکودر سے ملٹری کا ایک گورا میجر جیپ کار دوڑاتا ہوا آن پہنچا۔ کچھ جوان کیمپ سے مقابلے کے لئے نکلے، سکھ جو گھوڑیوں پر سوار تھے یہ حال دیکھ کر بھاگ گئے۔

اس واقعہ کے بعد قتل کی وارداتوں میں کسی قدر کمی واقع ہو گئی۔ ملٹری کی گارد اُجرت لے کر گھاس اور چارہ لانے والے گروہوں کے ساتھ جانے لگی۔ اس حفاظت کے باوجود سکھ لوگ چھپ چھپا کر اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے مسلمانوں میں سے دو چار کو قتل کر دیتے تھے۔ مسلمان کیمپ میں قیدیوں کی سی حیثیت میں تھے ان سے تابِ مقاومت اور مقابلے کی ہمت یکسر مفقود ہو چکی تھی۔ سکھ مسلمانوں کو اس طرح مار رہے تھے جس طرح جنگل کے جانوروں کا شکار کھیلا جاتا ہے۔ اکتوبر کے اخیر میں نکودر کیمپ سے پناہ گزینوں کے قافلے جالندھر کی طرف روانہ ہونے لگے اور مہت پور کیمپ کے لوگ وہاں سے اُٹھ کر نکودر کیمپ میں آ گئے۔ ۲نومبر کو نکودر سے بہت بڑا قافلہ پا پیادہ چلایا گیا۔ صرف چند ہزار آدمی جو بیمار اور ناتواں تھے باقی رہ گئے۔ ان کیلئے بعد میں سپیشل گاڑیاں چلائی گئیں۔

بڑا قافلہ ایک ہی دن میں گیارہ بارہ میل کا سفر طے کر کے پرتاب پور پہنچا۔ اگلے دن چار میل کا سفر طے کر کے کھرلہ کنگرہ میں قیام پذیر ہوا۔ ان مقامات پر پہلے بھی متعدد قافلے قیام کر کے گزر چکے تھے۔ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر بتا رہے تھے کہ بہت سے کاروان اس راہ سے گزر چکے ہیں۔ پرتاب پورہ اور کھرلہ کنگرہ کی فوجی گاردیں پاکستانی تھیں؛ جن کے افسر اور سپاہی پناہ گزینوں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آتے تھے۔

کھرلہ کنگرہ میں چند روز ٹھہرنے کے بعد ۱۱نومبر کو گڑھا کیمپ میں جانے کا حکم ملا جو وہاں سے تین میل دُور تھا۔ یہ کیمپ ریلوے لائین پر واقع تھا۔ دوسرے تیسرے دن اسپیشل گاڑی آتی تھی اور پناہ گزینوں کو لاد کر چلی جاتی تھی۔ ۱۵رنومبر کو جب کیمپ کی

آبادی کسی قدر ہلکی ہوگئی حفاظتی گارد بدل گئی اور ہندو جاٹ رجمنٹ کی گارڈ متعین ہوگئی۔ اس گارد نے آتے ہی ان ہندو دکانداروں کو بھگا دیا جو کیمپ کی حدوں پر خوردنی اشیاء فروخت کر رہے تھے۔ رات کے وقت ان پہرہ داروں نے کیمپ میں لوٹ کھسوٹ شروع کر دی۔ تلاشی لینے کے بہانے سے لوگوں کے ٹرنک کھلواتے تھے اور نقدی اور زیور ہتھیا لیتے تھے۔ عورتوں پر دراز دستی کرنے کی وارداتیں بھی ہوئیں۔ عشاء کے وقت جو عورتیں کیمپ کی حد کے قریب رفع حاجت کیلئے گئیں' جاٹ سپاہیوں نے ان سے چھیڑ چھاڑ کی۔ شور و غل بلند ہوا' بعض جگہ مار پیٹ کی نوبت بھی آئی۔ جاٹ سپاہی رات بھر کتوں کی طرح کیمپ میں پھرتے رہے۔

اگلے روز بعض مسلمانوں نے پناہ گزینوں کو دیہات سے نکال نکال کر لانے والے مسلمان فوجیوں سے رات کا ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے چھاؤنی جالندھر پہنچ کر پاکستان کے لیئزن آفیسر کو اطلاع دی۔ چھاؤنی سے دو مسلمان کپتان تحقیقات کیلئے آئے۔ انہوں نے جاٹ گارد کی تلاشی لی' اور مسلمانوں سے کہا کہ گارد والوں کو تنبیہ کر دی گئی ہے تاہم تمہیں چاہیئے کہ بکھر کر بیٹھنے کے بجائے اکٹھے ہو کر بیٹھیں اور تنگی کے ساتھ دو چار دن گزار لیں۔

گڑھا کیمپ سے تیسرے چوتھے روز ایک سپیشل گاڑی چلتی تھی۔ لوگ بدحواس ہو ہو کر اس پر لد جاتے تھے۔ حشر کی سی نفسا نفسی کا عالم تھا۔ ہر گاڑی کے چلنے کے بعد بڑے ہی دلگداز مناظر دیکھنے میں آتے تھے۔ لوگ اپنی بیمار اور بوڑھی ماؤں تک کو پیچھے چھوڑ کر سوار ہو گئے جنہوں نے لاوارثی کے عالم میں سسک سسک کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دی۔ ماؤں کو گاڑی پر سوار ہونے کی بدحواسی میں بچوں کو سنبھالنے کی ہوش نہ تھی۔ گڑھا کیمپ میں لاوارث مُردوں کو سنبھالنا ایک مستقل مسئلہ

بن گیا جس سے باقی رہنے والوں میں سے درد دل رکھنے والے لوگ عہدہ برآء ہونے کی کوشش کرتے رہے۔

۱۷ نومبر کو جو اسپیشل آئی اس پر راقم الحروف اپنے خاندان کے افراد کو لے کر سوار ہو سکا۔ اس کے بعد کیمپ میں صرف ایک اسپیشل گاڑی کی نفری باقی رہ گئی تھی۔ گاڑی رات بھر مانانوالہ اور اٹاری کے اسٹیشنوں پر کھڑی رہی اور ۱۸ کی صبح کو واہگہ اسٹیشن پر پہنچ گئی۔

لائی حیات' آئے' قضا لے چلی' چلے
اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوش چلے

قضاؤ قدر کو منظور تھا کہ بیگانوں کے ظلم و ستم سہنے کے بعد اپنوں کے جور و جفا کی کیفیات بھی دیکھ لیں' اس لئے پاکستان پہنچا دیئے گئے۔

========

ہوشیار پور کے دیہات و مضافات

ضلع ہوشیار پور میں مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان تصادم اِکا دُکا قتل کی وارداتوں کی صورت میں اگست ۱۹۴۷ء کے آغاز ہی سے جاری ہو گیا تھا لیکن مسلمانوں کے دیہات پر حملے کر کے ان کا قتل عام کرنے اور انہیں اپنے گھروں سے نکالنے کی مہم ۱۷؍اگست کو پورے زور و شور کے ساتھ شروع کی گئی۔ سب سے پہلے ہزار بارہ سو سکھوں کے ایک مسلح اور منظم لشکر نے بڑی بسی پر مورخہ ۱۷؍اگست کو حملہ کیا۔ بڑی بسی کے مسلمان جوانمردی سے لڑے' ان کی مزاحمت ٹوٹ گئی۔ سکھوں نے بڑی بسی کو تاراج کیا۔

مردوں' عورتوں اور بچوں کو قتل کیا۔ مکانات کو آگ لگا دی۔ ازاں بعد اس لشکر نے جس کی تعداد دم بدم بڑھ رہی تھی' بڑی بسی کے ملحقہ دیہات کو تاراج کیا۔ علی خان کی بسی کے مسلمانوں نے زبردست مقابلہ کیا کہ چار گھنٹہ تک جنگ ہوتی رہی۔ آخر میں سکھ غالب آگئے۔ کئی گھرانے تمام و کمال ناپید کر دیئے گئے۔ بہت سی عورتیں بالا خانوں میں جمع ہو کر بیٹھی تھیں' جب انہوں نے دیکھا کہ مرد مغلوب ہو گئے ہیں اور سکھ گھروں میں داخل ہو ہو کر عورتوں سے بدسلوکی کرنے لگتے ہیں تو وہ مکانوں کی تیسری منزل پر چڑھ کر کود پڑیں اور اس طرح جاں بحق تسلیم ہو گئیں۔

ازاں بعد سکھوں کے لشکر نے مستی وال اور چک سعد اللہ کا رُخ کیا۔ مسلمانوں نے لیفٹیننٹ ریاض احمد چودھری کی سرکردگی میں مقابلے کی ٹھان لی۔ پانچ گھنٹے تک دونوں طرف سے مسلسل فیر ہوتے رہے۔ سکھوں نے شکست کھائی اور وہ ۸۵ مُردے اور ۱۲۰ زخمی چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مستی وال اور چک سعد اللہ کے مسلمانوں کی ہمت و شجاعت کے باعث اس علاقہ کے ہزاروں مسلمانوں کی جانیں بچ گئیں اور گرد و

نواح بلکہ دُور دُور تک کے دیہات سے مسلمان چک سعد اللہ آ کر جمع ہونے لگے۔ جہاں ایک مستقل کیمپ بن گیا۔

سکھوں نے بڑی بڑی جمعیتیں لے کر چک سعد اللہ کے کیمپ پر بھی دو دفعہ شدید حملے کیے لیکن منہ کی کھائی۔

(متذکرہ بالا حالات معتبر اشخاص کی زبانی سن کر قلم بند کیے گئے۔ ہر چند کوشش کی کہ کوئی صاحب ان معرکوں کے مفصل حالات لکھ کر دیں لیکن کامیابی نہ ہو سکی' مؤلف)

اُونہ ضلع ہوشیار پور کے مہاجر مسٹر سعید الدین تاجر کتب نے اپنی زہرہ گداز داستان یوں بتائی:

میں کتابوں اور قرآن مجید کی تجارت کرتا تھا۔ اچھی اچھی دینی اور علمی کتب میری دکان میں موجود تھیں۔ فسادات ہشیار پور کے سلسلے میں جب غنڈہ لٹیرے اُونہ کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے قتل عام کے ساتھ لوٹ مار بھی مچا دی۔ مسلمانوں کو شہید کر کے ان کی دکانوں' مکانوں وغیرہ کو آگ لگا دی۔ نقدی' زیورات' کپڑے اور خوردنی اشیاء کو جی کھول کے لوٹا۔ بہت سا مال اسباب نذر آتش کیا۔ جلتی ہوئی دکانوں اور مکانوں میں مرد و زن' بچہ و پیر' جو بھی ہاتھ آیا' جھونک دیا۔ سینکڑوں بندگان خدا جل کر خاک ہو گئے۔ بیسیوں معصوم جانیں شعلوں میں تڑپ کر ٹھنڈی ہوئیں۔ اور جن لرزہ آفریں حوادث سے چشم فلک ناشناس تھی' خاک کے ان بے گناہ پتلوں کو اُن سے آشنا ہونا پڑا۔

میں دُکان میں بیٹھا تھا کہ مجھے اپنے مکان کے جلنے کی اطلاع ملی۔ گھر گیا' دیکھا کہ تمام افراد خاندان سپردِ آتش ہو چکے ہیں' صرف دو سال کا بچہ زندہ ہے۔ وہ بھی ایک گوشے میں گھائل ہو کر پڑا ہے اور زخموں کے بے پناہ درد سے چیخ رہا ہے۔ میں نے ایک ٹھنڈی آہ بھری' گوشت کے دونوں نرم و گداز ٹکڑوں یعنی دل اور جگر کو طوعاً و کرہاً

سنگ و آہن میں منتقل کیا۔ دل کو تھاما، کلیجے کو پکڑا، آنسوؤں کو پیا، زخم خوردہ معصوم کو کندھے پر رکھا اور دوکان کو چل دیا۔ سڑک پر جارہا تھا لیکن اس طرح، جیسے کوئی دیوانہ عقل و ہوش کھو چکا ہو۔ پاؤں لڑکھڑاتے تھے، باہر ایک ایک چیز مجھے دھکّے دیتی تھی۔ آنکھوں میں وہ اندھیرا تھا، جسے لاکھوں سورج اُجالے میں تبدیل نہ کرسکیں۔ جی چاہتا تھا ڈاڑھیں مار کر روؤں، سر پر باہیں رکھ کے چلاؤں، لیکن خوف تھا کہ دشمن نے ایک قطرۂ اشک بھی دیکھ لیا تو جانے آنکھیں پھوڑ دے اور کس عذاب سے مارے۔

ننھے کو اُٹھائے چلا جارہا تھا۔ دوکان کے قریب پہنچا تو کچھ غنڈے دکھائی دیئے، میں نے بچے کو چادر میں چھپا لیا لیکن خونخوار درندے مجھے اور بچے کو دیکھ چکے تھے۔ وہ میری طرف لپکے اور جھپٹ کر ننھے کو چھین لیا۔ زخمی معلوم چیخا، کانپا، ”ابا کول“ کی رٹ لگائی، میں نے موذیوں کی بیحد خوشامد کی۔ اُن کے پاؤں چھوئے، واسطے دلائے، مگر سفاک ذرا نہ پسیجے اور اُن پر اثر ہوا تو یہ کہ ڈنڈے مار کر میرے ہاتھ زخمی کردیئے۔ پھر غنڈوں نے آپس میں کچھ اشارہ کیا اور اس کے ساتھ ہی بچے کو اس زور سے پختہ فرش پر پھینکا کہ وہ بلبلا اُٹھا اور آنکھوں کے ڈھیلے اُوپر کو گھوم کر کھلے کے کھلے رہ گئے۔ ایک بے درد آگے بڑھا، اُس نے چھری کے ساتھ اُس کا بازو کاٹ لیا۔ دوسرے لعین نے اس کی ناک فنا کردی۔ اس طرح وہ آہستہ آہستہ اس کا ایک ایک عضو کاٹ لیتے اور اس کے کٹنے پر جب وہ چیختا، تڑپتا اور لرزتا تو یہ وحشی کھل کھلا کر ہنستے اور تالیاں بجاتے۔ اس طرح ظالموں کی سختیاں سہہ کر میرے معصوم نے اپنی جان مالک حقیقی کو سپرد کی۔

میں اپنے بچے کو یوں جگر پاش طریق سے قتل کرا کے زخمی ہاتھوں کے ساتھ دوکان پر آیا۔ میں نے دیکھا کہ دوکان کی تمام کتابیں ورق ورق کر کے بازار میں پھینک دی ہیں۔ کلام اللہ کے پھٹے ہوئے اوراق اِدھر اُدھر اُڑتے پھرتے ہیں۔ میرا دوکان پر

پہنچا ہی تھا کہ غنڈوں کی ایک اور ٹولی آئی۔ انہوں نے دوکان کو آگ لگا دی۔ ان غنڈوں میں ایک ہندو بھی تھا جس کے ساتھ میرے پرانے دوستانہ تعلقات تھے' جب میری اور اس کی آنکھیں چار ہوئیں تو وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا' میں نے اشارہ سے اس کو سلام کیا۔ اُس نے لاٹھی کی ایک ضرب سے سلام کا جواب دیا اور جب میں چوٹ کے درد سے کراہا تو اُس "دوست" نے خوب قہقہہ لگایا۔

اُونہ میں زخمی اور مظلوم مسلمان جو باقی رہ گئے تھے' اتنے ہی تھے کہ ان بدقسمتوں کی تعداد آسانی سے اُنگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔ غیر مسلم ملٹری نے ان مسلمانوں کو جن میں ایک میں بھی تھا' چوپایوں کی طرح ہانکا اور ایک میدان میں لے گئی۔ یہ ہمارا "ریلیف کیمپ" تھا۔ جہاں نہ پانی تھا نہ سایہ۔ "میدان" جھاڑیوں سے اٹا پڑا تھا۔ ہر جگہ کانٹے بکھرے ہوئے تھے۔ آسمان کی نیلی چھت ہمارا اوڑھنا تھا اور فرشِ زمین بچھونا! ہم ڈیڑھ سو اللہ کے بندے وہاں مواشی کی طرح بیٹھ گئے۔ فاقہ میں چار روز پہلے گزرے تھے۔ دو روز یہاں گزر گئے۔ تیسرے روز آدھ پاؤ فی کس کے حساب آٹا ملا لیکن روٹی کیونکر پکے' نہ پانی میسر' نہ ایندھن مہیا' نہ برتن موجود۔ کوئی اسے پھانکے یا چاٹے؟ تین اور گزرے تو سکھوں کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹیاں آئیں۔ کالی اور بدبودار' اگرچہ ہم بھوک کے مارے تھے لیکن یہ روٹیاں دیکھ کر ہمیں قے آتی تھی۔ ہم نے پلید ہاتھوں سے پکی ہوئی روٹیاں کھانے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح دو تین دن اور گزر گئے۔ ہم میں سے بعض کمزور اور ضعیف آدمی فاقہ سے نڈھال ہو گئے اور ان کی جان لبوں پر آ گئی۔ اس پر ملٹری گارڈ کو کچھ توجہ ہوئی اور کھانے پکانے کا مختصر سامان اور کچھ آٹا ہمیں فراہم کیا گیا۔

بارہ دن اس کیمپ میں گزارنے کے بعد ہمیں حکم ملا کہ ہوشیار پور جانے کیلئے کوچ کرو۔ چنانچہ ہمیں پا پیادہ ہوشیار پور کیلئے ہانک دیا گیا۔ راستے میں دو بار غنڈوں

نے حملہ کیا اور ہمارے چند آدمی ہلاک اور زخمی ہو گئے۔ ہوشیار پور کیمپ میں پہنچے تو دیکھا کہ صدہا مسلم مظلومین فاقہ اور پیاس اور دیگر اسقام و آلام سے پڑے سسک رہے ہیں۔

ہم بھی ان مصائب میں شامل ہو گئے۔ اس کیمپ میں ہر چوتھے روز فی بالغ آدمی ایک چھٹانک آٹا ملتا تھا، دن میں صرف ایک بار پانی پینے کی اجازت دی جاتی تھی۔ چونکہ گرمیاں تھیں اس لئے پیاس زیادہ لگتی تھی، پانی جمع رکھنے کیلئے کیمپ میں کوئی سامان نہ تھا۔

ایک مہینہ ہم نے یہاں گزارا۔ آخر ستمبر کے آخری ہفتے ہمیں پاکستان پہنچانے کیلئے گاڑی میں سوار کیا گیا۔ راستے میں جا بجا قاتلوں نے ٹرین پر حملے کئے رہا سہا اثاثہ لوٹا اور اس طرح یہ اُجڑا ہوا قافلہ اکتوبر کے پہلے ہفتے لاہور پہنچا۔

(مرسلہ: حکیم سید محمود گیلانی)

سید ناظر حسین صاحب رقمطراز ہیں:

گڈھ شنکر میں ۱۴ جولائی ۱۹۴۷ء کو سکھوں اور ہندوؤں کی ایک پارٹی اُول فول بکتی ہوئی باہر سے شہر کے اندر داخل ہوئی۔ چند مسلمان نوجوان گزر رہے تھے، ان میں سے ایک نوجوان محمد شفیع پر بم پھینکا گیا جس سے وہ بُری طرح زخمی ہوا۔ اس کی امداد کے لئے چند نوجوان آگے بڑھے ان پر بھی تلوار کے وار کیے گئے۔ حملہ آور اس قدر شرارت کرنے کے بعد فرار ہو گئے۔ یہ خبر شہر بھر میں بجلی کی طرح پھیل گئی۔ مسلمان غضب آلود جذبات لے کر آئے۔ دولت خان ذیلدار سب رجسٹرار کی حویلی میں جمع ہونے لگے۔ اور کہنے لگے کہ ہمیں اجازت ہو تو ہم گڈھ شنکر کے ہندوؤں کو اس شرارت کا مزا چکھا دیں۔ رائے دولت خان نے جو ایک نہایت ہی شریف، متین اور سنجیدہ شخص تھے، مسلمانوں کو سمجھایا کہ چند لونڈوں کی شرارت کی سزا سارے ہندوؤں کو دینا ٹھیک نہیں۔ لیکن مسلمان غصے کے عالم میں تھے، وہ حویلی سے نکل کر بازار میں گئے اور ان میں سے

بعض نے ہندوؤں کی دکانوں کو آگ لگا دی۔ باہر سے آئے ہوئے سکھوں نے جو ہندوؤں کے گھروں میں چھپے ہوئے تھے مسلمانوں کی دکانوں کو نذر آتش کر دیا۔ ۱۴ اور ۱۵ جولائی کی درمیانی شب کو گڈھ شنکر کے بازار کا بیشتر حصہ جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ علی الصبح محمد شفیع مذکور جو بم سے زخمی ہوا تھا' چل بسا۔ صبح کے وقت ملٹری آ گئی' اس نے آتے ہی لائسنس داروں سے بندوقیں اور پستول لے لئے۔ پھر امن کمیٹی بنانے کے بہانہ سے شہر کے چیدہ چیدہ اور سرکردہ مسلمانوں کو تھانہ میں بلا کر گرفتار کر لیا اور جیل بھیج دیا۔

راجپوتوں کے معزز افراد کو اس طرح جیل میں ٹھونسنے کے بعد میدان صاف تھا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گڈھ شنکر کے گرد و نواح کے دیہات پر حملے ہونے لگے۔ ۱۸؍اگست کو گڈھ شنکر کے شمال مشرق میں گوجروں کی ایک بستی حیات پور پر رات کی تاریکی میں حملہ ہوا۔ گاؤں کے اکثر مرد شہید کر دیئے گئے۔ عورتوں اور بچوں کو بے دردی سے تہ تیغ کیا گیا۔ بہت سے زخمی گڈھ شنکر کے ہسپتال میں لائے گئے۔ ہسپتال کا ہندو کمپوڈر مذاق کرتا تھا کہ گھبراتے کیوں ہو' دیکھتے نہیں یہ پاکستان بن رہا ہے۔

حیات پور کے حملہ کے بعد مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی بستیوں پر ہراس کی کیفیت طاری ہو گئی۔ بیس پچیس دیہات کے مسلمان بیرم پور میں جمع ہو گئے۔

۲۰؍اگست کو گوجروں کے ایک اور گاؤں موضع جیون پور پر رات کی تاریکی میں حملہ ہوا۔ گوجروں نے زبردست مقابلہ کیا اور سکھوں کے پہلے حملہ کو ناکام بنا دیا۔ اس شب سکھوں نے بختاور سنگھ ذیلدار پدرانہ کی سرکردگی میں آتشیں اسلحہ سے مسلح ہو کر دوسرا شدید حملہ کیا۔ اس مقابلے میں ۲۶ مسلمان شہید اور ۳۲ زخمی ہوئے۔ ایک روز قبل جیون پور کا نمبردار بختاور سنگھ کے گاؤں میں جا کر سکھ بن گیا تھا۔ وہ حملہ آوروں کے ساتھ تھا اور مکانات کی نشاندہی کر رہا تھا۔ اس حملہ کے بعد جیون پور کے گرد و نواح کے دیہات خالی

ہونے لگے اور مسلمان گڈھ شنکر میں آ آ کر جمع ہوتے گئے۔ خالی دیہات کو سکھ آگ لگا دیتے تھے۔ یہاں اس امر کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ بہت سے کمزور طبیعت مسلمان مرتد ہو گئے۔ موضع کتنہ کے بہت سے مسلمان جن میں "حاجی" بھی تھے سکھ بن گئے۔

گڈھ شنکر کے جنوب میں مورخہ ۲۴راگست کو موضع بھنوں پر حملہ ہوا' وہاں سے لوگ بھاگ کر چنکوعہ میں جمع ہو گئے۔ ان کے علاقہ بعض دیگر دیہات کے مسلمان بھی وہیں آ گئے۔ مسلمانوں کا یہ اجتماع بہت خوفزدہ تھا۔ تھانیدار نے انہیں اطمینان دلایا کہ تمہیں بحفاظت تمام کٹروعہ کے کیمپ میں پہنچا دیا جائے گا۔ جب چنکوعہ کے اجتماع نے سامان اور ہتھیار باندھ کر گاڑیوں پر لاد لئے اور گاؤں سے باہر نکل آئے تو ان پر سکھوں نے خوفناک حملہ کر دیا۔ ہر طرف چٹیل میدان تھا' بچاؤ کی کوئی صورت نہ تھی۔ ہزاروں مسلمان اس جگہ شہید کر دیئے گئے۔ سینکڑوں عورتیں اغوا کر لی گئیں۔ بچے کھچے لوگ بھاگ کر فصلوں میں چھپ گئے اور آخر رات کی تاریکی نے ان پر پردہ ڈالا۔

ازاں بعد پناہ گزینوں کا چوتھا اجتماع سڑوعہ میں ہونے لگا۔ ۳۰راگست اتوار کو سڑوعہ کے گرد سکھوں کے جتھے جمع ہونے لگے۔ چاروں طرف میلوں تک سکھ ہی سکھ نظر آ رہے تھے۔ تین بجے کے قریب سکھوں نے سڑوعہ پر حملہ کر دیا۔ آگے آگے بندوقچی تھے' ان کے پیچھے نیزہ برداروں کی قطاریں تھیں۔ جب ایک قطار تھک جاتی تھی تو دوسری اُس کی جگہ لے لیتی تھی۔ مسلمانوں نے مقابلہ کیا۔ تین گھنٹے تک شدید جنگ ہوتی رہی۔ راجپوت آگے بڑھ بڑھ کر دادِ شجاعت دے رہے تھے اور اپنے اپنے مورچوں کو سنبھالے ہوئے تھے۔ اتنی دیر لڑائی جاری رہنے کے باعث مسلمان بندوقچیوں کے کارتوس ختم ہونے لگے اور اس کے ساتھ ہی حوصلے بھی پست ہونے لگے تھے کہ اللہ کی طرف سے غیبی امداد آ گئی۔ ایک ملٹری مین چودھری فضل محمد حوالدار اپنے بیوی بچوں کو لے جانے

کیلئے ایک ٹرک اور ایک جیپ کار لے کر وہاں پہنچ گیا۔ اس نے محاصرے اور جنگ کی کیفیت دیکھی تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ حملہ آوروں پر برین گن اور مشین گن سے گولیاں برسانے لگا۔ سینکڑوں سکھ مارے گئے اور باقی بھاگ نکلے۔ چودھری فضل محمد اگلے دن سڑوعہ کے سارے قافلے کو گڈھ شنکر لے آیا۔

مسلمان پناہ گزینوں کا ایک اجتماع گڈھ شنکر کے جنوب میں موضع نیام میں بھی اکٹھا ہو رہا تھا۔ سڑوعہ کا اجتماع اُٹھ جانے کے بعد گڈھ شنکر کے لوگ اس اجتماع کو اپنے ہاں لے آئے۔ اس کے بعد پولیس نے گڈھ شنکر کے باقیماندہ سرکردہ اشخاص کو بھی گرفتار کرلیا۔

اب تھانہ گڈھ شنکر کے علاقہ میں مسلمانوں کے دو مرکز یعنی گڈھ شنکر اور بیرم پور باقی رہ گئے۔ بیرم پور کے بہادر اور دلیر راجپوت اس بات کا تہیہ کیئے بیٹھے تھے کہ ہم سکھوں سے دو دو ہاتھ کیئے بغیر اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے۔ اس گاؤں میں مدافعت اور مقابلے کی ہر گونہ تیاریاں بہت اعلیٰ پیمانہ پر کی گئی تھیں۔ لیکن سکھ ان دونوں مرکزوں پر حملہ کرنے سے کتراتے رہے۔ اتنے میں فوج کا کمانڈر مسلمان فوجی افسر لگ گیا جس نے ان دونوں مقاموں کو جنگ وجدال سے بچائے رکھا۔

۹ ستمبر کو بیرم پور کا اجتماع بھی گڈھ شنکر آ گیا۔ اب بارشوں کی مصیبت نے آن گھیرا۔ تمام کیمپ میں پانی ہی پانی ہو گیا' جس کے باعث لوگوں کو ناقابل برداشت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔

۷ر اکتوبر کی شام کو حکم دیا گیا کہ صبح چھ بجے تمام مرد عورتیں اور بچے قافلے کی صورت میں روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ ۸ر اکتوبر کو گڈھ شنکر سے قافلہ چلا۔ آہ و بکا اور شور و فریاد کا غلغلہ بلند ہونے لگا۔ گھوڑے واہا راجپوتوں کی بیبیاں جن کی پردہ نشینی ضرب المثل

تھی، سراسیمگی پریشانی اور گھبراہٹ کے عالم میں گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوگئیں۔

یہ قافلہ نواں شہر کے قریب سے ہوکر شام کے قریب راہون پہنچا۔ وہاں پہلے ہی کافی اجتماع تھا' اس لئے وہاں ہیضہ پھیل گیا اور سینکڑوں انسان راہی ملک عدم ہوئے۔ ۱۴؍اکتوبر کو یہ قافلہ پھلور کی طرف روانہ ہوا اور سائرہ میں پڑاؤ کرنے کے بعد ۱۶؍اکتوبر کو پھلور پہنچا۔

کیپٹن عبدالغفور باشندہ گڈھ شنکر بیسیوں مرتبہ ٹرکوں کے کانوائے لایا اور عورتوں' بوڑھوں اور بچوں کو لاد لاد کر پاکستان لاتا رہا۔ باقیماندہ لوگ آہستہ آہستہ اسپیشل ٹرینوں یا پیدل قافلے کی شکل میں پاکستان پہنچے دو ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

☆ جناب ضیاء اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

جب ہم اپنے قصبہ میانی افغاناں کو باصد حسرت و یاس چھوڑ کر وہاں سے نکلنے پر مجبور ہوئے تو ہم نے ریاست کپور تھلہ کی راہ لی (بعض اشخاص سے سنا ہے کہ میانی افغاناں میں سکھ حملہ آوروں کے ساتھ زبردست مقابلے ہوتے رہے لیکن ضیاء اللہ صاحب نے صرف سفر کا حال لکھ کر بھیجا ہے' مؤلف) ہم روانہ ہوئے تو بارش بھی شروع ہوگئی۔ خواتین جنہوں نے اپنی ساری عمر ایک قدم بھی گھر سے باہر نہ رکھا تھا' ہر ایک شخص یگانہ و بیگانہ کے سامنے کھلے منہ چلی جا رہی تھیں۔ چونکہ ہمیں سکھ اور ہندو ملٹری کے حملے کا بہت خوف تھا' اس لئے قافلے میں عجیب قسم کی بھاگڑ مچی ہوئی تھی' ہر شخص دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کر رہا تھا' ہم لوگ بیگو وال پہنچے اور کچھ دن وہاں رہ کر وہاں سے بھی چل پڑے۔ اپنے سفر کی کچھ منزل طے کرنے کے بعد جب ہم مہند پور سرکاں میں پہنچے تو سکھ اور ڈوگرا ملٹری نے ہم پر زبردست حملہ کیا۔ قافلے کے بہت سے مرد اور عورتیں شہید کر دیں اور کئی عورتوں کو جو عالم شباب میں تھیں اُٹھا کر لے گئے۔ اس طرح

گرتے پڑتے ہم ٹڈا لکیمپ میں پہنچے جو دریائے بیاس سے دومیل کے فاصلے پر تھا۔ اس کیمپ میں کوئی دو لاکھ آدمیوں کا اجتماع تھا۔ خوراک کے سامان کی بہت قلت تھی' اس لئے ہم درختوں کے پتے کھا کھا کر گزارا کرتے تھے۔ ہر روز موسلا دھار بارشیں ہوتی تھیں اس لئے سیلاب آجانے کا خطرہ بھی لگا رہتا تھا۔ ہم نے اپنے بچاؤ کیلئے کھیسوں کے جو تنبو بنا رکھے تھے ان سے پانی ٹپکتا تھا اور نیچے بھی پانی بہتا تھا' اس لئے ہم تنبو میں اکڑے بیٹھے پاؤں متورم ہو گئے اور کھجلی پڑ گئی۔ اگر ہم خوراک کی تلاش میں کیمپ سے باہر نکلتے تھے تو سکھ اور ڈوگرا ملٹری ہمیں گولی کا نشانہ بنا لیتی تھی۔ پانی ہم ان جوہڑوں سے پیتے تھے جو بارش نے جا بجا بنا دیئے تھے۔ کوئی بیس دن وہاں رہے۔ تھوڑی سی مسلمان ملٹری آ گئی لیکن سکھ اور ڈوگرے پھر بھی مظالم سے باز نہ آئے۔ وہ کیمپ سے عورتوں کو اُٹھا لے جاتے تھے۔ جب ہم وہاں سے چل کر بیاس کے قریب پہنچے تو ملٹری نے ہمیں وہیں روک دیا۔ رات آئی' سوتے میں میرے کانوں میں گڑگڑاہٹ کی آواز آنے لگے۔ گھبرا کر اُٹھا تو دیکھا کہ پانی کی دیوار کیمپ پر آن پڑی ہے۔ میں نے جلدی سے اپنے بھائیوں اور بہنوں کو اُونچی جگہ پر بٹھایا اور خود ایک درخت پر چڑھ گیا۔ یہ طوفان دو دن رہا' اس سیلاب میں قافلے کے اکیس ہزار مرد و زن اور بچے نذر آب ہو گئے۔ اگلے روز ہم چل پڑے' امرتسر کے قریب سکھ اور ڈوگرا ملٹری نے ہم پر پھر حملہ کیا اور ہمارے بہت سے بھائی شہید کر دیئے۔ دو ماہ بعد ہمارے کیمپ کے دو لاکھ مسلمانوں میں سے ایک لاکھ پچیس ہزار پاکستان پہنچے۔

کانگڑہ۔

شیخ عبدالواحد صاحب سیکرٹری مسلم لیگ دھر مسالہ تحریر فرماتے ہیں:

پندرہ اگست سے ہندوستان آزاد ہوگیا اور راشٹریہ سیوک سنگھ نے ضلع کانگڑہ کی دو فیصدی مسلم آبادی کو ملیامیٹ کر دینے کے پروگرام پر عمل شروع کر دیا۔ ہزاروں نہتے مسلمان مردوں، عورتوں اور معصوم بچوں کو بے دریغ قتل کیا۔ ہزاروں کو زخمی اور سینکڑوں کو زندہ آگ میں جلا دیا۔ ہزارہا مسلمان جبراً ہندو بنائے گئے۔ متمول لوگ ہندو بن جانے کے بعد بھی قتل کر دیئے گئے۔ سینکڑوں عورتیں اغوا کر لی گئیں۔ مال مویشی لوٹا گیا، مکان جلا دیئے گئے۔

۲۴؍اگست کو مسلمان پولیس سے ہتھیار لے کر انہیں لائین حاضر کر لیا گیا اور کئی سپاہی ہلاک کر دیئے گئے۔ ۲۵؍اگست کو دھرمسالہ میں مسلمانوں کو وحشت و بربریت کا تختۂ مشق بنایا گیا۔ شیخ علم الدین سپرنٹنڈنٹ پولیس ضلع کانگڑہ کو شارح عام میں قتل کر دیا گیا اور ہر طرف مسلمانوں پر حملے شروع ہو گئے۔ اس روز کوئی ۳۵ مسلمان شہید ہوئے۔ ہر طرف سراسیمگی پھیل گئی، مسلمان محفوظ جگہوں پر پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ کرفیو لگا، رات کو ہماری چھ دکانیں لوٹ کر نذر آتش کر دی گئیں۔ باقی دکانوں کو لوٹ کر ان پر قبضہ جما لیا۔ چیدہ چیدہ مسلمانوں کو گھروں سے نکال نکال کر جیل بھیج دیا گیا۔ مسلمان کرفیو آرڈر کے باعث باہر نہیں نکل سکتے تھے، جو مسلمان باہر نکلتا تھا اسے گولی کا نشانہ بنا لیا جاتا تھا۔ راشٹریہ سیوک سنگھ والے آزاد تھے، وہ ہر طرف لوٹتے اور مکانوں اور دکانوں کو آگ لگاتے جاتے تھے۔ ڈپو بازار کی بڑی مسجد جلا دی گئی اور اس کی وقف جائیداد پر قبضہ جما لیا، اسی طرح جامع مسجد اور اس کی ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی وقف جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ سارے ضلع میں مساجد کی بے حرمتی کی گئی۔

۲۶؍اگست کو ڈپٹی کمشنر کا حکم ملا کہ سب مسلمان ایک گھنٹہ کے اندر اندر دھرمسالہ خالی کر کے امام باڑہ میں جمع ہو جائیں۔ سب لوگ امام باڑہ میں جمع ہونے

لگے۔ راستے میں پولیس تلاشی لے رہی تھی کہ قیمتی سامان ہتھیاتی جاتی تھی۔ ۲۷ر اگست کو پٹھان کوٹ کے کچھ بے ساز و سامان پناہ گزین وہاں لائے گئے۔ ۲۸ر اگست کو ہمیں یول کیمپ میں لے جایا گیا۔ جہاں نور پور کی تحصیل کے سوا باقی ضلع کے مسلمان جمع ہو رہے تھے۔ کیمپ میں بہت سے لوگ مجروح نظر آ رہے تھے' کسی کا ہاتھ کٹ چکا تھا' کسی کی ٹانگ غائب تھی' یول کیمپ میں خوراک کا انتظام بہت ناقص اور رڈی تھا' پرانی مکئی کا دلیہ تین چھٹانک فی کس روزانہ کے حساب سے ملتا تھا۔ آگ جلانے کیلئے گیلے ایندھن سے کام لیا جاتا تھا۔ روشنی اور صفائی کا انتظام مطلقاً نہ تھا۔ کئی دفعہ کیمپ پر حملہ کرنے کی سازشیں کی گئیں اور تاریخ کاٹی گئیں لیکن مسلمان کپتان کی موجودگی کے باعث حملہ نہ ہو سکا۔ گیارہ یا بارہ ستمبر کو پولیس رہا شدہ قیدیوں کی ایک لاری لائی جس میں اکتیس مسلمان تھے۔ ان سب کو نگروٹہ اسٹیشن پر لے جا کر راشٹریہ سیوک سنگھ کے ہاتھوں قتل کرا دیا۔ صرف تین آدمی بچ کر یول کیمپ میں پہنچے۔ میں اپنے اہل و عیال سمیت ۱۷ر ستمبر کو ایک کانوائے میں لاہور پہنچا۔ اور یہاں در بدر پھر رہا ہوں' نہ رہنے کو مکان ملا ہے' نہ کاروبار کیلئے دکان ملی ہے۔ ہمارے آنے کے بعد یول کیمپ کے جو لوگ ٹرین لائے گئے ان پر راستے میں حملہ کیا گیا اور سب سامان چھین لیا گیا۔

☆ چودھری مہتاب الدین سمار بیان کرتے ہیں:

جب ہندو ضلع کانگڑہ میں مسلمانوں کو چن چن کر قتل کرنے لگے تو ہم ساٹھ مسلمان کانگڑہ سے نکل کر پاپیادہ چل کھڑے ہوئے۔ ہم کیمپوں کی دردناک کیفیات سُن چکے تھے اس لئے ہم نے فیصلہ کیا کہ بال بچوں سمیت پاپیادہ پاکستان پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ ہم مکئی اور باجرے کی کھیتوں اور جھاڑیوں اور سرکنڈوں کی اوٹ میں چلتے ہوئے آ رہے تھے کہ ایک جگہ سکھوں اور ہندوؤں کے ایک جتھے نے ہمیں دیکھ لیا۔

اور ہمیں گھیر کر برچھیاں، کرپانیں، کلہاڑیاں چلانا شروع کر دیا۔ ہمارے بائیس آدمی شہید اور چودہ زخمی ہوئے باقی تتر بتر ہو گئے۔ کئی عورتیں گم ہو گئیں، بچے قتل کر دیئے گئے، سن رسیدہ مستورات کے دست و پا کاٹ کر انہیں جھاڑیوں میں ڈال دیا گیا۔ ہم بیس آدمی پھر جمع ہوئے اور پاکستان کی طرف چلتے رہے۔ پاکستان کی سرحد کے قریب سکھ سپاہیوں نے ہم پر گولیاں چلائیں، ہمارے گیارہ آدمی شہید ہو گئے اور ساٹھ کے قافلے سے صرف نو آدمی زندہ و سلامت پاکستان پہنچ سکے۔ (مرسلہ: حکیم سید محمود گیلانی)

لدھیانہ اور اس کے مضافات کی سرگزشت:

لندن کے اخبار ”ڈیلی ایکسپریس“ کو اس کے نامہ نگار نے ۲۷ راگست کو حسب ذیل برقی پیغام بھیجا۔

آج نذرِ آتش ہو کر تباہ و برباد ہونے کیلئے لدھیانہ کی باری آگئی۔ یہ شہر دہلی سے ایک سو نوے میل جانب شمال واقع ہے اور مسلم اکثریت کا مالک ہے۔ آج اس شہر کے ایک لاکھ سکھوں نے سکھ پولیس کی مدد سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، جس کی توقع کی جا رہی تھی۔ سکھوں کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف جنگی اقدامات کا واحد معرکہ جو یہاں شروع ہوا وہ اپنی تنظیم اور وسعت کے اعتبار سے غالباً اُن جملہ اقدامات سے سب سے زیادہ سنگین ہے جو مشرقی پنجاب کے دوسرے شہروں میں اختیار کیے گئے۔ میں نے کارروائی شروع ہونے کے کوئی نصف گھنٹہ بعد موٹر کار پر سوار ہو کر شہر کا دورہ کیا۔ شہر کا شہر دھڑا دھڑ جل رہا ہے۔ چیخ چیخ کر شور و غل مچانے والے سکھوں کا بے پناہ اژدحام من مانی کارروائی کر رہا ہے۔ خون آشامی کے اندھے جوش نے اس ہجوم کو پاگل بنا رکھا ہے۔ مسلمان اپنے اپنے گھروں میں بند ہیں۔ شہر میں ہر طرف خطرے کے نقارے بج رہے

ہیں۔ کہیں کہیں مسلمان سکھوں پر اینٹیں اور بم پھینک رہے ہیں۔ سکھوں کی بھیڑ پولیس کی مدد سے مسلمانوں کے مکانوں کو آگ لگا رہی ہے' اس مقصد کیلئے آتش گیر اشیا مثلاً گھاس پھوس' چیتھڑے اور مٹی کا تیل استعمال کیا جاتا ہے۔ سکھ ٹامی گن سے لے کر نیزوں' بھالوں اور تلواروں تک ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح ہیں' وہ مسلمانوں کو گھروں سے نکال کر قتل کر رہے ہیں بلکہ ان کا شکار کھیل رہے ہیں۔ ایک سکھ نے جو میرے قریب سے گزرا' مجھے مخاطب ہو کر کہا "آج ہم مسلمانوں سے وہی کچھ کر رہے ہیں جو چار ماہ سے وہ ہمارے ساتھ کر رہے تھے۔ ہم ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے"

شیخ نبی بخش صاحب باشندہ محلہ کریم پورہ لدھیانہ بیان کرتے ہیں:

ویسے تو پندرہ اگست کے بعد ہی لدھیانہ میں مسلمانوں پر اِکا دُکا حملے شروع ہو گئے تھے لیکن ۲۷ اگست کو منظم طریق سے مسلمانوں کا قتل عام کرنے کی مہم شروع کی گئی اور لدھیانہ کے سکھوں اور ہندوؤں نے اپنے سوچے سمجھے منصوبوں کو جامۂ عمل پہنایا۔ غیر مسلم افسران میں ہر قسم کے اسلحہ پہلے ہی تقسیم کر چکے تھے۔ ۲۷ اگست کو لدھیانہ پر شہری اور دیہاتی غنڈوں نے دھاوا بول دیا۔ مسلمانوں کے مکانوں اور دکانوں کی محلہ وار فہرست پہلے ہی تیار کر رکھی تھی۔ اس کے مطابق حملہ آوروں' قاتلوں اور آگ لگانے والوں کی ٹولیاں متعین ہو چکی تھیں۔ بڑے وسیع پیمانہ پر کام شروع کیا گیا۔ چند گھنٹوں میں لدھیانہ کے بازار' سڑکیں اور گلی کوچے مسلمانوں کی لاشوں سے پٹ گئے۔ ہر طرف سے آگ کے شعلے اُٹھ اُٹھ کر آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ فضا دھوئیں سے معمور ہو گئی' بہت سے مسلمان آگ میں جھونک دیئے گئے۔ جس مکان کو آگ لگتی تھی' اگر اس کے مکین باہر نکلتے تھے تو گولیاں سے' برچھوں سے یا کرپانوں سے شہید کر دیئے جاتے تھے۔ اگر اندر رہتے تھے تو آگ میں جل کر مر جاتے تھے۔

ایک روز سکھ وحشیوں نے محلّہ کریم پورہ کا محاصرہ کر لیا' ہر گلی کوچہ پر خونخوار درندوں کا پہرہ لگ گیا۔ تجویز یہ تھی کہ کریم پورہ کے تمام مسلمانوں کو مکانوں کے ساتھ ہی جلا دیا جائے۔

جب یہ خون آشام درندے میرے مکان میں آئے تو آتے ہی آگ لگانے کی تیاری کرنے لگے۔ ایک بدمعاش نے کچھ اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی بدمعاش میری دو نوجوان لڑکیوں کو اُٹھا کر چلتے بنے۔ باقیوں نے میرے شیر خوار بچے کو اس کی والدہ کے گود سے جھپٹ کر چھین لیا اور اس کے پیٹ میں چھری گھونپ دی۔ میری بیوی کلہاڑی کے ایک وار سے شہید ہو گئی۔ بوڑھی چچی کا جسم کرپان سے چھید ڈالا۔ ایک بچے اور ایک بچی کو برچھوں سے چھید ڈالا۔ کرپان کا ایک وار مجھ پر بھی ہوا لیکن بدقسمتی سے میں زندہ رہ گیا۔ حملہ آور مجھے ٹانگ سے گھسیٹ کر باہر لے جا رہے تھے کہ ان کے ساتھیوں نے انہیں امداد کے لئے پکارا وہ مجھے چھوڑ کر ان کی طرف چلے گئے۔

(مرسلہ: حکیم سید محمود گیلانی)

جناب حسین علی صاحب لکھتے ہیں:

لدھیانہ میں سکھوں نے سب سے پہلے انجن شیڈ عبداللہ پور کے مسلمانوں پر حملہ کر کے ان سب کو موت کے گھاٹ اُتار دیا اور ان کے گھر لوٹ لئے۔ اس کے بعد محلّہ ویکفیلڈ گنج کا محاصرہ کر لیا' وہاں بھی قتل و غارت گری کی بندوقوں سے فیر کیے۔ کلہاڑیوں اور برچھیوں سے مسلمانوں کو شہید کیا۔ مکانوں کو لوٹا اور آگ لگا دی۔ ازاں بعد ہمارے محلہ رڑی پر حملہ ہوا۔ ویکفیلڈ گنج کے اکثر مسلمان ہمارے محلّہ میں آ چکے تھے۔ حالت یہ تھی کہ ایک ایک گھر میں چالیس چالیس پچاس پچاس مرد عورتیں اور بچے جمع تھے۔ یہاں مسلمانوں نے اپنی حفاظت کیلئے مورچہ بنا لیا تھا اور چھ سات دن ڈٹ کر مقابلہ ہوتا رہا۔

حملہ آوروں کو پولیس اور فوج کھلم کھلا امداد دے رہی تھی۔ آخر ڈپٹی کمشنر نے حکم دیا کہ تمام مسلمان شہر خالی کر کے چھاؤنی کے کیمپ میں جمع ہو جائیں۔ چنانچہ شہر میں جہاں جہاں مسلمان جمع ہو رہے تھے چھاؤنی کی طرف چل دیئے۔ چھاؤنی میں دو ماہ تک کیمپ لگا رہا اور پناہ گزیں لاریوں، ٹرکوں، سپیشل گاڑیوں پر پاکستان کی طرف لائے جاتے رہے۔

ضلع لدھیانہ کے دیہات:

ضلع لدھیانہ کے دیہات کے متعلق کوئی بیان مؤلف کتاب کو موصول نہیں ہوا۔ لیکن ان اطلاعات کی بناء پر جو مختلف صورتوں میں راقم الحروف کو پہنچتی رہیں، وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ضلع لدھیانہ کے دیہاتی مسلمانوں کو اسی نوعیت کے شدید حملوں کی آماجگاہ بنایا گیا جو امرتسر، فیروز پور اور گورداسپور کے اضلاع میں پیش آئی۔ اس ضلع کے دیہات میں اگست کے آغاز ہی سے مسلمانوں کے قتل عام کی مہم شروع ہو گئی تھی۔ ازبس کہ اس ضلع میں سکھوں کی غالب اکثریت آباد تھی۔ اس لئے انہوں نے ایسے دیہات میں تو مسلمانوں کا ایک متنفس بھی باقی نہ چھوڑا جہاں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی۔ لدھیانہ کی تباہی کے ایک دو روز بعد جگراؤں پر حملہ ہوا اور وہاں مسلمانوں کی کثیر تعداد کو ٹھکانے لگا دیا گیا۔ حلوارہ کے قریب راجپوتوں کے دیہات کئی دن تک سکھوں کا مقابلہ کرتے رہے اور انہیں شکست پر شکست دیتے رہے۔ تہاڑہ میں تین دن لڑائی ہوتی رہی، آخر ملٹری نے جا کر تہاڑہ کے مسلمانوں کو نکلنے پر مجبور کر دیا۔ سدھواں، سلیم پور اور اس کے نواحی دیہات میں بھی خوب مقابلے ہوئے اور بالآخر ستلج پار کے دیہات سدھواں سلیم پور کے کیمپ میں جمع ہو گئے۔ یہ کیمپ بھی مہت پور اور نکودر کے کیمپ کی طرح وسط نومبر تک قائم رہا۔ اس اثناء میں یعنی وسط ستمبر سے لے کر وسط

نومبر تک اس کیمپ میں سکھوں نے شدید نوعیت کے متعدد حملے کئے اور پناہ گزینوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ وسط نومبر میں یہ قافلہ پاپیادہ لدھیانہ لایا گیا اور وہاں سے بیل گاڑیوں والے لوگوں کو چلا کر پاکستان لایا گیا اور باقیماندہ کو اسپیشل ٹرینوں میں سوار کر کے پاکستان پہنچایا گیا۔

قسمت انبالہ کے چند مناظر:

سید محمد محسن الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:

انبالہ چھاؤنی اور اس کے مضافات میں انار کی کی ابتداء یوں ہوئی کہ مورخہ ۱۶ راگست کو دو سکھوں نے جو انبالہ چھاؤنی سے تانگے پر سوار ہو کر کلدیپ نگر کو گئے تھے کلدیپ نگر کے قریب اپنے ہمراہی دو مسلمان مسافروں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد دو سکھ تانگہ پر سوار ہو کر اُسی مقام کی طرف گئے اور وہاں پہنچ کر تانگے والے کو قتل کر دیا۔ ایک ہندو جو اُسی تانگہ پر سوار تھا گھوڑا ہانک کر مسلمان تانگے والوں کی لاش چھاؤنی لے آیا۔ مسلمانوں میں ہراس پھیل گیا۔ تانگے والوں نے اگلے دن ہڑتال کر دی۔ اس کے بعد ہر روز قتل کی وارداتیں واقع ہونے لگیں۔ جمعہ ۲۲ راگست کو جامع مسجد میں بم پھینکا گیا، جس سے ۶ مسلمان شہید اور آٹھ زخمی ہوئے۔ یہ حالات دیکھ کر میں اپنے بال بچوں کو لے کر ساڈھورہ چلا گیا۔ ازاں بعد سکھ منظم جتھوں کی صورت میں ریل گاڑیوں پر سفر کرنے اور راستوں میں مسلمانوں کو قتل کرنے لگے۔ انبالہ سے لے کر جگادھری تک کا سفر بے حد پُرخطر ہو گیا۔ اس راستے میں کئی مسلمان مارے گئے۔ جب مسلمانوں نے خوف کے مارے سفر بند کر دیا تو مسلمانوں کے دیہات پر یکے بعد دیگرے حملے شروع ہو گئے۔ عید کے دن یعنی ۱۸ راگست کو جگادھری کے ریلوے اسٹیشن عبداللہ پور پر حملہ ہوا اور چار پانچ سو

مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ اس کے بعد حسن پور تاراج کیا گیا جو مصطفےٰ آباد کے قریب واقع تھا۔ یہاں بھی مسلمانوں کا قتلِ عام کیا گیا۔ ان کے گھر لوٹے گئے، عورتوں کی بے حرمتی کی گئی، نوجوان لڑکیاں اغوا کر لی گئیں۔ غرض مسلمانوں کے دیہات پر اس قسم کے حملے جاری رہے اور مسلمان تباہ حال ہو کر اِدھر اُدھر منتشر ہوتے گئے۔

میں ان دنوں ساڈھورہ پہنچ گیا تھا۔ ستمبر کے آغاز میں ساڈھورہ سے ایک میل کے فاصلے پر مسلمانوں کی دو بستیوں اُودھم گڈھ اور نواں شہر پر حملے ہوئے۔ اُودھم گڈھ کے مسلمانوں نے سکھوں کا پہلا حملہ پس پا کر دیا اور ان کے چھ آدمی مار ڈالے۔ اگلے روز سکھوں نے زیادہ جمعیت کے ساتھ حملہ کیا اور مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا۔ وہاں میرے ماموں بھی تھے، جنہوں نے سر پر کلہاڑی کا زخم کھایا اور گر پڑے۔ ہوش آنے پر وہ پاس کے کھیت میں جا چھپے۔ انہوں نے دیکھا کہ سکھوں نے مسلمانوں کا قتل عام کرنے کے بعد گاؤں کو تسلی سے لوٹا، اور پھر نذرِ آتش کر دیا۔ اس گاؤں سے صرف ایک مسلمان چھپ چھپا کر بھاگنے اور جان بچانے میں کامیاب ہوا۔ اگلے دن چھوٹا ماروہ اور بڑا ماروہ کے گاؤں تاراج کئے گئے۔ سکھوں کے جتھے اس علاقہ کے مجسٹریٹ چونی لال کوشک اور تھانیدار کیسر سنگھ کے زیرِ ہدایت کام کر رہے تھے۔ ساڈھورہ کا قصبہ حملے سے محفوظ رہا۔ ۲۱ ستمبر کو مجسٹریٹ نے حکم دیا کہ مسلمان اگلے دن ساڈھورہ سے نکلنے اور پیدل چلنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ انہیں صرف اپنے ساتھ ایک ایک بستر اور ایک ایک ٹرنک لے جانے کی اجازت ہوگی۔ ساڈھورہ کے مسلمانوں نے یہ حکم سن کر اپنا تمام مال لٹا دیا۔ اگلے دن سے بارشیں ہونے لگی، اس لئے روانگی ملتوی کر دی گئی۔ پھر ۳ر اکتوبر کو دوسرا اعلان ہوا۔ ساڈھورہ میں پناہ گزینوں کا کیمپ بننے کی داستان یہ ہے کہ جب ضلع انبالہ کی دو تحصیلوں کھرڑ اور روپڑ میں مسلمان بے دردی سے قتل کئے گئے تو بقیۃ السیف میں سے کچھ تو کرالی کیمپ میں جمع ہو

گئے اور کچھ تحصیل نرائن گڈھ میں بھاگ آئے۔ پھر تحصیل نرائن گڈھ میں بھی مسلمانوں کے دیہات پر حملے ہونے لگے۔ وہاں راجپوتوں کے دو گاؤں کوٹ بلا اور جھوریوالہ کے مسلمانوں نے حملہ آوروں کا شدید مقابلہ کیا اور انہیں کافی نقصان پہنچا کر پس پا کر دیا۔ اس کے بعد ملٹری نے آ کر مسلمانوں پر بے تحاشا فائرنگ شروع کر دی۔ بہت سے مسلمان شہید کر دیئے اور کچھ گرفتار کر لئے۔ جب ضلع انبالہ میں اس قسم کے حملوں کے باعث ہر طرف وہشت پھیل گئی تو تحصیلداروں، ذیلداروں اور دوسرے سرکاری کارکنوں سے اعلان کرا دیا گیا کہ مسلمان فلاں تاریخ کو مارچ کرنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ اس طرح کوٹ بلا اور جھوریوالہ میں کوئی پندرہ بیس ہزار مسلمان جمع ہو گئے۔ اس قافلہ کو پیدل چلا کر ملٹری کی ایک گارد نے کالے انب (کالے آم) تک پہنچایا۔ یہ مقام ریاست سرمور فاہن کی ایک چوکی تھا۔ ملٹری گارد یہ کہہ کر کہ ان کی ڈیوٹی یہیں تک تھی، رخصت ہو گئی۔ اس کی جگہ جاٹ ملٹری کی دوسری گارد آ گئی۔ اس گارد نے صبح پانچ بجے حکم دیا کہ مسلمان پانی وغیرہ پینا ہو تو پی لیں اور چلنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ چلتے وقت مسلمانوں سے لاٹھیاں، چھڑیاں اور سوٹیاں تک چھین لی گئیں اور کہا گیا کہ مضبوط اور جوان جوان اشخاص قافلے کے دونوں طرف رہیں۔ پندرہ بیس ہزار مسلمانوں کا یہ قافلہ جس میں نو سو کے قریب بیل گاڑیاں تھیں، چھ میل میں پھیلا ہوا تھا، جب یہ قافلہ اصغر پور کے قریب دریائے مارکنڈہ کو عبور کر رہا تھا تو اس پر سکھوں اور ہندوؤں کے ایک جم غفیر نے ہلہ بول دیا۔ قافلہ والوں نے حملہ آوروں کو پتھر مار کر بھگا دیا اور انہی کے ہاتھوں سے تلواریں چھین چھین کر انہیں واصل بہ جہنم کیا۔ جاٹ ملٹری حملہ آوروں کا تعاقب کرنے کے بہانے سے کھیتوں میں جا کر چھپ گئی اور پوزیشن لے کر قافلے پر گولیاں برسانے لگی۔ مشین گنوں اور برین گنوں کے منہ کھول دیئے گئے۔ فائرنگ کی آوازیں ساڈھورہ میں سنائی دے رہی

تھیں۔ صبح سات بجے سے شام کے تین بجے تک اندھادھند گولیاں چلتی رہیں۔ اندازہ ہے کہ اس قتل عام میں چار ہزار سے لے کر چھ ہزار تک مسلمان مارے گئے۔ تین سو سے زیادہ عورتیں اغوا کر لی گئیں۔ پانچ سو کے قریب مسلمان بھاگ کر ساڈھورہ پہنچے جن میں اکثر زخمی تھے۔ قافلے کا پچھلا حصہ واپس لوٹ کر کالا آم چلا گیا۔ ساڈھورہ کے مسلمانوں نے ان تباہ حال بھائیوں کی بہت خدمت کی۔ پانچ چھ ہزار مسلمان کالے آم کو واپس چلے گئے تھے جو ایک ہفتہ وہاں رہے۔ اتنے دن انہیں کھانا تک میسر نہ آسکا اور لوگ پنواڑ گھاس کھا کھا کر بسر اوقات کرتے رہے۔ ان کو ایک خاص کنڈ سے پانی پینے کی اجازت تھی، اس پانی میں زہر ملا دیا گیا اور لوگ پیچش اور اسہال کے امراض میں مبتلا ہونے لگے۔ ایک ہفتہ بعد ان سب کو ساڈھورہ لایا گیا، وہاں ان کے امراض نے ہیضہ کی صورت اختیار کر لی۔ ایک ماہ کے عرصہ میں کوئی دس ہزار مسلمان اس وبا سے لقمۂ اجل ہو گئے۔

ان حالات میں کمزور ایمان کے مسلمان ہندو بن بن کر اپنی جانیں بچاتے رہے۔ بعض جگہ تو گاؤں کے گاؤں ہندو بنا لئے گئے اور دیگر دیہات کے مسلمان کیمپوں میں جمع ہوتے گئے۔ ساڈھورہ کے کیمپ میں پچاس ہزار سے زیادہ کا اجتماع ہو گیا۔ ساڈھورہ کیمپ میں راشن کی سخت قلت محسوس ہونے لگی، تو میں نے چندہ جمع کر کے ۴۵ روپے کے برقی پیغامات مقامی ڈپٹی کمشنر، مشرقی اور مغربی پنجاب کے وزراء اور حکام حتیٰ کہ قائداعظم تک ارسال کیے۔ پاکستان گورنمنٹ کی طرف سے آٹے کی ایک سو ساٹھ بوریاں آئیں۔ اس کے بعد پاکستان نے دو سو بوریاں پھر بھیجیں۔

ساڈھورہ کیمپ میں جتنا عرصہ گورکھا رجمنٹ حفاظت کے لئے متعین رہی۔ کیمپ میں امن رہا لیکن جب جاٹ رجمنٹ کا پہرہ بدلا تو انہوں نے مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم و ستم شروع کر دیئے۔ گھروں میں گھس گھس کر عورتوں کو زدوکوب کیا اور ان کی

بے حرمتی کی گئی۔ ان کا قیمتی سامان لوٹ لیا گیا۔ جب کچھ گھوسیوں نے مقابلہ کیا تو جاٹ ملٹری نے فائرنگ کر کے بہت سے مسلمانوں کو شہید کر دیا۔

سادھورہ کیمپ سے مسلمان پناہ گزین اسپیشل گاڑیوں میں سوار کر کے پاکستان لائے گئے۔ آخری اسپیشل ۲۸ نومبر کو چلی، اس سے تین دن پہلے جاٹ رجمنٹ کا پہرہ بدلا تھا

جناب محمد موسیٰ صاحب رقمطراز ہیں:

جگادھری کا ریلوے اسٹیشن عبداللہ پور مین لائین پر جگادھری سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ جہاں کئی قسم کی ملیں اور کارخانے ہیں۔ اس شہر کے ہندو کارخانہ داروں نے خفیہ خفیہ مسلمانوں کو تباہ کرنے کے منصوبے باندھے اور سکھ حملہ آوروں کو اپنی ملوں میں جمع کر لیا۔ مسلمان بے خبر تھے۔ ۱۸؍اگست کو عید الفطر کے دن دوپہر کے بعد مسلمانوں پر حملے شروع ہو گئے اور عبداللہ پور میں کہرام مچ گیا۔ جہاں کوئی مسلمان نظر آیا، قتل کر دیا گیا۔ مسلمانوں نے ایک بڑی مسجد ایک لاکھ روپیہ کے صرف سے تیار کرائی تھی۔ وہ ابھی زیر تعمیر تھی کہ اسے آگ لگا دی گئی۔ چالیس کے قریب مسلمان اس مسجد میں جمع تھے، سب کے سب قتل کر دیئے گئے۔ جگادھری اور عبداللہ پور کے درمیان لائٹ ریلوے چلتی ہے، جب اس کی ٹرین عبداللہ پور پہنچی تو اس کے تمام مسلمان مسافر قتل کر دیئے گئے۔ جو ٹرین سہارن پور یا انبالہ چھاؤنی سے آئی تھی، اس کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا تھا۔ رات کے نو بجے تک یہ قتل عام جاری رہا۔

۲۵؍اگست کو حسن پور پر حملہ ہوا۔ ۳۰؍اگست کو شیخوپورہ کو تاراج کیا گیا۔ ۵؍ستمبر کو مہشیری میں بیکھا راجپوت کے مکان کو نذر آتش کر دیا گیا۔ وہ اکیلا تین کپڑوں میں نکل کر گدھولہ گیا لیکن وہاں شہید کر دیا گیا۔

جگادھری میں ۶ ستمبر کو ہلڑ مچا اور کوئی پچاسی آدمی شہید کر دیئے گئے اور مسلمان

محلہ مغل لوہاراں میں جمع ہونے لگے۔ مسلمانوں کے دوسرے محلے لوٹ کر نذر آتش کر دیئے گئے۔ محلہ مغل لوہاراں میں میاں محمد موسیٰ سابق سب انسپکٹر پولیس نے پناہ گیروں کا اچھا انتظام کیا' لیکن خورونوش کی اشیا کی بڑی تنگی رہی۔ ڈھائی ماہ تک یہ کیمپ لگا رہا۔

۲۳ ستمبر کو محلاں وال پر حملہ کیا گیا۔ وہاں کے مسلمانوں نے مقابلہ کیا اور تین دفعہ حملہ آوروں کو بھگا کر گاؤں سے نکالا۔ مسلمان صرف چار شہید ہوئے۔ حملہ آوروں کے بیس آدمی مارے گئے۔ اگلے دن ملٹری نے آ کر مسلمانوں سے نیزے اور گنڈا سے چھین لئے۔ لوگ بد دل ہو کر گاؤں سے نکل گئے' صرف سو کے قریب مسلمان باقی رہ گئے۔ ملٹری نے حملہ آوروں کو بلا کر ان میں سے اکثر کو قتل کرا دیا۔ حملہ آور ۲۳ جوان عورتیں لے گئے۔ مغل لوہاراں کے محلہ میں مسلمانوں نے تین ہسپتال کھلوائے جہاں زخمی رکھے جاتے تھے۔ مسلمان ڈاکٹر اور کمپوڈر رضا کارانہ خدمات انجام دیتے رہے۔

جگادھری کے محلہ مغل لوہاراں پر جہاں پناہ گزیں جمع ہو رہے تھے' دو' تین دفعہ بم پھینکے گئے۔ لوٹ کھسوٹ میں حکام بھی شامل تھے اور غالب حصہ لیتے رہے۔

بعض دیہات کے مسلمانوں نے ہندو بن کر جانیں بچانے کی کوشش کی لیکن ان میں سے جو متمول تھے' قتل کر دیئے گئے اور ان کے گھر لوٹ لئے گئے۔ قاہر پور کے مسلمان ہندو بن گئے تھے لیکن اس کے قریب کے گاؤں منڈاولی کے مسلمانوں نے مقابلہ کر کے ہندو اور سکھ حملہ آوروں کو بھگا دیا۔ اگلے روز ملٹری نے آ کر منڈاولی کے بیس مسلمان مار دیئے' کئی عورتوں نے کنوؤں میں گر کر جانیں دے دیں' تحصیل جگادھری میں صرف ناصر پور کھارون' مصطفیٰ آباد اور بلاسپور کے قصبے حملے سے محفوظ رہے۔ باقی سب تاراج کر دیئے گئے۔

سنا ہے کہ نارائن گڈھ اور روپڑ کی تحصیلوں میں مسلمانوں کا بہت نقصان ہوا۔

روپڑ میں تو مسلمانوں کی ایک چوتھائی آبادی بمشکل بچی ہوگی۔ روپڑ کے مسلمان پاکستان کی طرف لے جانے کے بہانے سے ریلوے اسٹیشن میں بٹھا لئے گئے لیکن سرہند اسٹیشن پر ریاست پٹیالہ کی فوجوں نے سب کو ٹھکانے لگا دیا۔

سید ناصر علی زیدی لکھتے ہیں:

بھریلی سادات تحصیل کھرڑ ضلع انبالہ کے مسلمانوں کو وہاں کا سکھ رئیس اعظم آنریری مجسٹریٹ تسلیاں دیتا رہا کہ تمہاری حفاظت کے لئے ملٹری بلائی گئی ہے۔ ۱۶ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو ملٹری کا دستہ جو پچپن افراد پر مشتمل تھا، ٹرکوں میں سوار ہو کر وہاں پہنچا۔ اس ملٹری نے آنریری مجسٹریٹ کے قلعہ کی جانب سے بھریلی پر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ فائرنگ آٹھ بجے صبح سے ۶ بجے شام تک جاری رہی اور کوئی ڈھائی ہزار مسلمان دن بھر میں شہید ہو گئے۔ مسلمان مرد، عورتیں اور بچے فائرنگ سے ڈر کر عزاخانوں میں جمع ہونے لگے وہاں بھی ان پر گولیاں چلائی گئیں اور سب کو نکال کر اکٹھا کیا گیا۔ ہندو اور سکھ دیہاتی گھروں اور مکانوں کو لوٹنے لگے۔ جب وہ لوٹنے سے فارغ ہو گئے تو شام کے وقت گھروں کو جانے کی اجازت ملی۔ مسلمانوں کے جوان جوان افراد کو قلعہ میں لے گئے۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے عزاخانوں میں بیٹھ کر رات بھر بارگاہ خداوندی میں گریہ وزاری کرتے رہے۔ اگلے دن صبح کے وقت دیہاتی بلوائیوں نے پھر ہلّہ بول دیا۔ اس لئے آٹھ بجے صبح ڈیرہ بسی واقعہ ریاست کلسیہ تک پا پیادہ جانے کا حکم ملا جو بھریلی سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھا۔ راستے میں ملٹری والوں نے عورتوں کو بے نقاب کیا، سکھ تین چار لڑکیاں اُٹھا لے گئے۔ آہستہ چلنے پر برچھے لگائے جاتے تھے۔ اس قافلہ کو ڈیرہ بسی سے دو میل کے فاصلے پر مبارک پور میں اُتارا گیا۔ دو تین دن اس گاؤں میں بسر کیے۔ اس کے بعد اس قریہ سے نکال کر باہر ایک کیمپ لگا دیا گیا۔ ہر تیسرے دن ڈھائی

چھٹانک آردگندم فی کس ملتا تھا۔ رفع حاجت کے لئے صبح ۶ بجے سے ۸ بجے تک اور شام کو چار بجے سے چھ بجے تک کا وقت مقرر تھا۔

اٹھارہ روز کے بعد حکم ملا کہ پیدل قافلے کی شکل میں انبالہ چلو' جو وہاں سے اٹھارہ میل دُور تھا۔ راستے میں قافلے کے کئی افراد شہید کر دیئے گئے اور چار لڑکیاں اغوا کر لی گئیں۔ رات کے ۸ بجے انبالہ شہر کے کیمپ میں پہنچے۔ اس کیمپ میں ہیضہ کی وبا پھوٹ پڑی اور روزانہ دس بیس موتیں واقع ہونے لگیں۔

آخر جب پاکستان گورنمنٹ نے اسپیشل گاڑیاں چلانے کا بندوبست کیا تو ہم بھی ماہ نومبر میں لاہور آ گئے۔

تھانیسر ضلع کرنال کی ایک مہاجرہ اکرام بیگم صاحبہ بیان کرتی ہیں:

میں تھانیسر سے اپنے منجھلے بھائی کرم احمد کی معیت میں ایک گاؤں لاڈوہ کی طرف روانہ ہوئی' وہاں میری خالہ رہتی تھی۔ راستے میں سنا کہ سکھوں اور ہندوؤں نے مسلمانوں کے کئی گاؤں جلا دیئے ہیں اور بہت سے مسلمانوں کو شہید کر دیا ہے۔ ہمارے دل میں خوف سا پیدا ہوا لیکن ہم چلتے گئے۔ جب ہم لاڈوہ پہنچے تو دیکھا کہ گاؤں اُجڑ چکا ہے۔ گلیوں اور کوچوں میں خون جما ہوا ہے۔ جا بجا لاشیں پڑی ہیں۔ کہیں کہیں انسانی جسم کے کٹے ہوئے اعضا جدا جدا پڑے دکھائی دیتے ہیں۔

زخمی سسک سسک کر دم توڑ رہے ہیں۔ یہ خونیں منظر دیکھ کر ہمارے اوسان خطا ہو گئے۔ خالہ کے گھر پہنچے تو گھر کو اُجڑا ہوا پایا۔ سامان سب لٹ چکا تھا۔ ایک کوٹھڑی میں ہمیں کوئی چیز پڑی نظر آئی۔ ادھر جا کر دیکھا کہ خالہ اور گھر کے سب مرد و زن اسی کوٹھڑی میں جمع کر کے شہید کئے ہوئے پڑے ہیں۔

یہ زہرہ گداز منظر دیکھ کر ہم کانپتی ہوئی ٹانگوں کے ساتھ تھانیسر کو واپس لوٹے۔

راستے میں غنڈوں کے نعرے سنائی دیتے تھے لیکن ہم چھپ چھپا کر تھانیسر پہنچ گئے۔

ابھی ہم گھر جا کر بیٹھے ہی تھے کہ غل مچا "غنڈے آ گئے" لوگ سراسیمہ ہو کر بھاگے۔ ہم تھانیسر سے باہر نکلے ہی تھے کہ غنڈوں نے ہم پر حملہ کر دیا۔ میرے دونوں بھائی، ساس، خسر، خاوند، چچا اور ایک بہن آن کی آن میں شہید ہو گئے، میں اپنی دو بچیوں کو لے کر سرکنڈوں میں چھپ گئی اور فصلوں کی اوٹ میں دور نکل گئی، تین ماہ پا پیادہ چلنے کے بعد پاکستان پہنچی۔ (مرسلہ: حکیم سید محمود گیلانی)

کوٹ سیداں تحصیل کرنال (پانی پت) کی ایک سیدزادی زاہدہ خاتون بیان کرتی ہے:

ستمبر کے پہلے ہفتے ہمارے گاؤں پر سکھوں اور جاٹوں نے فوج کی مدد سے دھاوا بول دیا۔ ہمارے آدمی اُس وقت کاروبار میں لگے ہوئے تھے کہ گولیوں کی تڑاق پڑاق اور غنڈوں کے فلک شگاف نعروں نے ہم پر کپکپی طاری کر دی۔ گھروں میں اُس وقت زیادہ تر عورتیں ہی موجود تھیں۔ وہ ڈر سہم کر مکانوں میں بند ہو گئیں اور اپنے آدمیوں کو کسی طرح غنڈوں کی آمد کی خبر دی لیکن یہ درندے اتنے میں پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے ضعیف العمر اور کمزور مستورات کو تو آتے ہی شہید کر دیا لیکن جوان و نوعمر لڑکیاں ایک مکان میں اکٹھی کر کے بند کر دیں جو بھاگتی ہوئی قابو نہ آئی اس کو سپاہیوں نے گولی کا نشانہ بنایا۔ میں بچ کر قریب کے کھیت میں باجرہ کی آڑ لے کر چھپ گئی اور کانپتی لرزتی یہ خونیں منظر دیکھتی رہی۔ عورتوں کی طرف سے فارغ ہو کر یہ ظالم مردوں کو ڈھونڈنے لگے۔ جو آدمی ملتا اسے وہیں ڈھیر کر دیا جاتا۔ فائر اور غل سن کر ہمارے باہر کے آدمی بھی گاؤں میں آئے لیکن آتے ہی ان کی بڑی تعداد ذبح ہو گئی۔ جو بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئے، وہ کرنال کے "ریلیف کیمپ" کو روانہ ہوئے۔ میں بھی موقعہ پا کر ان

کے ساتھ ہولی۔ تین روز کے بعد ہم گرتے پڑتے اس کیمپ میں پہنچے۔

مہاجرہ نے بتایا ہم نے سن رکھا تھا کہ جو لوگ "کیمپ" میں پہنچ جاتے ہیں وہ خطرہ سے دُور ہو جاتے ہیں لیکن یہاں معاملہ برعکس دیکھا۔ کیمپ کے اردگرد دور تک لاشوں کے ڈھیر نظر آتے تھے۔ زمین خون شہیدوں سے لالہ زار بنی تھی۔ کتے، چیلیں، گدھیں اور کوے نعشوں کو نوچنے گھسیٹنے میں مصروف تھے۔ یہ کیمپ دوزخ کا ایک نمونہ تھا۔ "محافظ دستے" جو وہاں مقرر تھے، مظلوموں کو ذرا ذرا سی بات پر گولی مار دیتے تھے۔ یہ باتیں کوئی خلاف قانون نہیں تھیں۔ جس نے پانی مانگا، کھانا طلب کیا یا بول و براز کیلئے اجازت چاہی اُس پر جھٹ فائر کر دیا۔ چھ روز تک ہم پر آب و دانہ بند رہا۔ اس کے بعد ایک چھٹانک فی کس کے حساب سے آٹا ملا، لیکن نہایت بدبودار، جس نے کھایا وہ تڑپا دینے والے درد قولنج میں مبتلا ہو گیا۔ بعض کو اسہال، قے اور پیچش ہو گئی۔ سینکڑوں مرد و زن یہ آٹا کھا کر چل بسے۔ بچے تو اس کی روٹیوں سے بہت جلد ہلاک ہو جاتے تھے۔ آٹے کے بعد پانی کی باری آئی، نل پر جانے کی تو کسی کو اجازت نہ تھی۔ البتہ ایک جگہ پانی کی ٹینکی لگا دی گئی لیکن جس نے اسے پیا اس کی زبان کانٹا ہو گئی، حلق سوکھ گیا اور خناق کی طرح گلا گھٹنے لگا۔ اس میں کسی زہر کی آمیزش تھی اور یہ پانی پی کر بھی کئی نیم جان موت کے آغوش میں چلے گئے۔

خاتونِ موصوفہ نے بیان کیا کہ ۳۳ روز ہم اس کیمپ میں ظالموں کی سختیاں سہتے رہے۔ آخر ایک روز ہمیں تخلیہ کا حکم ملا۔ حالانکہ کرنال ریلوے اسٹیشن ہمارے کیمپ سے دو فرلانگ کے فاصلہ پر تھا لیکن ہمیں بیسیوں میل پیدل چلا کر ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر لایا گیا۔ راستے میں غنڈوں نے کئی مرتبہ حملے کیے۔ فوجی گارڈز کے رُوبرو عورتوں کی بے حرمتی کی۔ قتل عام ہوا، مال اسباب لوٹا، بچوں کو مارا لیکن "محافظ سپاہی" ذرا

ٹس سے مس نہ ہوئے۔ گاڑی میں سوار ہوئے تو غنڈوں نے کئی بار ٹرین پر حملے کئے۔ جب ہماری گاڑی لاہور پہنچی تو اس کے تمام کمرے خون آلود تھے۔ غنڈے جس قدر آدمی گاڑی میں شہید کرتے تھے سپاہی ان کی نعشیں باہر پھینک دیتے تھے۔

یہ مہاجرہ بھرے گھر کی مالک تھی' اس کا کنبہ ۱۳ افراد پر مشتمل تھا لیکن اس کا بیان ہے کہ صرف وہی زندہ بچ کر یہاں آئی ہے۔ باقی تمام مرد و زن' طفل و پیر کچھ گاؤں میں کچھ راستے میں شہید ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ○

(مرسلہ: سید حکیم محمود گیلانی)

گورنمنٹ کیٹل فارم حصار میں محمد شرف الدین نام کے ایک صاحب اس کا تجربہ گاہ (Laboratory) میں اچھے عہدے پر ملازم تھے اور حصار ہی کے رہنے والے تھے۔ یہ صاحب آج کل گوجرانوالہ سبزی منڈی میں اپنے ہم زُلف کے ہاں مقیم ہیں۔ آپ نے بتایا:

"جب حصار کے مسلمانوں کو تہ تیغ کیا جانے لگا تو حیوان خانہ حصار کے انسان نما درندہ صفت افسروں نے مسلم ملازمین سے کہا کہ شہر اور مضافات میں فساد برپا ہے' اس لئے تمام مسلمان فارم سے باہر قدم نہ رکھیں۔ اگر وہ سرکاری وارڈ کے اندر رہیں گے تو کوئی ان کا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔ یہ تمام افسر ہندو اور سکھ تھے۔ صرف تین افسر مسلمان تھے لیکن وہ بے اختیار تھے۔ مسلمان ملازم جو اہل و عیال سمیت کیٹل فارم میں رہتے' تھے۔ غیر مسلم افسروں کے جھانسے میں آ گئے لیکن اس "طمانیت بخش اعلان" کے دوسرے ہی دن یہ افسر صاف آنکھیں بدل گئے اور کہنے لگے کہ ہم بے بس ہیں' تمہاری حفاظت کا ذمہ نہیں لے سکتے۔ سنا ہے شہری غنڈے فارم پر حملہ کرنے کو ہیں۔ بہتر ہے کہ تم یہاں س ے نکل جاؤ اور چھپ چھپا کر کسی "ریلیف کیمپ" میں پہنچ جاؤ۔ یہ جابرانہ حکم

سنتے ہی ہمارے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی اور ہم ساٹھ ستر مسلم ملازمین عورتوں اور بچوں کو لے کر چل پڑے۔ ابھی ہم نے فارم کا پھاٹک عبور نہیں کیا تھا کہ ان ہی افسروں نے ہم پر گولی چلا دی جس سے کچھ آدمی زخمی ہوئے۔ گولی کی آواز سنتے ہی مسلح غنڈوں کا ایک گروہ' جو کہیں قریب ہی چھپکے بیٹھا تھا' ہم پر ٹوٹ پڑا اور آن کی آن میں دو چار کے سوا تمام مسلمان اور ان کے بچے شہید کر دیئے گئے۔ عورتیں اُٹھالی گئیں۔ ضعیف اور ناتواں عورتوں کو مردوں کے ساتھ ہی ذبح کر دیا گیا۔ ہم صرف پانچ آدمی بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ باجرہ اور جوار کے کھیتوں میں چھپ چھپا کر کئی روز بعد مشرقی پنجاب کی سرحد پار کی۔

مسٹر محمد شرف الدین نے بتایا کہ سکھ درندے معصوم بچوں کو نہایت بیدردی سے ہلاک کرتے تھے۔ چنانچہ بعض بچوں کو گلا گھونٹ کر مارا گیا' کئی بچے اس طرح شہید کیے گئے کہ سکھ غنڈے بچے کی ایک ٹانگ پاؤں میں دبا کر دوسری ٹانگ زور سے کھینچتے اور ننھے معصوم کے دو ٹکڑے کر دیتے۔ ہم نے بہت سے بچے اسی طرح شہید ہوتے دیکھے۔ ایک مقام پر سات بچے مرے ہوئے دیکھے تو ہم نے نزدیک جا کر ملاحظہ کیا۔ معلوم ہوا کہ پہلے ان کے نازک جسموں کو کسی اوزار سے جا بجا چھیدا گیا ہے اور اس کے بعد تڑپا تڑپا کر مار ڈالا ہے۔ (مرسلہ: حکیم سید محمود گیلانی)

ہانسی ضلع حصار کے زمیدار مہاجر مسمیٰ الٰہ بخش نے بیان کیا:

"ایک روز ہم کھیتی باڑی میں لگے ہوئے تھے کہ گاؤں کا چوکیدار ہانپتا کانپتا آیا اور تھرتھراتی زبان سے کہا:

چودھری! غضب ہو گیا' ملٹری کے پانچ سکھ سپاہی آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمان گاؤں خالی کر دیں ورنہ گولی ماردی جائے گی"۔

چوکیدار اتنا کہنے ہی پایا تھا کہ یکے بعد دیگرے آٹھ دس فائر ہوئے۔ گولیوں کی آواز سنتے ہی ہمارا دل دھڑ کنے لگا۔ خوف و ہراس طاری ہوگیا' ہم نے چاہا کہ کھیتوں میں چھپ جائیں لیکن وہ آدمی نہایت تیزی سے ہماری طرف بھاگے چلے آ رہے تھے۔ ان کو دیکھ کر ہم اور بھی خوفزدہ ہوئے جب وہ ہمارے قریب پہنچے تو آتے ہی کہا: ''چلو بھائی! سپاہی تمہیں بلاتے ہیں'' جب ہم گاؤں میں گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ چوک میں پندرہ بیس لاشیں پڑی ہیں' بہت سے معصوم بچے سنگینوں سے ہلاک کر دیئے گئے ہیں۔ گاؤں کی نوجوان عورتیں نیم برہنگی میں سپاہیوں کے پنجہ استبداد میں ہیں اور گاؤں کا نمبردار سر بازار پٹ رہا ہے۔ ہم نے یہ دردناک منظر دیکھا تو اپنے گھروں میں گئے۔ ضروری سامان باندھا اور چوک میں لا رکھا۔ سپاہیوں نے گاؤں کے تمام مسلم مرد و زن جو آٹھ سو کے قریب تھے' مویشیوں کی طرح ہانک لئے۔ ہم گاؤں سے تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ غنڈوں کے ایک مسلح گروہ نے ہم پر دھاوا بول دیا۔ نوجون عورتیں الگ کر لیں اور باقی مردوں عورتوں کو قتل کرنا شروع کر دیا اور طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔

زمیندار مذکور نے بتایا کہ کیمپ تک پہنچتے ہماری تعداد اتنی رہ گئی کہ آسانی سے انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔ اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ ہمارے گاؤں کے آٹھ سو افراد میں سے صرف ۳۲ آدمی صحیح سلامت پاکستان پہنچے۔

(مرسلہ: حکیم سید محمود گیلانی)

گوہانہ ضلع رہتک کے ایک صاحب بابو محمد امین' جو رُہتک میں ریلوے کلرک تھے۔ ۳ دسمبر ۱۹۴۷ء کو بڑے مصائب و آلام سہنے اور گھر بار تباہ کرانے کے بعد لاہور آئے ہیں۔ اپنی داستان غم یوں بیان کرتے ہیں:

۲۵ جولائی ۱۹۴۷ء کو مجھے گوہانہ سے خط موصول ہوا کہ تمہارا نوجوان بھائی گئی

روز سے مفقود الخبر ہے، اس کا پتہ لگانے کے لئے فوراً گھر آؤ"۔ یہ خط پڑھتے ہی میں نے دو ہفتہ کی چھٹی لی اور گھر پہنچا۔ بھائی کی تلاش میں اِدھر اُدھر چکر لگائے۔ آخر ایک کنوئیں میں اس کی لاش ملی۔ معلوم ہوا کہ وہ کسی کام سے چھوچھک واس گیا ہوا تھا کہ غنڈوں نے اسے قتل کر دیا۔

بھائی کو چھوچھک واس ہی میں دفن کر کے گوہانہ میں واپس آیا تو دو قصبات کنواہ اور مائن ہیل کی نسبت اطلاع ملی کہ وہ بالکل برباد ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا ہے، عورتیں اٹھالی گئی ہیں اور کنواہ کے بعض مسلمان مکانوں ہی میں جلا دیئے ہیں۔ گویا رہتک میں ہر جگہ فساد شروع ہو گیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ارادہ کیا کہ رخصت گزار کر تمام کنبہ رُہتک لے جاؤں گا، اس لئے کہ وہ ایک بڑا شہر ہے ضلع کے تمام ذمہ دار افسر وہیں ہیں، پولیس کا انتظام ہے وہاں خطرہ کم ہو گا لیکن میرا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوا۔

۲ر اگست کی صبح کو پولیس کے چار نامسلم سپاہی رُہتک سے گوہانہ میں آئے اور کہنے لگے "لوگو! ہمارے علاقہ میں فرقہ وارانہ فساد رُونما ہے۔ شرارت پسند آدمی ہر جگہ جھگڑے پیدا کر رہے ہیں۔ ان فتنہ گروں میں مسلمان بھی ہیں، ہندو بھی ہیں اور سکھ بھی ہیں۔ ہمیں افسران ضلع نے اس لئے بھیجا ہے کہ سب لوگ اتفاق سے رہو، آپس میں کسی قسم کا فساد نہ کرو، جو فساد کرے گا گولی سے اُڑا دیا جائے گا اور اس کے خاندان پر بھاری جرمانے کیے جائیں گے"۔ پولیس کنسٹبلوں کی یہ ہدایات بظاہر بہت خوبصورت تھیں اور باعث اطمینان تھیں لیکن دوپہر کو میں نے دیکھا کہ "امن وسلامتی" کے یہی اجارہ دار سپاہی ایک وسیع احاطہ میں گوہانہ کے نامسلموں کو جمع کیے بیٹھے ہیں اور مسلمانوں کی ہلاکت کیلئے انہیں اشتعال دے رہے ہیں۔ ایک سپاہی ہندوؤں اور سکھوں سے کہہ رہا

ہے "بھائیو! تم کوئی فکر نہ کرو' پولیس اور ملٹری تمہارے ساتھ ہے اور مُسلوں (مسلمانوں) کو تباہ کرنے کیلئے تمہیں ہر قسم کی مدد دینے کیلئے تیار ہے"۔

یہ الفاظ سن کر مجھے سخت خطرہ پیدا ہو گیا اور سچ پوچھئے تو خوف سے میری ٹانگیں تھرتھرانے لگ گئیں۔ میں اسی حالت میں گھر گیا' بدن پر کپکپی طاری تھی' چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں' میں نے کانپتی ہوئی زبان سے کہا: اب گوہانہ کے مسلمان کسی صورت نہیں بچ سکتے۔ پھر بیوی اور والدہ کو تمام صورتحال سے آگاہ کیا اور کہا کہ جس قدر جلد ممکن ہو ضروری اشیا باندھ لو' میں شام کو سواری کا انتظام کرتا ہوں اور اللہ کا نام لے کر ہم صبح سویرے یہاں سے نکل چلیں۔

والدہ' بیوی اور لڑکیاں میری ڈانٹ سن کر ضروری سامان باندھنے میں لگ گئیں۔ میں نے چار تانگوں اور کچھ گھوڑوں کا انتظام کیا تاکہ ہم صبح روانہ ہو جائیں۔

رات کے بارہ بجے تھے کہ گوہانہ کے شمال اور مشرق میں کچھ چیخیں سنائی دیں' پھر مغرب سے بھی چلانے کی آوازیں آئیں۔ اس کے بعد گلی کوچوں میں آدمی دوڑتے بھاگتے معلوم ہوئے۔ میں نے باہر نکل کر لوگوں سے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ گوہانہ اور گردونواح کے سکھوں اور ہندوؤں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا ہے۔ گوہانہ کو تین طرف سے گھیر لیا گیا ہے۔ فلاں فلاں محلے میں بہت سے مسلمان شہید ہو چکے ہیں۔ کئی مکان نذر آتش ہو چکے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی پاؤں تلے کی زمین نکل گئی' کلیجہ دھک دھک کرنے لگا' میں اپنی گلی میں مڑا ہی تھا کہ تین گرانڈیل آدمی مجھے مکان میں داخل ہوتے نظر آئے اور میرے پہنچنے سے پیشتر انہوں نے ہمارے چار بچے اور دو لڑکیاں ذبح کر ڈالیں۔ مجھے دیکھ کر ایک غنڈہ میری طرف جھپٹا' میں نے لپک کر اس کا نیزہ چھین لیا لیکن دوسرے بدمعاش نے بڑھ کر مجھ پر برچھی سے وار کیا' جو میرے بازو کو زخمی کر گیا۔ تیسرے خونخوار

نے میری والدہ اور بیوی کا کام تمام کیا۔ چونکہ میں زخم کھا کر گر پڑا تھا اس لئے یہ تینوں بھیڑیئے مجھے چھوڑ کر مکان کے اندر داخل ہو گئے اور مال و اسباب لوٹنے لگے۔ گھر کے تمام زن و اطفال شہادت پا چکے تھے۔ میں زخم کے درد سے الگ تڑپ رہا تھا جب ذرا ہوش آیا تو میں رینگتا سرکتا پھر باہر نکلا۔ دیکھا کہ گلیاں لاشوں سے اٹی پڑی ہیں۔ ہر طرف خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ اس دلدوز نظارے سے میں پھر بیہوش ہو گیا لیکن ہمارے محلے کے ایک بزرگ نے مجھے گرتا دیکھ کر دوڑ کر میرا بازو تھاما اور کھینچتا گھسیٹتا مجھے کئی کے کھیت میں لے گیا۔ میرے زخم پر پٹی باندھی' منہ میں پانی ڈالا' چہرے پر چھینٹے دیئے اور اس طرح مجھے ہوش میں لا کر کہا "امین! میں بھی گھر بار لٹا کر نکلا ہوں۔ اب اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہیں کہ ہم پاکستان کی طرف منہ کریں اور پیدل چل کر وہاں پہنچ جائیں' اگر کسی کیمپ کا رُخ کریں گے تو اور بھی مصیبت اُٹھائیں گے"۔ یہ کہہ کر اُس بزرگ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اس طرح ہم گردش ایام کی سختیاں سہتے ایک ماہ گیارہ روز پا پیادہ چل کر پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔

(مرسلہ: حکیم سید محمود گیلانی)

جناب عبدالعزیز صاحب مسافر لکھتے ہیں:

قصبہ ٹوہانہ ضلع حصار کی دس ہزار آبادی میں مسلمانوں کی تعداد چھ ہزار تھی اور گرد و نواح کے جاٹ ٹوہانہ کے مسلمانوں سے مرعوب رہتے تھے لیکن ہندوستان کے آزاد ہونے کے ساتھ ہی ہر طرف قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو گیا۔ ۱۹ اور ۲۰ راگست کو بھٹنڈا جنکشن میں ۲۱ کو موڑ منڈی اور ۲۲ اور ۲۳ کو مانسہ اور جاکھل کے ریلوے اسٹیشنوں پر سکھوں اور ہندوؤں نے پلیٹ فارموں پر اور گاڑیوں کے اندر پہنچ کر مسلمان مسافروں کو شہید کیا۔ جاکھل کے بعد نروانہ جنکشن چار روز تک مسلمانوں کی قتل گاہ بنا رہا' بیچ میں

ٹوہانہ کو چھوڑ دیا گیا کیونکہ یہاں مسلمانوں کی جمعیت کافی نظر آ رہی تھی۔ مذکورہ بالا ریلوے اسٹیشن ریاست پٹیالہ میں واقع تھے جاکھل میں بھی ریاستی باشندوں ہی نے پاکستانی اسپیشل کو لوٹا تھا۔

۸ ستمبر کو بیس ہزار ہندوؤں اور سکھوں کے لشکر نے قصبہ ٹوہانہ پر حملہ کیا۔ تین چار گھنٹے تک شدید جنگ ہوتی رہی۔ دشمنوں نے راہ فرار اختیار کی' ان کے دو سو آدمی ہلاک اور پانچ سو زخمی ہوئے۔ مسلمانوں کی طرف ۱۵ شہید اور چھ زخمی نکلے۔ ۹ اور ۱۰ ستمبر کو پھر دشمنوں کے جم غفیر نے حملے کئے لیکن منہ کی کھا کر پسپا ہوتے رہے۔ بالآخر صلح ہو گئی۔ ۲۸ ستمبر کو ٹوہانہ سے آٹھ ہزار مسلمانوں کا قافلہ پاکستان کی طرف چلا' محافظ فوجی دستے ساتھ تھے' جنہوں نے راستے میں مسلمانوں کو بڑی اذیتیں دیں۔ راستے میں راشن وغیرہ بہت گراں قیمت پر ملتا تھا۔ جھلیاں کے پڑاؤ پر کماؤں رجمنٹ کے کمانڈر نے ہمارے تین لیڈر اغوا کر لئے۔ سرسہ سے ہمارے محافظ دستے فرسٹ پنجاب رجمنٹ سے لگے' انہوں نے ہمیں ناجائز طور پر تنگ نہ کیا' جب ہم فتح آباد پہنچے تو گوہانہ جھجھر سے ساٹھ ہزار کا قافلہ ہمارے ساتھ شامل ہو گیا۔ یہ قافلہ ۱۸ اکتوبر کو ہیڈ سلیمانکی کے مقام پر پاکستان میں وارد ہوا۔ پاکستان پہنچ کر ہمارے قصبہ کے لوگ پچاس مقامات پر بٹ گئے۔

جناب ندیم نظامی صاحب رقمطراز ہیں:

اکبر پور باروٹہ تحصیل سونی پت ضلع رہتک دو سو گھروں کا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا' جس میں مغل اور پٹھان آباد تھے۔ ۱۲ ستمبر کو ہندو جاٹوں نے ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو کر اس گاؤں پر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے توپوں' رائفلوں اور بندوقوں سے مقابلہ کیا اور جاٹوں کو مار بھگایا۔ سینکڑوں ہندو ہلاک کر دیئے۔ اگلے دن بے شمار ہندو جاٹ اور سکھ فوج اور پولیس کے دستے ساتھ لے کر حملہ آور ہوئے۔ گاؤں والوں نے مقابلہ کیا' شام

تک لڑائی ہوتی رہی۔ خان محمد خاں نمبردار ولد کمال خان پٹھان نے عدیم المثال دلیری دکھائی اور سینکڑوں ہندوؤں اور فوج اور پولیس کے سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس روز بھی جاٹ ناکام ہو کر واپس لوٹے۔ تیسرے دن ایک جم غفیر گاؤں پر حملہ آور ہوا اور مقابلہ ہونے لگا۔ مسلمانوں کے پاس گولہ بارود اور گولیاں ختم ہو گئیں جب کوئی چارہ کار دکھائی نہ دیا تو عورتیں عصمت بچانے کیلئے کنوؤں میں ڈوب گئیں۔ دو کنوئیں بھر گئے پھر بھی بہت سی عورتیں رہ گئیں جن میں سے جوان جوان عورتوں کو جاٹ پکڑ کر لے گئے۔ باقی بوڑھوں اور بچوں کو قتل کر دیا۔ گھروں کو آگ لگا دی۔ مسجدوں کو جلا دیا۔ چند آدمیوں کے سوا کوئی مسلمان متنفس زندہ نہ چھوڑا۔ یہ ہے انقلاب زمانہ؟ اور میرا مختصر سا افسانہ

ع ...یہی سر جو بار ہے دوش پر تھا کبھی تھا یہ زانوئے یار پر

ٹھسکہ میرانجی رحمۃ اللہ علیہ تحصیل تھانیسر ضلع کرنال کے ایک مہاجر

جناب عبدالرزاق صاحب خادم لکھتے ہیں:

۱۰؍اکتوبر کو ہمیں اپنے علاقہ کے سکھ تھانیدار نے جو ٹھسکہ میرانجی کے مسلمانوں سے ہتھیار لے چکا تھا، بتایا کہ تمہارا گاؤں دو تین دن میں اُٹھا دیا جائے گا۔ ۱۲؍اکتوبر کی شام کو ایک گورکھا یونٹ انگریز کمانڈر کی قیادت میں ٹھسکے پہنچ گئی۔ اس نے آتے ہی سب کی تلاشی لی اور حکم دیا کہ صبح ۹ بجے سب لوگ گاؤں کو خالی کر دیں۔ اگلے دن سکھ تھانیدار نے علی الصبح ہی لوگوں کو کوڑے مار مار کر گھروں سے نکالنا شروع کر دیا۔ لوگ بستر اور مختصر سا سامان لے کر نکل کھڑے ہوئے لیکن انگریز کمانڈر نے کہا کہ تم لوگ بیل گاڑیاں اور سواری کے جانور اپنے ہمراہ لے جا سکتے ہو، چنانچہ لوگوں نے گاڑیوں اور گھوڑوں پر سامان لاد لیا۔

ٹھسکہ کے قافلے کو شاہ آباد مارکنڈا میں پہنچایا گیا جہاں تلاشی لی گئی اور پولیس نے گھوڑیاں، زیورات اور قیمتی سامان چھین لیا۔ میری گھڑی بھی تھانیدار نے اُتروالی۔ اگلے دن صبح کو بیل گاڑیاں اور بائیکل بھی چھین لیے۔ اس کیمپ میں جن لوگوں کے پاس راشن تھا وہ تو کھاتے رہے اور مارکنڈا کا پانی پیتے رہے لیکن جن کے پاس کچھ نہ تھا وہ فاقہ کشی کی موت مرنے لگے۔ کیمپ میں اور بھی کئی طرح کے مصائب جھیلنے پڑتے تھے۔ گورکھا ملٹری بہت تشدد کرتی تھی۔ لوگوں کو اپنے ہاتھوں سے پاخانہ اُٹھانے پر مجبور کرتی اور ہنٹروں سے مارتی تھی۔ گردونواح کے جاٹ کیمپ میں گھس کر لوگوں کا مال اسباب لوٹ لے جاتے تھے۔ ہیضہ کی وبا بھی پھوٹ پڑی۔ لوگ بیماری سے، بھوک سے، مار سے، سردی سے، راہیٔ ملک عدم ہوتے گئے۔ ہم نے بقایا زیورات بیچ بیچ کر گزر اوقات کی۔ ہندو صراف کیمپ میں آ آ کر دس دس روپے تولہ سونا اور ۶ پیسے تولہ چاندی خریدتے تھے۔

اس حال میں میرے ایک دوست اپنے بال بچوں کیلئے ٹرک لے کر آ گئے، میں بھی ان کے ہمراہ آ گیا۔ باقی قافلے کو پاپیادہ چلا کر لایا جا رہا ہے۔

موضع تلونڈی بڈھلا ڈا ضلع حصار ایسے سولہ دیہات کا مرکز ہے، جن کے چاروں طرف ریاست پٹیالہ کا علاقہ واقع ہے۔ ۲ ستمبر کو تیس ہزار سکھوں کے جم غفیر نے اس قصبہ پر حملہ کیا۔ شام سے صبح تک رات بھر مقابلہ ہوتا رہا، لیکن دشمنوں کی جمعیت زیادہ تھی اس لئے ۳ ستمبر کو دس بجے تک اس قصبہ کے اکثر مسلمان جام شہادت نوش کر کے واصل بحق ہو گئے۔ صرف پچاس آدمی بھاگ کر جان بچانے میں کامیاب ہوئے۔ ساٹھ بچے بعد میں سرکاری طور پر ٹوہانہ پہنچائے گئے۔ تین کنوئیں عورتوں نے مر کر پُر کر دیئے۔ تاہم چار پانچ سو عورتیں سکھوں کے قبضے میں چلی گئیں۔

ریاستوں میں مسلمانوں کی تباہی و بربادی:

مشرقی پنجاب اور اس کے نواحی اضلاع و اقطاع میں ہندوستان کے آزاد ہونے کے ساتھ ہی مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دینے کی جو مہم ہمہ گیر تنظیم و سازش کے ساتھ شروع کی گئی اس میں کپورتھلہ، فرید کوٹ، پٹیالہ، جیند، کلسیہ، نابھہ اور بھرت پور کی ریاستوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان ریاستوں کے حکمران اور اعلیٰ حکام تمام کے تمام اس سازش میں شریک تھے جو ہندوؤں اور سکھوں کے چوٹی کے سیاسی لیڈروں نے پہلے سے طے کر رکھی تھی۔ ان ریاستوں کے فوجی دستے سکھوں کے جتھوں میں شامل ہو کر مسلمانوں کو تاراج کرتے رہے اور انہی ریاستوں کے حکام نے مشرقی پنجاب اور دہلی کے سکھوں اور ہندوؤں کو ہر قسم کا اسلحہ بہم پہنچایا اور خود اپنے علاقوں میں شدید تر سفاکی کے ساتھ مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے پر عمل کیا اور کرایا۔ ان ریاستوں کے مسلمانوں کی سرگزشت کے سلسلے میں جو بیانات موصول ہوئے ہیں وہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

کپورتھلہ:

۱۵؍ اگست کے بعد جب امرتسر، ہوشیار پور اور جالندھر کے اضلاع میں جو ریاست کپورتھلہ حدوں پر واقع ہیں۔ مسلمانوں کے دیہات پر حملے ہونے لگے اور شہر جالندھر کو تاراج کیا گیا تو متاثرہ علاقوں کے لوگ ریاست کو بدامنی سے محفوظ خیال کرتے ہوئے ریاست میں جانے لگے۔ عام شہرہ یہ تھا کہ مہاراجہ صاحب کپورتھلہ نے جو رواداری کے ساتھ حکومت کرنے کے معاملہ میں اچھی شہرت کے مالک تھے، حکم دے رکھا ہے کہ ریاست کو ہر قیمت پر بدامنی سے محفوظ رکھا جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی

نواحی اقطاع کے باخبر لوگ کہہ رہے تھے کہ مہاراجہ کا حکم اور ان کی نیت خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، ریاست کے ٹکا صاحب (ولی عہد) اور دوسرے چھوٹے بڑے اہلکار اکالیوں کی سازش میں شریک ہیں اور ٹکا صاحب (ولی عہد) نے اکالیوں کی ایک بھاری جمعیت باغ میں جمع کر رکھی ہے۔ جس سے وہ اپنے وقت پر کام لے گا۔

۱۵ر اگست سے لے کر ستمبر کے آغاز تک ریاست کپورتھلہ میں امن رہا۔ بلکہ اردگرد کے پناہ گزین بھی ریاستی علاقہ میں جمع ہوتے رہے۔ آغاز ستمبر میں سکھوں کے جتھوں نے تباہ کاری کا پروگرام شروع کیا اور مسلمانوں کو گھروں سے بے دخل کر کے قافلوں کی شکل میں نکالنے کی مہم شروع کر دی گئی۔

۱۰ستمبر کو کپورتھلہ کے دس ہزار خانماں برباد مسلمانوں کو ایک اسپیشل ٹرین میں سوار کرایا گیا۔ یہ ٹرین جو چھیاسٹھ کھلے چھکڑوں پر مشتمل تھی، دوپہر کے وقت کپورتھلہ سے جالندھر کی طرف روانہ ہوئی۔ پانچویں میل پر کھوجے والی اسٹیشن کے قریب اس کا انجن اور تین چھکڑے پٹڑی سے اُتر گئے اور ٹرین وہیں رک گئی۔ سکھوں کے ایک جم غفیر نے ٹرین پر حملہ کر دیا۔ بیس بائیس گھنٹے قتل و غارت کا سلسلہ جاری رہا۔ عورتوں اور بچوں کی چیخ پکار سے کہرام مچ گیا۔ بہت سے لوگ ٹرین سے اُتر کر بھاگ گئے۔ ڈوگرا ملٹری حملہ آوروں کو روکنے اور پیچھے ہٹانے سے عمداً ناکام رہی۔ اس مقام پر کوئی پانچ سو افراد شہید کر دیئے گئے۔ جو لوگ گاڑی سے اُتر گئے تھے وہ ایک ایک کر کے بحال تباہ جالندھر کی بستی بابا خیل میں پہنچے جہاں ابھی چند گھر مسلمان گارد کی حفاظت میں بیٹھے تھے۔

دوسرے دن دوپہر کے تین بجے جالندھر سے ایک خالی ٹرین آئی۔ مسافروں کو اس پر سوار کرایا گیا۔ اس ٹرین نے ۳۵ منٹ میں ایک میل کا سفر طے کیا اور پٹڑی سے لڑھک گئی۔ یہاں پر حملہ ہوا، اور سکھ مسلمانوں کو قتل کرتے رہے۔

کپورتھلہ کی افواج کا کمانڈر رجے سنگھ بھی موقع پر موجود تھا۔ اس نے بھی حملہ آوروں کو روکنے کی کوشش نہ کی۔ رات کے وقت جالندھر سے کرین آگیا اس نے ٹرین کو اُٹھا کر پٹڑی پر رکھا اور گاڑی دہاں سے رجعت قہقہری کے کھیل کھیلتی ہوئی روانہ ہوئی اور تیسرے دن شام کے چھ بجے جالندھر پہنچی۔

جالندھر میں ٹرین کو پلیٹ فارم کے بجائے یارڈ کی لائین پر لگا دیا گیا۔ رات بھر غنڈے لوٹ کھسوٹ کرتے رہے اور کوئی اڑھائی سو جوان عورتوں کو اُٹھا کر لے گئے۔ جن وارثوں نے انہیں بچانے کی کوششیں کی انہیں قتل کر دیا گیا۔

رات کے وقت یہ لٹا ہوا قافلہ امرتسر کی طرف روانہ ہوا۔ بیاس کے اسٹیشن سے ذرا آگے ٹرین کو روک لیا گیا اور تلاشی لی گئی۔ مسافروں کے پاس جو نقد اور زیور بچ رہا تھا وہ یہاں چھین لیا گیا۔ صبح پانچ بجے ٹرین امرتسر پہنچی۔ اسے یارڈ میں واشنگ لائین پر لگا دیا گیا۔ کپورتھلہ سے روانہ ہونے کے بعد مسافروں کو کسی جگہ پانی نہ ملا تھا اس لئے کوئی پانچ سو افراد پیاس کے مارے مر گئے۔

امرتسر میں گورداسپور سے مہاجرین کی ایک اور اسپیشل بھی پہنچ گئی، جس کے ساتھ ۱۶ پنجاب رجمنٹ کا ایک محافظ دستہ تھا۔ اس دستہ کے بہادر اور فرض شناس جوانوں نے دونوں ٹرینوں کی حفاظت کا کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ یہ جوان پوری مستعدی سے مسافروں کو پانی پلاتے رہے۔ یہاں سے دونوں ٹرینوں کو ایک کر کے لاہور کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ ٹرین لڑکھڑاتی ہوئی کوئی شام کے پانچ بجے لاہور پہنچ گئی۔ اس مختصر سے راستے میں ٹرین پر چار حملے ہوئے۔ کوئی اڑھائی ہزار افراد شہید کر دیے گئے۔ پانچ سو افراد پانی نہ ملنے کے باعث جاں بحق تسلیم ہوئے۔ نقدی تمام کی تمام لوٹ لی گئی اور اڑھائی سو کے قریب نوجوان عورتیں غائب کر لی گئیں۔

سلطان پور ریاست کپورتھلہ کے ایک مہاجر کا بیان ہے کہ پانچ یا چھ ستمبر کو صبح دس بجے تمام مسلمان آفیسر تبدیل کر دیئے گئے اور سہ پہر کو حملہ کر دیا گیا اور مسلمانوں کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا گیا۔ سلطان پور اور گرد و نواح کے دیہات کے لوگ بھلانا میں جمع ہونے لگے۔ بارہ دن اس کیمپ میں قافلوں کی آمد آمد رہی۔ آخر ایک لاکھ کا قافلہ جو بیل گاڑیوں اور پیادہ چلنے والوں پر مشتمل تھا، کپورتھلہ کی طرف چلا گیا۔ اس سے قبل تلونڈی چودھریاں اور سوال کے کیمپوں سے قافلے چلائے جا چکے تھے۔ ہمارا قافلہ جب کپورتھلہ سے آگے نکل کر سبحان پور کی طرف روانہ ہوا تو سبحانپور سے تین چار میل کے فاصلے پر اُسے روک لیا گیا۔ وہاں کپورتھلہ کی افواج کا کمانڈر جے سنگھ کھڑا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر بھیں سیاہ (گھراٹاں والی بھیں) کا پل تھا، جس پر سے گزر کر قافلے کو آگے جانا تھا۔ جے سنگھ نے دو دو ہزار کا قافلہ تھوڑے تھوڑے وقف کے بعد چلایا۔ پل کے پار سکھوں کا جتھا کھڑا تھا جو پل پر سے گزرنے والوں کو قتل کر رہا تھا۔ یہ قصہ تھوڑی دیر تک جاری رہا آخر سبحانپور سے مسلمان ملٹری کی ایک گارڈ موقع پر پہنچ گئی، جس نے باقی قافلے کو قتل ہونے سے بچا لیا۔ قافلہ سُبحان پور اور ہمیرہ ہوتا ہوا دریائے بیاس کو عبور کر کے خلجیاں کے کیمپ میں پہنچا۔ جہاں بھاری سیلاب آ گیا اور بڑی تباہی مچی۔ ڈوگرا ملٹری نے خلجیاں سے واہگہ تک پچیس چھبیس میل ایک ہی دن چلا کر پاکستان پہنچایا۔ راستے میں بہت سی مخلوق خدا جاں بحق تسلیم ہوئی۔

فرید کوٹ:

ریاست فرید کوٹ سے جس کی منظم فوج کے فیروز پور کے ضلع میں تباہی مچائی، بہت کم مسلمان بچ کر نکل سکے۔ ریاستی مسلمانوں کی غالب اکثریت وہیں تہ تیغ کر دی

گئی جو مسلمان نکلے ان کے قافلے کو مکتسر کی راہ سے پاکستان کی طرف آنے کیلئے چلایا گیا اور مکتسر میں سکھوں کے ایک بھاری اجتماع نے ان سب کو قتل کر دیا۔ ریاست فرید کوٹ سے بہت کم مہاجر بچ بچا کر پاکستان پہنچنے میں کامیاب ہو سکے۔

ریاست پٹیالہ:

جناب عبدالعزیز صاحب مسافرؔ تحریر فرماتے ہیں:

میں نے ۱۳/اپریل کو مسلمان ٹوہانہ ضلع حصار کی طرف سے ہز ہائینس مہاراجہ پٹیالہ کی خدمت میں ایک تار بھیجا کہ "ریاست کے مسلمانوں کی حفاظت کیجئے" اس تار کا جواب مجھے ۱۵/اپریل کو ڈاک کے ذریعے بھیجا گیا جو ۲۰ تاریخ کو مجھے ملا جواب حسب ذیل تھا:

"آپ کے تار مورخہ ۱۳/اپریل کے ضمن میں جو آپ نے ہز ہائی نس مہاراج ادھیراج کی خدمت میں بھیجا۔ میں لکھتا ہوں کہ آپ نے جس خطرے کا اظہار کیا ہے اس میں ذرہ بھر صداقت نہیں۔ ہز ہائی نس اور ان کی حکومت ایسے لوگوں سے انتہائی سختی کے ساتھ باز پرس کرنے کا عزمِ صمیم رکھتی ہے جو ریاست پٹیالہ میں کسی قوم کے جان و مال کو خطرہ میں ڈالنے کیلئے کوشاں ہوں گے۔ مَیں اس جواب کے ہمراہ آپ کو ایک مطبوعہ سرکاری اعلان بھیجتا ہوں جس میں ایسے معاملات کے متعلق ہز ہائی نس کی حکومت کی پالیسی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ آپ کا صادق پریت موہن سنگھ برائے وزیر اعظیم"

سرکاری اعلان میں ریاست کی رعایا کو یقین دلایا گیا تھا کہ ریاست کی حکومت ہر قوم اور ہر فرقہ کے لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کیلئے مناسب ذرائع اختیار کر رہی ہے۔ لہٰذا اسے یہ دیکھ کر دُکھ ہوتا ہے کہ بعض لوگ ریاست چھوڑ کر باہر جا رہے ہیں۔ اس سرکاری اعلان میں اپیل کی گئی تھی کہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر جمے بیٹھے رہیں۔

اس جواب کے باوجود اپریل کے آخری عشرہ میں ریاست پٹیالہ کے مسلمان ہجرت کر کے انگریزی علاقہ میں آتے رہے۔ اس لئے ۳؍اپریل کو مسلمانانِ ٹوہانہ کی طرف سے مہاراجہ صاحب کو ایک اور تار بھیجا گیا کہ "برنالہ، مانسہ، جانہ منڈی اور بڈایہ کھڈی کے مسلمان خطرے میں ہیں ان کی حفاظت کیجئے" اس تار کا کوئی جواب موصول نہ ہوا لیکن ریاست کے اندر سے برابر اس مضمون کی اطلاعات موصول ہوتی رہیں کہ ریاست کے تمام چھوٹے بڑے اہلکار، تحصیلدار، ذیلدار، تھانیدار وغیرہ مسلمانوں کو حفاظت کا یقین دلا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ سکھوں کو جو مسلمانوں پر حملے کر رہے ہیں قرار واقعی سزا دی جائے گی۔

حفاظت کے اس تیقن کے خلاف جولائی اور اگست کے مہینوں میں ریاست کے اندر مسلمانوں کے امحاء کی عام مہم شروع کر دی گئی۔ گاؤں کے گاؤں تباہ و برباد کئے جانے لگے۔ قتل عام، لوٹ مار، عورتوں کے بے عزتی، وغیرہ کی جو وارداتیں ہونے لگیں وہ احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔ مطلب یہ کہ مہاراجہ اور اس کے اہلکاروں نے مسلمانوں کو طفل تسلیاں دے دے کر ریاست کے اندر رکھا تا کہ وقت آنے پر سب کا قلع قمع کر دیا جائے

ریاست پٹیالہ کے جمعدار میجر عزت دین جو تباہ و برباد ہو کر نومبر کے وسط میں پاکستان آئے ہیں اور اب راجہ بازار راولپنڈی میں اقامت گزین ہیں۔ اپنے دردانگیز حالات یوں بتاتے ہیں:

میں پٹیالہ فورس میں ۱۹۳۱ء کو بھرتی ہوا۔ دوسری عالمگیر جنگ میں میں اپنی یونٹ کا حوالدار تھا، چار سال سمندر پار رہا۔ جمعداری کا عہدہ وہیں ملا۔ پٹیالہ میں واپس آیا تو حکومت برطانیہ کی سفارش پر جمعدار میجر ہو گیا۔

اختتام جنگ کے بعد میں نے محسوس کیا کہ پٹیالہ کا جابر حکمران اپنی فوج سے

مسلمانوں کی نفری کم کرتا جا رہا ہے۔ چنانچہ معمولی سی باتوں پر مسلم سپاہیوں کو فوجی قسم کی سزا دے کر فارغ کر دیا جاتا۔ اکثر مسلمانوں کو جن کی ملازمت کچھ لمبی ہو گئی تھی، قبل از وقت ریٹائر ہونے پر مجبور کیا جاتا اور انہیں پنشن بھی نہ دی جاتی۔ پٹیالہ کے غافل و بے خبر مسلمان ان باتوں کا احساس ضرور رکھتے تھے لیکن انہیں ”معمولی“ سمجھ کر نظرانداز کر دیتے تھے۔ آخر ۱۹۴۶ء میں راجہ نے خفیہ احکام جاری کیے کہ ہماری فوج سے اسّی فیصدی مسلمان فوراً نکال کر ان کی جگہ سکھ بھرتی کیے جائیں اور بیس فیصدی مسلم سپاہی محض دکھاوے کے طور پر رہنے دیے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دسمبر ۱۹۴۶ء تک پٹیالہ ملٹری میں مسلمانوں کی تعداد اسّی کیا، نوّے فیصدی کم کر دی گئی۔ مسلم افسران فوج کو خاص طور پر نکال دیا گیا اور ان کی جگہ بدمعاش اور غنڈہ سکھوں نے پر کر لی۔ یہ تھی ریاست کے مسلمانوں کو قتل و غارت کرنے کی بنیاد جس کو اگست ۱۹۴۷ء میں جامۂ عمل پہنایا گیا۔

سچ پوچھیے تو ریاست پٹیالہ میں مسلمانوں کا کشت و خون اس وقت ہی جاری ہو گیا تھا جب لاہور اور امرتسر کے سکھوں نے مارچ ۱۹۴۷ء میں فساد شروع کیا تھا۔ اسلامیان پٹیالہ کی ہلاکت و تباہی نہ صرف غنڈوں اور بدمعاشوں کے ذریعے ہوئے بلکہ بڑے بڑے افسروں، وزیروں اور یوں کہیے کہ خود ظالم راجہ کا اس میں بڑا ہاتھ تھا اور انہی کے اشارہ و ایماء پر یہ ستمرانیاں وجود میں لائی جاتی تھیں۔ ان خفیہ ریشہ دوانیوں اور پوشیدہ سازشوں کا بھانڈا ۱۵؍اگست کے روز بد کو پھوٹا جبکہ ہنوز دونوں ڈومینیں تقسیم کے جھولے میں لٹک رہی تھیں۔ اُس روز پٹیالہ کی جابر حکومت کے حکام نے قتل مسلم کا کھلم کھلا اعلان کر دیا، ریاست کے بدکرداروں اور سفاکوں کو کھلی چھٹی دے دی گئی۔ ریاست کے فوجی سپاہیوں نے سفید کپڑے پہن لئے۔ غنڈوں میں عظیم المقدار آتشیں اسلحہ اور دوسرے آلاتِ حرب تقسیم کیے۔ افسروں نے پیٹھ ٹھونکی، وزیروں نے تھپکی دی۔ کوئی

مبالغہ کی بات نہیں، حقیقت ہے کہ خود راجہ نے فتنہ گروں کی ہمت بڑھائی۔ فسادیوں سے مصافحہ کیا۔ لڑاکا ”سورماؤں“ کو انعام کے لالچ دیئے۔ شریروں، لچوں اور غنڈوں کیلئے خزانہ کے منہ کھول دیئے اور خونِ مسلم کی وہ ارزانی دیکھنے میں آئی جو تاریخ نے اب تک کسی بازار میں نہ دیکھی ہوگی۔

پانچ سے پندرہ اگست تک کس قدر مسلمان تہ تیغ ہوئے؟ حالات اس کے صحیح اعداد و شمار بتانے سے عاجز ہیں۔ سرسری اندازہ تیس ہزار کا ہے لیکن ہنوز روزِ اوّل تھا۔ پندرہ اگست کے بعد تو مسلمان گاجر مولی کی طرح کٹنے لگے۔ جدھر نگاہ جاتی تھی، لاشوں کے ڈھیر، اعضاء کے انبار نظر آتے تھے۔ خونِ اسلام نے زمین کو رنگین کر دیا۔ شہروں کی نالیاں لہو بہاتی تھیں۔ بدرروؤں میں خون اُبلتا تھا۔ گڑھے اور کنوئیں نعشوں سے پُر تھے۔ بلا مبالغہ آخر اکتوبر تک ہزاروں مسلمان ہلاک اور تباہ ہو گئے۔ یہ ہے ہنگامۂ پٹیالہ کا سطحی نقشہ!

اب میری کہانی سنئے۔ میں پٹیالہ رجمنٹ میں کوارٹر لے کر اہل و عیال کے ساتھ مقیم تھا۔ بہت سے سپاہی وہاں اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ رہتے تھے۔ ۲۷؍اگست کو ہماری یونٹ پریڈ کر کے آئی تو دیکھتے کیا ہیں، پٹیالہ کا سکھ بریگیڈیر غیر مسلم فوجی حکام کے ساتھ کوئی خفیہ گفتگو کر رہا ہے اور ”خاص ہدایات“ دے کر اشاروں ہی اشاروں میں کچھ سمجھا رہا ہے۔ افسروں کے بدلے ہوئے تیور، ان کا اندازِ تکلم اور ان کی غیر معمولی نقل و حرکت دیکھ کر ہم سمجھ گئے کہ آج خیر معلوم نہیں ہوتی۔ چنانچہ اُسی وہی ہوا جس کا کھٹکا تھا۔ ایک افسر بڑی تیزی سے ہماری یونٹ میں آیا اور مسلم ملازموں کے نوٹ کر کے لے گیا۔ بعد میں معلوم ہوا پٹیالہ کی تمام فوج کے مسلمان ملازمین کی فہرست تیار کی گئی ہے۔ ۲۸؍اگست کی صبح کو حکم ملا کہ سب مسلمان فوجی فلاں جگہ اپنے اسلحہ سمیت جمع ہو جائیں۔ ہم چھاؤنی کے باہر ایک میدان میں اکٹھے ہو گئے۔ وہاں دیکھا کہ بریگیڈیر اپنے غیر

مسلم سٹاف اور دوسرے افسروں کے ساتھ کھڑا ہے۔ دو برین گنیں میدان میں تیار رکھی ہیں اور تین انچ دہانے کی ایک توپ بھی موجود ہے۔

پٹیالہ فوج کے تمام مسلم سپاہی اور افسر قطار میں کھڑے ہو گئے۔ بریگیڈیر اور اس کے ساتھی آگے بڑھے اور کہنے لگے "دیکھو جوانو! ریاست میں فرقہ وارانہ فساد شروع ہے' اس لئے اندیشہ ہے کہ کہیں فوج بھی اس کا اثر نہ قبول کر لے۔ اس خطرہ کے پیش نظر کمانڈر انچیف نے حکم دیا کہ مسلمانوں سے "عارضی طور پر" ہتھیار لے لئے جائیں۔ پس تم اپنی رائفلیں اور گولیاں زمین پر رکھ دو"۔

یہ خوفناک حکم سنتے ہی مسلمان سہم گئے' منہ پر ہوائیاں چھوٹ گئیں۔ رنگ زرد ہو گئے' آنکھوں میں آنسو بھر آئے' ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا' آنکھوں ہی آنکھوں میں رائے لی لیکن ہر چشم زار نے بے کسی و بے بسی کا اظہار کیا۔

"سنا نہیں' کیا حکم ملا تم کو؟...... سکھ میجر کڑک کر بولا

اور اس کڑک کے ساتھ ہی ہم نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے رائفلیں اور گولیاں ان کے سپرد کر دیں اور نہتے ہو کر بیٹھ گئے۔

سکھ افسروں نے اسلحہ اُٹھا کر "اپنے" سپاہیوں کے حوالے کیا جو میگزین میں جمع کر دیا گیا۔

اس من مانی کارروائی کے بعد ہمیں حکم ملا کہ اپنی بارکوں میں چلے جاؤ۔ جونہی ہم نے منہ موڑ کر مارچ کیا ہم پر برین گنوں سے فائرنگ شروع ہو گئی اور آن واحد میں نہتے اور بے بس سپاہی سینکڑوں کی تعداد میں ہلاک ہو گئے۔ جو آدمی بچ کر اپنے کوارٹر میں گیا اس کو اہل و اطفال کے ساتھ وہیں جنت رسید کر دیا گیا۔ مسلمان افسروں اور سپاہیوں کی بیویاں اور لڑکیاں اغواء کر لی گئیں۔ میری بیوی بھی گولی کا شکار ہوئی۔ نوجوان

لڑکی کا اب تک پتہ نہیں چلا۔ تمام بچے کوارٹر ہی میں شہید ہو گئے۔ میں اپنا مال بچہ کٹوا کر مال اسباب لٹا کر بچ گیا۔ زخم ضرور آئے لیکن جھاڑیوں کی پناہ لے کر اپنے اکیس (۲۱) ہمراہیوں کے ساتھ چھپتا چھپاتا پاکستان آ گیا۔ راستے میں ایک ہمراہی نے بتایا کہ ڈیڑھ ہزار مسلمان فوجیوں میں سے صرف دو تین سو بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوئے۔

(مرسلہ: حکیم سید محمود گیلانی)

سید اشرف علی صاحب فاضل جے پوری رقمطراز ہیں:

میں نارنول ریاست پٹیالہ کے حالات لکھتا ہوں۔ ۱۶ ستمبر کو کوئی پچاس ہزار جاٹوں اور رہبروں نے قصبہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ نارنول کے بہادر مسلمانوں نے ۲۴ گھنٹے شدید مقابلہ جاری رکھا حالانکہ حملہ آوروں کی تعداد ان سے تین گنا زیادہ تھی۔ اتنے میں سکھ ملٹری نے ہندوؤں کی خالی دکانوں پر مشین گنیں اور دو انچ دہانے والی توپیں نصب کر لیں۔ مقامی ہندوؤں کو پہلے ہی محفوظ مقامات پر پہنچا دیا گیا تھا۔ اڑتالیس گھنٹہ کے مسلسل فائرنگ کے بعد سارے شہر میں آگ ہی آگ نظر آنے لگی۔ مسلمانوں کی لاشوں کے پشتے لگ گئے۔ ابھی کچھ مسلمان اپنے پختہ مکانوں میں محفوظ بیٹھے تھے۔ ۲۰ ستمبر کو ہندو اور سکھ ایک گائے لائے اور اس کی دُم کو منہ میں لے لے کر قسمیں کھانے لگے کہ مسلمان ڈریں نہیں بلکہ جے ہند، بھارت ماتا کی جے وغیرہ کے نعرے لگاتے ہوئے نکل آئیں اور مندر میں جمع ہو جائیں، جہاں انہیں کھانا کھلایا جائے گا۔ بھوکے پیاسے مسلمان ان کے چکمہ میں آ گئے۔ آٹھ ہزار کے قریب مرد، عورت اور بچے مندر کے قریب پہنچے تو سکھوں، اہیروں اور جاٹوں نے ان پر حملہ کر دیا اور انہیں قتل کرنے لگے۔ کچھ مسلمانوں نے سمٹ کر مقابلہ کیا اور کچھ بھاگ نکلے۔ زخمی عورتوں، بچوں اور مردوں کی ایک خاصی تعداد راتوں رات ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئی، جہاں مسٹر

ویلڈر سپرنٹنڈنٹ پولیس اور مسٹر ایس پی سنگھا ریلوے لائن کی حفاظت کیلئے پولیس اور فوج کی کچھ جمعیت لے کر آئے ہوئے تھے۔ سکھوں نے اسٹیشن کی حدود میں بھی مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس پر سنگھا صاحب نے بلوائیوں پر فیر کرائے۔ اس جھڑپ میں ریاست پٹیالہ کا ایک سکھ فوجی افسر مارا گیا۔ شام کو پٹیالہ فوج کے افسر نے مسٹر ویلڈر اور مسٹر سنگھا کو چیلنج دے دیا کہ وہ نارنول کے اسٹیشن سے فوج اور پولیس ہٹا لیں ورنہ ہم حملہ کر دیں گے۔ ایک ہندوستان افسر نے صلح کرا دی اور اس طرح مسٹر ویلڈر اور ایس پی سنگھا صاحب نارنول کے چار پانچ ہزار مسلمانوں کو جن میں ایک بڑی تعداد زخمیوں کی بھی تھی؛ بچا کر لانے میں کامیاب ہو گئے۔ مجھے ایک ہندو افسر نے بتایا کہ نارنول میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد کسی حالت میں بھی پچیس ہزار سے کم نہ تھی۔ حضرت شہید ترکمان ؒ کے مزار والے حوض میں ایک ہزار سے زیادہ عورتوں نے ڈوب کر عصمت بچائی۔ مزار کی حفاظت کرنے والے پانچ ہزار مسلمانوں میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا۔ اس تباہی کے بعد سکھوں نے بچی کھچی عورتوں اور لڑکیوں کو برہنہ کر کے جلوس نکالا اور ان سب کو مال غنیمت کے طور پر بانٹ لیا۔

نیمرانہ کے راجپوت ٹھاکر صاحب جو اپنی جیپ کار میں جاٹوں کے گاؤں سے گزر رہے تھے۔ ۱۶ مسلمان لڑکیاں جاٹوں سے چھڑا لائے' جو انہوں نے جے پور کے مسلمانوں کے حوالے کر دیں۔

نارنول کے قتل عام سے فارغ ہو کر جاٹوں اور سکھوں کا گروہ بھلیرہ جنکشن' اجمیر اور باندی کوئی کی طرف متوجہ ہوا۔ نیز ریل گاڑیوں میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا گیا۔ ۲۰ را کتوبر کو اجمیر شریف سے پچیس میل کے فاصلے پر کھروے اسٹیشن کے قریب پاکستان کی طرف جانے والے پناہ گزینوں کی ایک ٹرین پر حملہ ہوا۔ پندرہ سو میں

سے ایک ہزار مسلمان شہید کر دیئے گئے اور تین سو سے زائد زخمی ہوئے۔ کھروے کے زخمی مسلمان اپنے تازہ زخم اور خون آلود کپڑے لے کر حیدر آباد سندھ پہنچے تو مہاجرین میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ انہوں نے اپنے مظلوم شہیدوں کا بدلہ لینے کیلئے ایک گاڑی کو روکنا چاہا تو ہمارے پاکستان کی فوج آڑے آ گئی۔ مہاجرین پر فیر کر کے ایک مسلمان کو ہلاک کر دو کو زخمی کر دیا۔ اور سندھی ہندوؤں کو بچا لیا۔

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم ..... کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

حافظ محمد اسحاق خاں صاحب لکھتے ہیں:

۲۷راگست کو اطراف و جوانب میں یہ خبر گشت کرتی ہوئی سنائی دی کہ مہندر گڈھ پر ۳ ستمبر کو حملہ کیا جائے گا۔ بلکہ گرد و نواح کے دیہات میں دُور دُور تک اس مضمون کے اشتہار تقسیم کئے گئے کہ جو ہندو بچہ اس حملہ میں شریک نہ ہو وہ گئو کھائے۔ مہندر گڈھ کے مسلمانوں کو یکم ستمبر ہی سے محصور کر لیا گیا۔ جو مسلمان شہر سے باہر نکلتا وہ ختم کر دیا جاتا تھا۔ ریل گاڑی کا سفر بھی محفوظ نہ تھا کیونکہ راستے میں تمام مسلمان مسافر موت کے گھاٹ اُتار دیئے جاتے تھے۔ شہر میں کرفیو لگا کر مسلمانوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا گیا' تاہم مسلمانوں نے محلہ بیوپاریاں اور محلہ رائیوراں میں جمع ہو کر دو جگہ اپنی پناہ گاہیں بنا لیں اور حفاظتی تدابیر اختیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ۳ ستمبر کو غیر مسلم بلوائیوں کا ایک جم غفیر قصبہ کے اردگرد جمع ہو گیا اور ریاست کی ملٹری نے موٹروں اور جیپ کاروں میں بیٹھ کر قصبہ کے چاروں طرف چکر لگایا۔ اس روز حملے کا شدید خطرہ تھا لیکن حملہ نہ ہوا۔ ۶ ستمبر کو سنا کہ ضلع نارنول کے مسلمانوں پر حملہ شروع ہو گیا ہے۔ اس حملہ میں جے پور' بیکانیر' نابھہ' جیند' الور' بھرتپور اور ضلع نارنول کے اسی نوے ہزار بلوائی شریک تھے اور ریاست پٹیالہ کی ملٹری بھی ان کا ساتھ دے رہی تھی۔ شہر نارنول میں تین

دن تک مسلمانوں کا قتل عام جاری رہا۔ حملہ آوروں نے مشین گنیں، برین گنیں اور توپیں استعمال کیں اور شہر کے چاروں طرف آگ لگا دی۔ شہر نارنول میں پندرہ ہزار مسلمان آباد تھے۔ دس ہزار باہر سے آکر اس شہر میں جمع ہو گئے تھے۔ کل پچیس ہزار مسلمانوں میں سے صرف تین چار ہزار اپنی جانیں بچا کر بھاگ سکے۔ ہزاروں جوان عورتیں اور لڑکیاں حملہ آوروں کے قبضہ میں چلی گئیں۔ ریاست کی ملٹری نے ان عورتوں کو مادرزاد برہنہ کر کے جلوس نکالا۔ ۹ ستمبر تک شہر نارنول کا قصہ تمام کر دیا گیا اور ازاں بعد گردونواح کے مسلم دیہات کو جلا گیا۔

۱۱ستمبر کو تھانیدار مہندر سنگھ نے شہر مندر گڈھ کی شمالی جائے پناہ یعنی محلہ بیوپاریاں پر فائرنگ شروع کرا دیا۔ اس کے بعد بلوائیوں اور ریاست کی باقاعدہ فوج کے جوانوں نے محلہ پر یورش کر دی اور مسلمانوں کو بے دریغ قتل کرنے لگے۔ مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو بلا امتیاز موت کے گھاٹ اُتارا گیا۔ شام کو فائرنگ بند ہوئی تو محلہ بیوپاریاں کے بچے کھچے مسلمانوں میں سے چار سو کا ایک قافلہ جمعدار نصیر احمد خان جاگیردار کے ہمراہ موضع یوانہ کی طرف چل دیا۔ باقیماندہ دو تین سو مسلمان محلہ راٹھوراں میں چلے گئے، جہاں پہلے بھی بہت سے مسلمان جمع تھے۔ جو لوگ موضع یوانہ کی طرف گئے تھے انہیں بلوائیوں اور فوجیوں نے راستے میں گھیر لیا اور ان میں سے تین سو آدمی ختم کر دیئے۔ اور موضع مالٹری کو جہاں یہ واردات ہوئی آگ لگا دی۔

۱۲اور ۱۳ستمبر کو ایک جنگی طیارے نے محلہ راٹھوراں کے پناہ گزینوں پر گولیاں برسائیں۔ لوگ اپنی اپنی پناہ گاہوں میں چھپے بیٹھے رہے۔ شام کو ملٹری کے دو ٹرک آئے اور محلہ کے دو سر کردہ بزرگوار اشخاص کو بلا کر کہنے لگے کہ لوگ آرام سے رات گزاریں، ملٹری کے دو سو جوان حفاظت کیلئے متعین کر دیئے گئے ہیں۔ اس یقین دلانے کے باوجود

رات بھر گولیاں چلتی رہیں۔ اگلے دن صبح کو حکام نے دو مسلمان لڑکیوں کو محلہ راٹھوراں میں بھیجا جو محلہ بیوپاریاں سے انہوں نے پکڑی تھیں۔ ان لڑکیوں نے کہا کہ ملٹری کے آفیسر مسلمانوں کے لیڈروں کو بلا رہے ہیں۔ لیڈر گئے' ان سے کہا گیا کہ مسلمان کسی قسم کا سامان لئے بغیر جس حال میں ہیں اُسی حال میں ایک گھنٹہ کے اندر اندر شہر خالی کر دیں' ہم اُن سب کو ریلوے اسٹیشن تک بحفاظت پہنچا کر پاکستان کی طرف بھیج دیں گے۔ غرض مسلمانوں کو نہایت گندے راستے سے اسٹیشن کی طرف چلایا نہیں بلکہ ہانکا گیا۔ اوپر سے بارش ہو رہی تھی۔ راستہ کیچڑ کے مارے ولدل بنا ہوا تھا۔ شام کے پانچ بجے سے رات کے بارہ بجے تک سب لوگ اسٹیشن کے باہر بارش میں بھیگتے پڑے رہے۔ گاڑی آئی تو اس میں آدھے آدمی سوار کرائے جا سکے۔ یہ گاڑی جب مہندر گڈھ سے تیسرے اسٹیشن ستنالی کے سگنل پر پہنچی تو یک دم گاڑی رُک گئی۔ صدر مسلم لیگ رسالدار محمد حنیف کو آواز دی گئی۔ وہ گاڑی سے اُترے تو انہیں گولی ماردی گئی۔ ازاں بعد مسلمانوں پر اندھا دُھند گولیاں چلنے لگیں کیونکہ وہاں ہزاروں بلوائی اور پولیس اور فوج جمع تھی۔ تین گھنٹے تک مسلمانوں کے قتل کا سلسلہ جاری رہا اور بلوائی سامان لوٹتے رہے۔ جب گاڑی لوہارو کے اسٹیشن پر پہنچی تو معلوم ہوا کہ دو ہزار میں سے صرف تین سو کے قریب مسلمان بچے ہیں۔ اور ۷۵ زخمی ہیں۔ بہت سی عورتوں کو گاڑی سے اُتار لیا گیا تھا۔ ۱۴ستمبر کو شام کے سات بجے یہ گاڑی جے پور پہنچی۔

مہندر گڈھ کے جو مسلمان پناہ گزین نصف کے قریب باقی رہ گئے تھے' ان کو تیسرے دن یعنی ۱۵رستمبر کو گاڑی پر سوار کرایا گیا۔ اس قافلے پر بھی حملہ ہوا۔ پہلے لیفٹیننٹ احمد علی خان کو گولی مار کر شہید کیا گیا اور پھر قتل عام شروع کر دیا گیا۔ اس گاڑی میں سے صرف ایک مرد اور چار عورتیں بھاگ کر جان بچانے میں کامیاب ہو سکیں۔

مہندر گڈھ کے اردگرد بہت سے دیہات تباہ کر دیئے گئے اور مسلمان ختم کر دیئے گئے۔ کئی دیہات کے مسلمانوں نے مذہب تبدیل کر کے جان بچائی۔ ہزاروں عورتیں ابھی تک ظالموں کے پنجے میں پھنسی ہوئی ہیں۔

لیفٹیننٹ ولی محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

موضع کمبالی تھانہ نندپور کلوڑ تحصیل سرہند ریاست پٹیالہ کا ایک گاؤں ہے، جس میں ۹ سو کے قریب مسلمان آباد تھے۔ اس گاؤں میں اردگرد کے دیہات سے بھی مسلمان آ گئے تھے اور کل تعداد ڈیڑھ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ یہ سب لوگ ۴ ستمبر کو گاؤں چھوڑ کر کرالی کیمپ میں جانے کیلئے تیار ہو گئے اور قافلہ چل پڑا۔ اتنے میں ریاستی فوج کا ایک دستہ آیا، جس نے حکم دیا کہ سب لوگ گاؤں کو واپس چلے جائیں۔ چنانچہ سب واپس چلے گئے۔ تین روز گزرنے پر مورخہ ۸ ستمبر کو پانچ ہزار سکھوں کے ایک مسلح جتھے نے کمبال کے قریب باڑہ نامی ایک گاؤں پر حملہ کر دیا۔ ایک گھنٹہ تک لڑائی ہوتی رہی۔ اس پر سکھوں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم گھروں سے نکل آؤ ہم تمہیں کیمپ میں حفاظت سے پہنچا دیں گے۔ جب سب مسلمان گاؤں سے نکل کر ایک کھلے میدان میں جمع ہو تو سکھوں نے جن کے ساتھ ریاست کی فوج اور پولیس بھی تھی انہیں گھیر لیا اور قتل عا شروع کر دیا۔ چودہ سو مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ ایک سو جوان عورتوں کو زندہ گرفتار کر گیا۔ ان کے کپڑے اُتروا کر انہیں برہنہ کیا گیا۔ ان کے سر کے بال کھول دیئے گئے ایک دن ان کو بالکل برہنہ رکھا گیا اور سکھ وحشیانہ طریق سے ان سب کی عصمت ری کرتے رہے، تا آنکہ وہ بیہوش ہو گئیں۔ شام کو سکھ انہیں اپنے ساتھ لے گئے۔ بہت عورتیں وحشیانہ سلوک کی وجہ سے مر گئیں۔ اس گاؤں کے چھ سات آدمی جو باہر ملاز پر تھے، بچ سکے ہیں۔ یہ دردناک قصہ ایک عورت نے سنایا ہے جو پندرہ دن

بھاگ کر سرہند شریف کے روضہ پر پہنچ سکی۔

قاضی محمد صدیق قریشی صاحب رقمطراز ہیں:

میں سرہند شریف کے قریب ایک گاؤں باڑہ کا باشندہ ہوں۔ پندرہ اگست کے بعد جب ضلع لدھیانہ کے دیہات میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہوا تو ریاست کے حکام ہمیں یقین دلاتے رہے کہ ریاست میں ہر طرح کا امن قائم رکھا جائے گا۔ ۲۴ راگست کو علاقہ کھنہ راہوں ماہوں کے دو ہزار مسلمان پناہ گزینوں کا ایک قافلہ موضع باڑہ میں داخل ہوا۔ یہ قافلہ بڑی تباہ حالت میں تھا۔ اس میں بہت سے لوگ زخمی تھے۔ سب کے سب بے سروسامان تھے۔ تین روز کی مسلسل بارش میں اُفتاں وخیزاں چل کر آئے تھے۔ باڑہ کی مسلم آبادی نے ان کی خبر گیری کی لیکن ناظم صاحب ضلع بسی پٹھاناں سنت پرتاپ سنگھ نے حکم دیا کہ ان پناہ گزینوں کو فوراً ریاست کی حدود سے نکال دو۔ پولیس نے آ کر انہیں باڑہ سے ہانک دیا۔ باڑہ سے دو میل کے فاصلے پر ان پر حملہ کر دیا گیا اور اکثر لوگ شہید کر دیئے گئے۔ کچھ آدمی بھاگ کر روضہ شریف کے کیمپ میں اور کچھ انبالہ کے کیمپ میں پہنچے۔

عورتوں اور بچوں کو سکھ زبردستی پکڑ کر لے گئے۔ ۴ ستمبر کو ایک ٹرین روپڑ سے لائی ئی جس میں چار ہزار کے قریب مسلمان پناہ گزین تھے۔ رات کے نو بجے اس ٹرین پر لہ کر دیا گیا اور تمام مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ عورتوں کو برہنہ کر کے ان کی عصمت ی کی گئی۔ حالت یکسر ناقابل بیان ہیں۔ باڑ کے مسلمان کچھ زخمی عورتوں، بچوں اور وں کو اُٹھا لائے اور ان کی مرہم پٹی کر کے انہیں روضہ شریف کے کیمپ میں پہنچایا۔

اس کے بعد ریلوے اسٹیشن پر ہر روز پندرہ بیس کی تعداد میں مسلمان شہید نے لگے اور ریلوے اسٹیشن کا راستہ بند ہو گیا۔ ناظم صاحب ضلع بستی نے پھر یقین

ولایا کہ یہ واقعات ریلوے کی حدود میں ہو رہے ہیں۔ ریاستی علاقہ میں امن بحال رکھا جائے گا۔ ۸ ستمبر کو میرے ایک ہندو دوست نے کہا کہ حالات بہت مخدوش نظر آ رہے ہیں اس لئے تم اپنے بال بچوں کو لے کر روضہ شریف کے کیمپ میں چلے جاؤ۔ راستے پُرخطر تھے تاہم میرے ایک جاٹ دوست نے اپنی لاری پر مجھے اور بچوں کو روضہ شریف پہنچا دیا۔ باقی خاندان اور میرے والد گھر ہی پر رہے۔

۱۱ ستمبر کو صبح آٹھ بجے سنت پرتاپ سنگھ ناظم ضلع بسی پولیس کے چند آدمیوں کے ہمراہ باڑہ پہنچا اور کہا کہ حالات خراب ہو رہے ہیں اس لئے باڑہ اور ہمایوں پور کے مسلمان گاؤں خالی کر دیں۔ ان سب کو بحفاظت سرہند شریف کے کیمپ میں پہنچا دیا جائے گا۔ چنانچہ پولیس اور فوج نے تمام مسلمانوں کو باہر نکال کر ریلوے روڈ اور گرانڈ ٹرنک روڈ کے درمیان کھڑا کر لیا' جس کے پاس نیزہ' لاٹھی یا تلوار کسی قسم کا ہتھیار تھا' سب چھین لیا اور چالیس ہزار روپیہ نقد مانگا۔ جب روپیہ ہتھیا لیا تو اس نہتے مجمع پر فیر شروع کر دیئے۔

میرے والد قاضی مظہر الحسنین قریشی نے یہ حال دیکھ کر مسلمانوں سے کہا کہ تیمم کر کے سجدے میں پڑ جائیں۔ والد صاحب نے مختصر سی تقریر میں مسلمانوں کو اس بات کی بھی تلقین کی کہ کوئی شخص جان کے خوف سے مذہب تبدیل نہ کرے' سب کلمہ حق پر جانیں قربان کر دیں۔ چنانچہ اکثر مسلمان تیمم کر کے سجدہ ریز ہو گئے۔ سکھوں نے جن کی تعداد دس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ انہیں قتل کر دیا اور عورتوں کو اُٹھا کر لے گئے۔ کوئی ڈھائی ہزار مسلمان جو خدا کی بارگاہ میں سربسجود تھے' شہید کر دیئے گئے۔ عورتوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا' وہ میں تحریر نہیں کر سکتا۔ میرے والد بھی اسی حال میں جاں بحق تسلیم ہوئے۔

دو ماہ کے قریب روضہ شریف کے کیمپ میں بسر کرنے کے بعد مورخہ ۷ نومبر کو

ایک اسپیشل ٹرین پر سوار ہو کر پاکستان پہنچے۔ راستے میں پندرہ بیس آدمی چھت پر سے گر کر ہلاک ہوئے۔ دو آدمی فیروں سے شہید ہوئے۔ ہمارے خاندان کے افراد کی کل تعداد دو سو اسّی تھی، جن میں سے دو سو تیس ارکان وہیں شہید ہو گئے۔ باقیماندہ پچاس پاکستان میں کس مپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

مؤلف: متذکرہ صدر بیانات ان قیامت خیز مظالم کی صرف چند جھلکیں دکھا رہے ہیں جو ریاست پٹیالہ کے مسلمانوں پر ڈھائے گئے۔ اطلاعات ملی ہیں کہ ریاست کے تمام اقطاع میں مسلمانوں کو محو کر دینے کی مہم انتہائی شدت کے ساتھ اختیار کی گئی۔ برہنہ عورتوں کے جلوس نکالے گئے اور انہیں سربازار کھڑا کر کے فروخت کیا گیا۔ مسلمان بچوں کو برہنہ کر کے دیکھا گیا۔ جن کے ختنے نہیں ہوئے تھے انہیں سکھ بنانے کیلئے زندہ رکھ لیا گیا۔ یہ سب کچھ مہاراجہ پٹیالہ کے حکم سے کیا گیا۔ ریاست کے ملکی اور فوجی حکام نے اپنے حکمران کے فرمان کو ہمہ گیر وسعت کے ساتھ جامہ عمل پہنایا۔

ریاست جیند:

قصبہ کلیانہ ریاست جیند سے آنے والے چند مہاجرین نے ایک مشترکہ بیان ارسال کیا۔ مہاجرین کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

سربلند خاں نمبردار، عبدالغفار خاں، ریاض احمد ملک، عبدالرشید بیگ، محمد حنیف بیگ، محمد امین خان، روشن علی، عبدالشکور، فیض محمد، محمد زکریا، قاضی فضل الرحمٰن، رفیق شروانی۔

بیان میں لکھا ہے:

کلیانہ ایک پرانا اور تاریخی قصبہ ہے جو ریاست جیند کے ضلع ڈالمیہ دادری کے شمال مغرب میں پانچ میل کے فاصلے پر ایک پہاڑ کی تلہٹی میں واقع ہے۔ ضلع دادری ایک

سو چوراسی دیہات پر مشتمل ہے، جس کی آبادی بیشتر ہندو جاٹوں اور اہیروں کی ہے۔ آٹھ دس دیہات ایسے تھے، جن میں مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کی بہ نسبت زیادہ تھی۔ کلیانہ کی چار ہزار آبادی میں سے تین ہزار مسلمان تھے اور دادری شہر میں چھ ہزار مسلمان آباد تھے۔

ریاست جیند تین اضلاع پر مشتمل ہے۔

(۱) سنگرور کا ضلع، جس کے ایک سو ساٹھ دیہات میں ۲۵ ہزار مسلمان آباد تھے۔

(۲) ضلع جیند جس کے ۹۶ دیہات میں بیس ہزار مسلمان آباد تھے۔

(۳) ڈالمیہ دادری جس کے ۸۴ دیہات میں ۱۵ ہزار مسلمان آباد تھے۔

ریاست میں غالب اکثریت سکھوں کی تھی۔ اس ریاست کی حدیں نابھہ اور پٹیالہ کی ریاستوں سے ملتی ہیں۔

ریاست جیند میں ۱۵؍اگست یعنی ہندوستان کے یوم آزادی ہی سے مسلمان خطرات محسوس کرنے لگے تھے۔ ۱۸؍اگست کو دادری میں عید کی نماز پولیس اور فوج کی حفاظت میں پڑھی گئی، جس کا انتظام مرزا مشتاق بیگ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے کیا تھا۔ کلیانہ میں ۱۸، ۱۹؍اگست کو عید کی دو نمازیں پڑھی گئیں۔

مسلمان نماز پڑھنے والوں کی حفاظت کرتے رہے۔ اس طرح عید کا دن تو خیریت سے گزر گیا، جس کے متعلق سخت خطرہ لاحق ہو رہا تھا۔ ۲۰؍اگست کو مسٹر شانتی سروپ ناظم ضلعداری دادری کی موجودگی میں دادری سے چھ میل کے فاصلے پر مندولہ گاؤں میں جاٹوں کا ایک جلسہ منعقد ہوا۔ ۲۸؍اگست کو جاٹوں نے ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو کر موضع کپوری پر حملہ کر کے مکانوں کو آگ لگا دی۔ مرزا مشتاق بیگ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے موقع پر جا کر گیارہ جاٹ گرفتار کر لئے لیکن اگلے ہی دن ناظم ضلع نے ان سے تحریری معافی نامہ لے کر انہیں رہا کر دیا۔

دادری اور ضلع دادری کے دیگر قصبات کے مسلمانوں پر ہراس کی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ دادری کے لوگ راجکمار کی خدمت میں تین دفعہ حاضر ہوئے، راجکمار نے انہیں میٹھے الفاظ میں تسلی دی۔

یکم ستمبر کو دن نکلنے سے قبل ہندو جاٹوں اور سکھوں کے ایک گروہ نے جو کلہاڑیوں، گنڈاسوں اور تلواروں وغیرہ سے مسلح تھے، دادری پر حملہ کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر مرزا مشتاق بیگ سپرنٹنڈنٹ پولیس نے مسلمانوں کو اپنی حفاظت کیلئے مقابلے پر اُبھارا۔ تین دن لڑائی ہوتی رہی۔ مرزا صاحب کے پاس گولیاں ختم ہو گئیں اور اپنی کوٹھی سے بھاگ گئے، مسلمان چوتھے دن بارہ بجے تک مقابلہ کرتے رہے۔ آخر مورچے ٹوٹ گئے اور حملہ آوروں نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ ضلعداری کی چھ ہزار مسلم آبادی ایک گھنٹے میں نیست و نابود کر دی گئی۔ صرف ایک ہزار مسلمان بھاگ کر جان بچانے میں کامیاب ہو سکے۔ ان پر بھی راستے میں حملے ہوئے اور وہ قافلہ بہو جھولری واقعہ ریاست دوجانہ تک پہنچتے پہنچتے صرف ۳۵۶ نفوس کا رہ گیا۔ دادری کے حملہ میں راجکمار حملہ آوروں کی کمان کر رہا تھا، جو عورتیں زندہ رہیں انہیں سکھ اور جاٹ لے گئے۔

اب کلیانہ کا حال سنئے۔ کلیانہ کو سکھوں اور جاٹوں نے ۲۰/اگست کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور دو روز محاصرہ جاری رکھنے کے بعد بے لڑے واپس چلے گئے۔ ۸ ستمبر کو پھر حملہ کرنے کی نیت سے جمع ہوئے لیکن حملے کا حوصلہ نہ پڑا۔ ۲۷ ستمبر کو ناظم ضلع قصبہ کلیانہ میں آیا۔ اس نے کہا کہ تم سب کو پاکستان بھیجا جائے گا۔ جو لوگ پاکستان جانا چاہتے ہیں وہ کل صبح تیار ہو جائیں، میں کل خود آ کر انہیں لے جاؤں گا، جو نہ جائیں گے ان کی حفاظت کی قطعاً کوئی ذمہ داری نہ ہو گی۔ ۲۸ ستمبر کو ناظم ضلع ملٹری اسکورٹ لے کر آ گیا اور مسلمانوں کو پاپیادہ چلنے پر مجبور کیا۔ قافلہ بڑھتا دیکھا تو ناظم نے کہا کہ باقی

مسلمانوں کا قافلہ کل چلایا جائے گا۔ یہ قافلہ وادری کے قریب پہنچا تو دوسر کردہ مسلمانوں مرزا اسلم بیگ اور مرزا باسط بیگ کو قافلے سے نکال کر قتل کر دیا۔ دوسرے دن پانچ سو مسلمانوں کا دوسرا قافلہ کلیانہ سے چلا اور ابھی قصبہ سے نکلا ہی تھا کہ سکھوں اور جاٹوں نے اس پر حملہ کر کے سب کو تہ تیغ کر دیا۔ صرف چند مسلمان جو ناظم ضلع سے اثر و رسوخ رکھتے تھے، زندہ و سلامت بچ کر کیمپ میں پہنچے۔ یہاں ناظم ضلع نے کلیانہ کے مسلمانوں سے کہا کہ جو نقدی اور زیور تم اپنے گھروں میں دفن کر آئے ہو وہ نکال لاؤ۔ اس کا نصف سرکاری خزانہ میں جمع کر لیا جائے گا۔ نصف تمہیں دے دیا جائے گا۔ بہت سے مسلمان اس دھوکے میں آ گئے اور زیور وغیرہ نکال لائے، جو سب کا سب خزانہ سرکار میں ڈال لیا گیا۔ ۲۸ ستمبر سے ۸ نومبر تک قصبہ کلیانہ کے مسلمانوں اور وادری کے ۹۳۹ بچے کھچے مسلمانوں کو کیمپ کے مصائب جھیلنے پڑے۔ ہندو ملٹری بہت سختی کرتی تھی۔ راشن بہت گراں ملتا تھا، آٹے میں شیشہ پیس کر کھلایا جاتا تھا جس کی وجہ سے لوگ بیمار ہو کر مرنے لگے۔ ۱۱ نومبر کو یہ مہاجرین اسپیشل ٹرین میں سوار ہو کر کراچی پہنچے۔

قصبہ کلیانہ سے تین میل جانب مغرب جھوجھو کلاں گاؤں واقع ہے، جہاں کوئی پندرہ گھر مسلمانوں کے تھے۔ ان مسلمانوں کو جاٹوں نے گھروں سے نکال کر ایک لائن میں کھڑا کر لیا اور پھر سب کو قتل کر دیا۔ مندولہ کے مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کر کے مشکیں باندھ دی گئیں، پھر سب کو نذر آتش کر دیا گیا۔ چرخی کے تین سو مسلمان ہندو بنا لئے گئے۔ سنگرور کے مسلمان مرزا خورشید بیگ کی مساعی سے بچ نکلے لیکن دو ماہ کیمپ میں پڑے رہے۔ ضلع جیند کے مسلمانوں پر وادری سے بھی زیادہ مظالم اُٹھائے گئے۔ صرف چند اشخاص بچ کر نکل سکے، باقی سب قتل کر دیئے گئے یا ہندو بنا لئے گئے۔ ضلع جیند میں کوئی کیمپ نہیں بنا تھا۔

نابھہ' الور اور بھرت پور:

ایک صاحب جو اپنا نام لکھنا بھول گئے' تحریر فرماتے ہیں:

موضع شیر گڈھ ریاست نابھہ و موضع چھناں ریاست نابھہ اور موضع کنجاری ریاست پٹیالہ کے چار ہزار مسلمانوں کا ایک قافلہ ۴ ستمبر کو چلا۔ یہ مسلمان تمام کے تمام ہتھیار بند تھے۔ راستے میں سکھوں کے جتھے نے اس قافلے پر حملے کئے لیکن سب حملے مسترد کر دیئے گئے۔ یہ قافلہ مالیر کوٹلہ کی طرف جا رہا تھا' جس کی حد بیس میل پر واقع تھی۔ یہ قافلہ جب مالیر کوٹلہ کی حد سے دو میل دور نہر سرہند کے پل پر پہنچا تو وہاں بیس ہزار سکھوں کا ایک جم غفیر جمع تھا۔ ملٹری کا ایک دستہ بھی ان کی امداد کو آیا ہوا تھا۔ ملٹری نے قافلے کو پل پر سے روکنے کی کوشش کی اور لڑائی شروع ہو گئی۔ مسلمانوں نے ملٹری کے پانچ آدمی گرا کر پل کا راستہ کھولا لیکن سکھوں کے اجتماع نے گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ مسلمان پلٹے تو ان کا قتل عام شروع کر دیا گیا۔ وہاں پر دو ہزار مسلمان شہید ہو گئے۔ کوئی جوان مرد یا جوان عورت نہ بچی۔ دو ہزار بوڑھے مرد' بوڑھی عورتیں اور بچے مالیر کوٹلہ کی حدود میں داخل ہو سکے۔

موضع آوان ریاست نابھہ کی مظلوم مہاجرہ نذیر فاطمہ نے اپنی ہوئی بیتی یوں سنائی کہ "اگست کی پندرہ کو جب حکومت تبدیل ہوئی تو اُسی روز نابھہ کے سکھوں نے مسلمانوں کو للکار کر کہا کہ اب کوئی مسلمان ہماری ریاست سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔ مسلمانوں کو خطرہ تو تھا ہی' اور وہ ہر وقت مغموم و فکر مند رہتے تھے' چنانچہ ۲ ستمبر کو ہمارے امتحان و آزمائش کا دن آ پہنچا اور اُس روز ہم نے جو کچھ دیکھا' اُمید ہے وہ حشر زا منظر چشم فلک نے بھی کبھی نہ دیکھا ہو گا!

اس تاریخ کو صبح آٹھ بجے میرا بھائی نذیر احمد بدحواسی کے عالم میں چیختا چلاتا گھر آیا۔ ایسا دکھائی دیتا تھا' آج وہ عقل و ہوش کھو چکا ہے۔ دروازے سے گزرتے ہی اس نے ایک چیخ ماری اور یہ کہنا شروع کر دیا "آ گئے آ گئے آ گئے" ہم نے بہتیرا پوچھا' کون آ گئے؟ لیکن اس نے کچھ پتہ نہ بتایا' ہم خوفزدہ بھی تھے اور حیران تھی۔ اس کو دودھ' برف اور شربت پلایا۔ تھوڑے عرصہ بعد اسے ہوش آیا تو کہنے لگا: ساتھ کے گاؤں میں سکھ غنڈوں نے قتل عام شروع کر دیا ہے۔ ایک شخص جو ابھی ابھی بھاگ کر آیا ہے' بازار میں کہہ رہا ہے کہ اُس گاؤں کے سب مسلمان ذبح ہو چکے ہیں اور غنڈے تمہارے گاؤں میں پہنچنے ہی والے ہیں۔ یہ سنتے ہی ہم سب کانپنے اور رونے لگ گئے۔ والد اور والدہ ہم کو تسلی بھی دیتے تھے اور روتے بھی جاتے تھے۔ آخر گیارہ بجے کے قریب ایک جگر پاش گونج سنی...... "ست سری اکال" .... واہگورو جی کی فتح! پھر آواز آئی "سب مسلموں (مسلمانوں) کو کرپان بہادر سے مار دو"۔

یہ خوفناک نعرے سن کر ہمارے اوسان خطا ہو گئے' چہرے زرد ہو گئے' منہ پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ بھاگنا اور چلنا تو درکنار ہم میں بولنے اور اُٹھنے ہی کی سکت نہ رہی۔ والد صاحب نے ذرا دلیری کر کے کہا:

"بشیر (میرے بڑے بھائی کا نام) تم والدہ' لڑکیوں اور بھائی کو لے کر اپنے گنے کے کھیت میں چھپ جاؤ' میں حالات دیکھ کر تم سے وہیں آ ملوں گا"۔

بڑے بھائی نے جواب دیا: ہم سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ آپ کو اکیلے چھوڑ کر ہم روپوش ہو جائیں' نہ آپ کو ہماری خبر' نہ ہم کو آپ کی خبر' بہتر ہے کہ ہمارا مرنا جینا اکٹھا ہو۔

والدہ نے بھی یہ تجویز پسند کی اور والد کو منوایا کہ ہم جہاں ہوں اکٹھے ہی ہوں' الگ رہنے میں اور بھی خطرہ ہے۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ گاؤں سے رونے چلانے اور چیخنے کراہنے کی آوازیں آنے لگیں، دو تین فائر بھی ہوئے اور کرپانوں کی جھنکار سنائی دینے لگیں، ہم نے سمجھا کہ دشمن سر پر آ گیا' دروازوں کی زنجیریں چڑھا دی گئیں اور ہم گھر کے تمام آدمی سہم کر ایک کوٹھری میں بند ہو گئے۔ غنڈے گاؤں والوں کو مارتے دھاڑتے مکانوں کو آگ لگاتے' عورتیں اغوا کرتے اور اسباب لوٹتے لحظہ بلحظہ ہمارے مکان کے قریب آ رہے تھے۔ اب گولیاں بھی اندھا دھند چل رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا غنڈوں کے ساتھ فوجی سپاہی بھی ہیں۔ جب ہمارے ہمسایہ مکان میں آگ لگائی گئی تو ہم کوٹھڑی سے نکل کر صحن میں آ گئے تاکہ اندر ہی اندر جل بھن کر راکھ نہ ہو جائیں۔ والد صاحب نے کانپتے ہوئے کہا:

دیکھو! جب دشمن ہمارے مکان میں آئیں تو اپنے آپ کو یا کسی دوسرے کو بچانے کی بجائے ہتھیار چھیننے کی کوشش کرنا۔ عورتیں الگ ہو کر بیٹھی رہیں اور ہم میں جو مرد ہیں وہ ہتھیار چھین لیں۔

والد کا آخری فقرہ ابھی مکمل نہ ہوا تھا کہ ظالموں نے کلہاڑیوں کے ساتھ ہمارا دروازہ توڑ دیا۔ ایک غنڈے نے اندر داخل ہو کر چھوٹتے ہی کہا..... تمہارے پاس جو نقد روپیہ' زیور' سونا چاندی اور قیمتی اشیاء' پارچات وغیرہ ہیں وہ سب ہمارے حوالے کر دو' والد نے ایک صندوق کی طرف اشارہ کیا۔ وہ غنڈہ تو ان اشیاء کی دیکھ بھال میں لگ گیا اور والد صاحب نے اس کی برچھی پر قبضہ کر کے اُسی کے ساتھ اس کو جہنم واصل کیا۔ دو اور غنڈے آئے اور والد نے انہیں بھی ٹھکانے لگا دیا۔ پھر ایک فوجی سپاہی آیا۔ اُس نے تین نعشیں دیکھ کر گولی چلائی' جس سے بڑا بھائی زخمی ہو کر گرا۔ والد صاحب بندوق چھیننے کیلئے آگے بڑھے لیکن موذی نے گولی مار کر انہیں شہید کر دیا۔ اس کے پاس سٹین گن تھی' چنانچہ اس نے یکے بعد دیگرے کئی فائر کئے۔ میرے سوا گھر کے سب مرد و زن مارے

گئے۔ میں بیہوش ہو کر نعشوں کے اوپر گر پڑی۔ وہ مجھے بھی مردہ سمجھ کر چلا گیا۔ اس کے بعد اور کئی غنڈے ہمارے مکان میں آئے اور چلے گئے۔ مجھے سب نے مردہ تصور کیا۔ دوسرے دن مجھے ہوش آیا تو نعشیں دیکھ کر زار و قطار رونے لگی۔ پھر ارادہ کیا کہ کنوئیں میں گر کر مرتی ہوں۔ گاؤں سے باہر نکلی، ہر طرف نعشوں کے ڈھیر نظر آتے تھے۔ میں نے ایک کنوئیں کا رخ کیا تو گاؤں کا ایک بوڑھا ملا اور اس نے مجھے اس ارادے سے روکا۔ اس کی رہنمائی میں جھاڑیوں اور سرکنڈوں کی پناہ لیتی ڈیڑھ ماہ بعد پاکستان پہنچی۔

(مرسلہ حکیم سید محمود گیلانی)

کپتان سید مجتبیٰ حسین بی اے آنرز تحریر فرماتے ہیں:

ریاست بھرت پور میں مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دینے کی سازش نومبر ۱۹۴۶ء سے جڑ پکڑنے لگی تھی جبکہ ریاست کے حکام نے مسلمانوں کو اسلحہ کا لائسنس دینا بند کر دیا، اور ہندوؤں کو شوق دلایا کہ وہ لائسنس لے کر ہتھیار بند ہو جائیں۔ جنوری ۱۹۴۷ء میں ریاست کی حکومت نے مسلمان افسروں کو غیر اہم جگہوں پر لگانے کی حکمت عملی اختیار کی اور بہت سے اعلیٰ افسروں کو ریٹائر کر دینے کی روش اختیار کر لی۔

فروری ۱۹۴۷ء کے آخیر میں بھرت پور میں کل ہندو جاٹ سبھا کا اجلاس منعقد ہوا اس اجلاس کے دوران میں ریاست کے تمام ادارے بند رہے تاکہ جملہ ملازمین اس میں شامل ہو سکیں۔ اس اجلاس میں ہندو اور جاٹ لیڈروں نے مسلمانوں کے خلاف بہت اشتعال انگیز تقریریں کیں۔ اکثر مقرروں نے کہا کہ ہم مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال کر دم لیں گے۔ اس کے بعد بھرپور کی جاٹ برادری نے اجلاس میں شامل ہونے والے ہندو لیڈروں کو دعوت دی اور پھر مہاراجہ نے چیدہ چیدہ ہندو لیڈروں کو دعوت دی۔ ان دعوتوں میں نہ معلوم کیا پروگرام بنایا گیا۔ اس دعوت کے اگلے روز فوج کے جاٹ

کپتان نے مسلمان کپتان سے کہا کہ اب مسلمانوں کو ریاست سے ختم کر دیا جائے گا۔

مارچ ۱۹۴۷ء میں کنجولی لائینز کی فوجی بارکیں راشٹریہ سیوک سنگھ کے رضا کاروں کیلئے وقف کر دی گئیں اور فوجی افسر انہیں قواعد پریڈ وغیرہ کی سکھلائی کرانے لگے۔ یہ سکھلائی کئی ماہ تک جاری رہی اور تربیت یافتہ رضا کاروں کو مختلف تحصیلوں میں بھیج دیا گیا۔

۱۸؍ اپریل سے میوات آبادی کی تحصیلوں میں میو مسلمانوں پر حملے شروع ہو گئے اور بھرت پور سے جاٹ فوج کی دو کمپنیاں ان اقطاع میں بھیج دی گئیں۔ اس فوجی جمعیت کے ہمراہ مہاراجہ کا چھوٹا بھائی بچو سنگھ بھی تھا تو حملوں میں خود شریک ہو کر قاتلوں کے حوصلے بڑھاتا تھا۔ ابتداء میں فوجی چھپ چھپ کر حملہ آوروں کی مدد کرتے تھے لیکن جہاں سخت مقابلہ آن پڑتا تھا' وہاں علی الاعلان مسلمانوں پر گولیاں برسانے لگتے تھے۔ اس طرح میو مسلمانوں کے کئی گاؤں اُجاڑ دیئے گئے۔ سینکڑوں مسلمانوں کو شہید کر کے خاک وخون میں لوٹا دیا گیا۔ مسلمانوں کو چن چن کر قتل کیا جاتا۔ خود ہندو سپاہیوں نے بیان کیا کہ مسلمانوں کی مشکیں باندھ کر انہیں کسی مکان میں ڈال دیا جاتا تھا اور پھر اُس مکان کو آگ لگا دی جاتی تھی۔ اگر کوئی مسلمان کہیں سے چھپا ہوا ملتا تھا تو فوجی سپاہی اسے پکڑ کر مہاراجہ کے بھائی بچو سنگھ کے پاس لے جاتے تھے۔ بچو سنگھ اُسے پستول کی گولی مار کر ہلاک کر دیتا تھا اور کہتا تھا کہ اس شکار میں جو لطف ہے وہ شیر یا ہرن یا مرغابی کے شکار میں نہیں ملتا۔ میجر حکم سنگھ اس سے بڑھ کر ظالم تھا۔ ایک روز کچھ سپاہی ایک گاؤں کی بربادی کے بعد چار شیر خوار بچوں کو اُٹھا لائے۔ انہوں نے کہا کہ انہیں یتیم خانہ میں بھجوا دیں لیکن میجر حکم سنگھ نے کہا کہ سانپ کے بچے سانپ ہوتے ہیں' ان کو مار دو۔ جب سپاہیوں نے تامل سے کام لیا تو حکم سنگھ نے دو بچوں کو سڑک پر پھینک کر اپنے فوجی بوٹوں سے کچل دیا۔ تیسرے بچے کو ہوا میں اُچھالا اور سنگین میں پرو لیا۔ چوتھے کو آگ

کے ڈھیر میں ڈال دیا' جہاں چند میو جوان پہلے سے جل رہے تھے۔

ایک طرف ڈیگ میو کی تحصیل میں یہ تباہی مچ رہی تھی' دوسری طرف ۲۱ جون کو ندبئ میں بھی یہ کاروائی شروع کردی گئی۔ اور ندبئ میں مسلمانوں کے گھروں کو تاراج کر کے آگ لگادی اور سینکڑوں مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ بلوائیوں کے اس ہجوم نے ندبئ کے بعد دیز' بھوسا اور دوسرے دیہات کو تاراج کیا۔ پھر ان کا ایک گروہ تو میوات کی طرف چلا گیا' دوسرے گروہ نے پھرسر کے قصبہ پر حملہ کیا پھرسر کے مسلمان ۲۴، ۲۵ جون کو ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے۔ انہوں نے بلوائیوں کے بہت سے آدمی مار دیئے۔ اس پر بلوائی وہاں سے ہٹ گئے اور جاتے جاتے موضع ہلک کو تباہ کر گئے۔

یہ حال دیکھ کر خاص بھرت پور کے مسلمان شہر سے نکل گئے۔ باجگینہ کے مسلمانوں کو وہاں کے سرکردہ ہندوؤں نے روک لیا تھا اور تسلیاں دیتے رہے تھے لیکن وقت آنے پر سب کے سب مار دیئے گئے اور ان کی عورتیں ہندو بنالی گئیں۔

جولائی کے مہینے میں بھرت پور کے اردگرد کسی قدر امن ہوگیا لیکن میوات میں مسلمانوں کے دیہات کو تباہ و برباد کرنے کی مہم برابر جاری رہی۔ میو قوم کے جو لوگ پکڑ کر جیل میں ڈال دیئے گئے تھے انہیں پچیس پچیس اور پچاس پچاس کی ٹولیوں میں رہا کر دیا جاتا تھا اور جب وہ باہر نکلتے تھے تو حملہ آور انہیں قتل کر دیتے تھے۔ فضاء کو کسی قدر پُرسکون پا کر مسلمان بھرت پور میں واپس آنے لگے۔

ماہ ستمبر میں مسلمانوں کو فنا کرنے کی مہم پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ اختیار کرلی گئی۔ ۴ ستمبر کو ریاست کی فوج نے ڈیگ میو کا محاصرہ کرلیا۔ مہاراجہ بھی اپنی فوج کے ساتھ تھا۔ ڈیگ میو کے چند سرکردہ مسلمان مہاراجہ کے پاس گئے اور پناہ مانگی۔ مہاراجہ نے جواب دیا کہ مسلمانوں کا ملک تو عرب ہے' تم کو وہاں جانا چاہیئے۔ ابھی تو ہم تمہیں

ریاست سے نکال رہے ہیں' وقت آنے پر پاکستان سے بھی نکال دیں گے۔ مہاراجہ کے بھائی بچو سنگھ نے ان مسلمانوں کو دھکے دے کر نکلوا دیا۔ محل سے نکلنے کے بعد بعض مسلمانوں نے گھاس کے ڈپو میں چھپ کر اپنی جانیں بچائیں۔ ڈیگ کے تمام مسلمان' مرد' عورت' بچے' بوڑھے شہید کر دیئے گئے۔

۷ ستمبر کو قصبہ کمہیر میں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔ مہاراجہ بھرت پور اور ماسٹر تارا سنگھ ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کے قتل عام کا تماشا دیکھ رہے تھے۔

۸ ستمبر کو حملہ آوروں کا ہجوم بھرت پور پہنچا' اس نے باندی کوٹی سے آنے والی ٹرین پر حملہ کر کے ہندو مسافروں کو اُتار لیا اور مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ بھرت پور کے مسلمان جامع مسجد کے کیمپ میں جمع ہونے لگے۔ بلوائیوں کا ہجوم بھرت پور سے بیانہ کی طرف چلا گیا اور راستے میں اس نے مسلمانوں کے متعدد دیہات تاراج کئے۔ ۹ ستمبر کو تحصیل بیانہ کے مسلمانوں کو ختم کر دیا گیا۔ صرف وہ بچ سکے جو ہندو بن گئے۔

بیانہ کے مسلمانوں نے مقابلے کی تیاریاں کر رکھی تھیں اور تین زبردست مورچے قائم کر لئے تھے۔ اس لئے وہاں لڑائی ہونے لگی۔ مہاراجہ بھرت پور نے ہوائی جہاز میں بیٹھ کر اس جنگ کا نظارہ دیکھا۔ ۱۰ ستمبر کو مہاراجہ فوج کی کمک لے کر بیانہ پہنچا' جس نے حملہ آوروں کی امداد کی۔ مسلمانوں کے گھروں کو آگ لگا دی گئی۔ بچے کھچے مسلمان قاضی باڑہ کے کیمپ میں جمع ہوئے اور وہاں سے آگرے پہنچا دیئے گئے۔

۱۰ ستمبر کو بھرت پور کے مسلمانوں سے کہا گیا کہ تمہیں بحفاظت تمام آگرے پہنچا دیا جائے گا۔ انہیں رات کے وقت ٹرکوں میں بٹھا کر روانہ کر دیا گیا۔ جب یہ قافلہ وارہ کی چوکی پر پہنچا تو اس کی راہ روک لی گئی اور ٹرکوں پر حملہ کر دیا گیا اور بہت سے مسلمان شہید کر دیئے گئے۔

۱۱ستمبر کو بلوائی اور رو بہاس پر حملہ آور ہوئے' وہاں مسلمانوں کا قتل عام کیا اور ڈھائی سو مسلمان لڑکیاں اغوا کر لی گئیں۔

۱۲ستمبر کو یہ مجمع قصبہ اُجین پر حملہ آور ہوا۔ وہاں بھی مسلمانوں کا وہی حشر ہوا جو دیگر مقامات پر ہو چکا تھا۔

مسلمان اب کیمپوں میں جمع ہو چکے تھے۔ بھرت پور کے حکام انہیں آ آ کر ہندو بن جانے کیلئے ورغلاتے تھے۔ گھوسی' تیلی اور دوسری بہت سے مسلمان ہندو بننے پر آمادہ ہوتے گئے اور بہت سے ہندو بن گئے۔ وسط ستمبر سے بھرت پور سے مسلمانوں کے اخراج کی مہم شروع ہو گئی اور قافلے آگرہ اور سندھ کی طرف روانہ ہوتے رہے۔ بہت سے مسلمان جو ہندو بنائے گئے تھے' بھاگ کر آگرہ کیمپ میں پہنچتے رہے۔ وسط اکتوبر تک بھرت پور کی ریاست مسلمانوں سے خالی ہو گئی۔

حاجی عنایت اللہ صاحب وآل محمد صاحب لکھتے ہیں:

ریاست ہائے بھرت پور والور میں ریاستی فوج نے مسلمانوں کا قتل عام کیا اور گاؤں کے گاؤں تاراج کر کے رکھ دیئے۔ ہزار ہا لڑکیوں اور عورتوں کا اغوا کیا گیا۔ ہزاروں مسلمانوں کو جبراً ہندو بنا لیا گیا۔ ریاست بھرت پور کے چودہ قصبوں میں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔ ریاست الور کے تین بڑے قصبوں مہند پور' منڈاوین' لل گا بانسی میں مسلمانوں کو تہ تیغ کر کے ان کے گھروں کو آگ لگا دی گئی۔ میو قوم ہجرت پر مجبور ہو گئی' ان میں سے ستر اسی ہزار میواتی دہلی پہنچائے گئے اور بہت سے پاکستان لائے گئے۔ بیس ہزار میو چار ماہ تک ریواڑی کیمپ میں پڑے رہے۔ مسلمانوں کا تمام سامان' مال مویشی' غلہ' نقد اور زیور چھین لیا گیا' وہ صرف تن کے کپڑے لے کر آ سکے۔

ریاست جموں و کشمیر:

ریاست جموں و کشمیر میں اسّی فیصدی مسلمان آباد ہیں، جن پر جموں کی پہاڑیوں کے ہندو ڈوگرے حکمران ہیں۔ کشمیر کے عوام میں مہاراجہ کے جابرانہ اقتدار سے آزادی حاصل کرنے کی تحریکیں دیر سے پنپ رہی تھیں، جب ۳ جون کو ہندوستان کے ویسرائے لارڈ مونٹ بیٹن نے حکومت برطانیہ کے اس فیصلہ کا اعلان کیا کہ ہندوستان اور پاکستان میں درجۂ مستعمرات کی آزاد حکومتیں جلد قائم کر دی جائیں گی اور دیسی ریاستوں کے حکمرانوں کو اختیار حاصل ہو گا کہ وہ چاہیں تو اپنی ریاست کا الحاق ہندوستان اور پاکستان میں سے کسی ایک سے کرلیں، چاہیں اپنی ریاست کو آزاد مملکت بنا لیں تو کشمیر کے مہاراجہ نے اہل کشمیر کی تحریک آزادی کو کچلنے کیلئے تشدد کا دور دورہ شروع کر رکھا تھا اور ڈوگروں نے پونچھ کے کوہستانی علاقہ میں عوام کی سرکوبی کیلئے ایک نئی چھاؤنی ڈال لی تھی۔ مہاراجہ کی ڈوگرا فوج پونچھ کے لوگوں سے بڑی سختی کے ساتھ پیش آ رہی تھی۔ ریاست کی سیاسی پارٹیاں اور وہاں کے عوام مہاراجہ پر زور دے رہے تھے کہ وہ کشمیر چھوڑ جائیں یا اپنی ریاست کا الحاق پاکستان سے کرلیں۔

وسط اگست میں جب ہندوستان اور پاکستان کی حد بندی کرنے والے کمیشن نے اپنا فیصلہ صادر کیا تو ضلع گورداسپور کی دو تحصیلیں خلاف توقع ہندوستان میں شامل کر کے ہندوستان کے ڈانڈے ریاست کشمیر سے ملا دیئے تا کہ ہندوستان اور کشمیر کے درمیان آمد و رفت کی راہیں بن جائیں۔ اس اعلان کے ساتھ ہی مشرقی پنجاب کے اضلاع اور شمالی ہند کی دوسری سکھ اور ہندو ریاستوں کی طرح اس ریاست میں بھی مسلمانوں کے قتل عام اور اخراج کی مہم شروع کر دی گئی۔ کشمیر میں ہندو اور سکھ بہت اقلیت

میں تھے اس لئے یہ کام ریاست کی ڈوگرا فوج کے سپرد کر دیا گیا' جو جا بجا مسلمانوں کا شکار کھیلتی نظر آنے لگی۔ اگست کے تیسرے ہفتے میں ملکی حکام نے پونچھ کی دو ریاستوں' سدھنتی اور باغ کے سر کردہ مسلمانوں کو گرفتار کر کے دفعہ ۱۴۴ لگا دی' یعنی جلسے منعقد کرنے اور جلوس نکالنے کی ممانعت کر دی۔ باغ کے قصبہ میں ڈوگرا فوج نے مسلمانوں کے ایک عام مجمع پر فیر کر کے مسلمانوں کے قتل عام کی مہم شروع کی۔ مجمع کی پشت پر ایک ندی تھی' لوگ گولیوں کی زد سے بچنے کیلئے پیچھے ہٹے تو بہت سے ندی میں جا گرے۔ باغ کے بعد دوتھان کی بستی میں ڈوگرا فوج کی ایک سالم کمپنی نے مسلمانوں کے ایک چھوٹے سے مجمع کو گولیاں برسا کر ہلاک کر دیا اور لوگوں کے گھروں میں گھس گھس کر مسلمانوں کو قتل کرنے اور ان کے مکانوں کو آگ لگانے لگے۔ نہتے مسلمان جنگلوں اور پہاڑوں میں بھاگ گئے اور جنگلی پھل اور مکئی کے بھٹے کھا کھا کر گزارا کرنے لگے۔ یہ لوگ بے سروسامانی کے باوجود ڈوگرا فوج پر چھاپے مارتے تھے۔ چونکہ یہ اقطاع کشمیر سے منقطع ہو چکے تھے' اس لئے وادیٔ کشمیر میں ان کے صحیح حالات نہیں پہنچ سکتے تھے۔ لوگوں کو افواہاً اتنا معلوم تھا کہ راولا کوٹ اور مغربی باغ کے آس پاس کے علاقے میں لڑائی ہو رہی ہے۔ اس لئے سدھنتی اور باغ کی تحصیلوں کے لوگ پیش بندی کے طور پر ہتھیار جمع کرنے لگے اور اپنے ان قرابت داروں اور ہم قوموں سے تھوڑا بہت اسلحہ اکٹھا کر کے لے جانے لگے جو پونچھ کی سرحد کے پاس ضلع راولپنڈی میں آباد تھے۔ ان کے ہتھیار' گنتی کی بندوقیں' رائفلیں' دستی گولے اور بم تھے۔ ڈوگرا فوج توپوں' مشین گنوں' برین گنوں اور دوسرے جدید حربی آلات سے لیس تھی۔ اس کے باوجود سدھنتی اور باغ کے مسلمانوں نے بھی ریاستی افواج کا مقابلہ شروع کر دیا اور ڈوگروں کو زچ کرنے لگے۔

اندریں اثناء مغربی پنجاب سے ہندو اور سکھ پناہ گزینوں کے قافلے ریاست

کشمیر کی حدود میں داخل ہونے لگے۔ ریاست کے حکام انہیں مسلح کر رہے تھے۔ مسلمان پولیس سے ہتھیار رکھا لئے گئے اور جموں کے علاقہ میں مسلمانوں کے قتل عام کی مہم پوری طاقت سے بہت وسیع پیانہ پر شروع کر دی گئی۔ اکھنور میں کوئی پندرہ ہزار مسلمان جمع تھے۔ ۲۰ را کتوبر کو انہیں حکم دیا گیا کہ پاکستان کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ جب وہ پل پر پہنچے تو ان پر گولیاں برسنے لگیں۔ پندرہ سو میں سے صرف ایک سو جانبر ہو سکے۔ ۲۲ را کتوبر کو جموں میں بھی یہی کھیل کھیلا گیا اور کوئی پچیس ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ اسی دن سانبہ میں چودہ ہزار مسلمانوں کو خاک وخون میں لوٹایا گیا اور دو دن کٹھوآ میں آٹھ ہزار مسلمان قتل کئے گئے۔ جموں کے علاقہ سے کوئی دو لاکھ ستم رسیدہ مسلمان بھاگ کر مغربی پنجاب میں داخل ہو گئے۔ جب پونچھ کے مجاہدین نے یہ خبریں سنیں تو انہوں نے ڈوگرا فوج کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دیں۔ ڈوگرا فوج مجاہدین کے ہاتھوں پٹنے لگی۔ یہ حال دیکھ کر مہاراجہ نے انڈین یونین کی حکومت کو لکھ بھیجا کہ مابدولت کشمیر کو ہندوستان سے ملحق کرنے کے خواہاں ہیں اور ریاست کے باغیوں کو دبانے کے لئے ہندوستان کی حکومت سے مدد چاہتے ہیں۔ ہندوستان کی حکومت پہلے سے کشمیر کے میدان میں کودنے کیلئے تیار بیٹھی تھی۔ اسی مقصد کے پیش نظر حد بندی کے کمیشن نے ضلع گورداسپور کی دو تحصیلیں ہندوستان سے ملحق کر دی تھیں۔ چنانچہ ہندوستان کی فوجیں کشمیر کے جنگی میدانوں میں پہنچ گئیں۔ جو کام ریاست کی ڈوگرا فوج سے سرانجام نہ ہو سکا تھا‘ اسے پورا کرنے کیلئے مجاہدین کے خلاف برسر پیکار ہو گئیں۔ اُدھر پاکستان کی شمال مغربی سرحد کے آزاد پٹھان قبائل کشمیر کے مجاہدین کی امداد کو پہنچ گئے اور پاکستان سے بھی مسلمان کشمیری بھائیوں کی امداد کو جانے لگے۔ اس طرح ریاست جموں وکشمیر میں ہندوستان کی حکومت کے اس پروگرام کو پہلی شدید مزاحمت کا سامنا ہوا‘ جسے وہ

مشرقی پنجاب میں اور شمالی ہند کی دیسی ریاستوں میں سستے داموں عمل کا جامہ پہنانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ یہ جنگ تادم تحریر جاری ہے۔

جناب محمد اسماعیل صاحب نے اپنے ایک دوست کا مکتوب کتاب میں اندراج کیلئے ارسال کیا ہے۔

السلام علیکم! خداتعالٰی کا شکر ہے کہ لاکھ مصیبت اور خطرات کے بعد آج آپ کو لکھنے کا موقع ملا۔ مجھے وہ آپ کے الفاظ بار بار یاد آتے تھے کہ گورنمنٹ مسلمانوں کو بھون کر رکھ دے گی۔ فی الواقع گورنمنٹ نے ایسا ہی کیا۔ ہری سنگھ نلوہ کا زمانہ بھول گئے۔ پہلے سرکار نے تمام دیہات کو صاف کروایا۔ راشٹریہ سنگ پارٹی فوجیوں کے لباس میں جن کو باقاعدہ وردیاں اور ہتھیار مہیا کئے گئے تھے' گاؤں میں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمیں سرکار کا حکم ہے' گاؤں کو خالی کر دو۔ چنانچہ سادہ لوح لوگ جب باہر نکلتے تو ان پر بندوقوں اور توپوں سے اس طرح بارش برسائی جاتی کہ قافلہ کا نام تک مٹا دیا جاتا اور بعد میں ان کا سامان لوٹا جاتا۔ پل کے پار اسٹیشن کے سامنے جموں میں میراں صاحب' اکھنور' چھن روڑیاں اور کھٹوعہ کے پاس مسلمانوں کو ایک جگہ کر کے مسلح فوجوں سے توپیں رکھ کر مروایا گیا۔ باہر جانے کی قانونی اجازت نہ تھی اور جو پاکستان میں جانے کی کوشش کرتا' اس کو بھی مروا دیا جاتا۔ سانبہ میں ۹۶۵ مسلمان تھے' جن میں سے صرف ۶۰ یا ۶۲ کا پتہ چل رہا ہے اور باقیوں کو نالہ میں لٹا کر سب کو تہ تیغ اور نشانہ بندوق بنایا گیا۔ مسلمان جو نوجوان لڑکیاں تھیں' ان کو اچھوتوں اور بھنگیول تک میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ مکمل سکیم یہ تھی کہ کسی بھی مسلمان کو زندہ نہ جانے دیا جائے۔ سانبہ میں پیرانددتہ نامی ایک شخص کو زندہ پیپل کے درخت کے ساتھ لٹکایا گیا اور نیزوں' بلموں اور برچھیوں سے تڑپا تڑپا کر مارا گیا۔ اکھنور میں ایک ہندو تحصیلدار کو جس نے سکیم سے ذرا نا اتفاقی کی اور

چند مسلمانوں کو زندہ گزرنے کی اجازت دے دی گولی سے مارا گیا۔ تحصیل جمر گڑھ کی ایک معزز عورت کو ننگا کر کے اس کے ساتھ بے حد بے شری اور بے حیائی کا مظاہرہ کیا گیا' اور پھر اس کے اندام نہانی پر بندوق رکھ کر مار دیا گیا۔ اسی طرح بڑے گھرانوں اور خاندانوں کی عورتوں کو اٹال' ڈوم اور چمار زبردستی لے گئے۔ توی کے کنارہ پر دیہاتی اور سادہ مسلمانوں کو جمع کیا جاتا تھا۔ ایک طرف سرکاری ملٹری ہوتی تھی اور دوسری طرف سکھ اور سنگ پارٹی' لائنوں کی لائنیں بنا کر تہ تیغ کیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے تڑپنے اور چیخ پکار کی آوازیں آتی تھیں۔ ایس ایس پی صاحب نے راجہ صحت علی سب انسپکٹر پولیس کو بھیجا کہ جا کر موقع دیکھو اور اصل معاملہ کا پتہ دو۔ اس کو سرکاری سپاہیوں نے گولی کا نشانہ بنایا۔ ٹھاکر نتھا سنگھ ریٹائرڈ سب انسپکٹر کو جس نے غنڈے آدمیوں کو گرفتار کروانے میں امداد کی' قتل کروایا گیا۔ ہر فوجی اور پولیس کا کنسٹیبل بریگیڈیر سے لے کر ادنیٰ ملازم تک غیر مسلح کر کے گرفتار کر لیا گیا۔ دیہات کا دورہ اور مسلمانوں کا اخراج کرنے کے بعد جموں شہر کا محاصرہ کیا گیا۔ سانبہ سے لے کر اُودھم پور تک راجپوتوں' سکھوں' سنگ پارٹیوں' جموں کی ڈوگرا فوج اور جموں کے ہر نوجوان ہندو کو مدعو کر کے جموں پر دھاوا بولا گیا۔ یہ واقعہ ۱۰ اکا تک ساڑھے آٹھ بجے شام کا ہے۔ ایک طرف مندرجہ بالا پارٹیاں اور دوسری طرف نہتے مٹھی بھر مسلمان۔ ہر اُونچی اُونچی بلڈنگ پر مورچے بنائے گئے۔ لڑائی لاٹھیوں' پتھروں' اینٹوں' کلہاڑیوں' تیروں' نیزوں' بلموں' ٹکوؤں' تلواروں' کرپانوں' بندوقوں' سٹین گنوں' برین گنوں' پستولوں' توپوں اور بموں سے شروع ہوئی۔ اتوار کو مسلمانوں کے قدم نرم رہے۔ اگلے سوموار کو مسلمان بڑھے۔ ہندوؤں کے مورچوں پر قبضہ کیا اور وہاں سے اسلحہ بھی ملا' جو انہیں لوگوں پر استعمال کیا گیا۔ لیکن ۱۲ اکا تک کو مٹھی بھر مسلمانوں کیلئے اس قدر بے پناہ ہجوم کو روکنا محال ہو گیا۔ اس لئے ہمارے آدمی ہٹتے

گئے۔ جو جو مسلمان پچھلے محلوں میں رہ جاتے تھے، ان پر ہاتھ صاف کیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کو چن چن کر مارا گیا، باوا جیون شاہ کے مزار کے اندر کئی آدمیوں کو قتل کیا۔ وہاں کے جھنڈے کو اُتارا گیا۔ منارے توڑے گئے، چھوٹے بچوں کو ان کی ماؤں کی چھاتیوں پر کئی بار کر کے کاٹا گیا۔ عورتوں کے جوڑے ہوئے ہاتھ کاٹے گئے، چھاتیوں پر خنجر چلائے گئے۔ جس وقت مسلمان ظالم گورنمنٹ کی بے رحمی سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے حکومت کی وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے ہر گھر میں جس میں کہ مسلم لیگ کا جھنڈا لہرایا جاتا تھا، ریاست کا پرچم لہرایا، لیکن وہ کب ماننے والے تھے۔ گولیوں کی بارش متواتر ہو رہی تھی۔ ایک مورچہ پرانی منڈی کے قریب شیخ جان محمد کی دوکان کے چوبارہ پر تھا۔ جس کی گولیاں قصاب بازار کے چوک اور محلہ دلیپیاں تک آ رہی تھیں۔ ایک مورچہ مت گڑھ میں پنجاب سنگھ کے مکان پر تھا، جس کی مار بھی ہر چار طرف آ رہی تھی۔ ایک مورچہ جس میں کافی تعداد میں اسلحہ تھا، لکی مٹھائی فروش کے مکان پر بازار مکھداتہ میں تھا۔ ایک مورچہ مشہور سکھول کا رزیڈنسی روڈ میں تھا، جو اُردو بازار سے مغرب کی جانب صابون کے کارخانہ کے اُوپر تھا، اور ہزاروں کی تعداد میں ہر طرف مسلمانوں کو ہراساں کیا جا رہا تھا۔ اس وقت مسلمان صرف دو محلوں میں جمع تھے۔ ایک محلہ دلیپیاں میں اور دوسرے محلہ اُستاد میں۔ آخر مسلمانوں کا قافیہ تنگ ہو گیا۔ لوگ اپنی بالغ عورتوں کو نئے کپڑا پہنا کر میدان میں لے آئے تا کہ وہ بھی گولی سے مر جائیں۔ بعض آدمیوں نے بچوں اور عورتوں کو زہر دے دیا۔ ایک شخص مستری عطا محمد نامی نے اپنی تین لڑکیوں کو جو دسویں، نویں اور ساتویں جماعت میں پڑھتی تھیں، خود چھری تیز کر کے قتل کیا۔ گویا مسلمانوں پر ایک قیامت کا نظارہ تھا، اور نفسی نفسی پڑی تھیں۔ اسی طرح مسلمانوں کا خاص شہر میں نقصان ہزار اور ڈیڑھ ہزار کے درمیان اندازہ لگایا گیا۔ جس وقت دشمن

بہت قریب آ پہنچے' اس وقت مسٹر نصیر الدین ڈی ایف او سلار یہ کالڑ کا سفید جھنڈا نصب کرنے لگا۔ اس کو بروقت گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ اس معرکہ خیز لڑائی میں بے شک ہندو اور فوجی بھی کام آئے جو لڑ رہے تھے۔ ۲ بجے شام کے قریب حکومت کا حکم آ گیا کہ لڑائی بند کر دو۔ سب پارٹیاں اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئیں۔ اس سے قبل حکومت کو متعدد بار کہا گیا تھا کہ یا ہماری حفاظت کر دُیا باہر جانے دؤ لیکن حکومت کا جواب ملتا کہ نہ تمہاری حفاظت کی جا سکتی ہے اور نہ ہی تم باہر جا سکتے ہو۔ دوسرا گورنمنٹ کا حربہ یہ تھا کہ ہمارا راشن پانی' لکڑی بند کی گئی۔ ہندو دکانداروں نے سودا دینا بند کر دیا۔ بھنگیوں نے صفائی کرنی بند کر دی۔ جن کو ملتا تھا وہ روکھا سوکھا کھا لیتے تھے اور باقی روزہ رکھ لیتے تھے۔

ایک ہفتہ کے بعد کنور دلیپ سنگھ اور وزیر دفاع سردار بلدیو سنگھ جموں میں آئے اور کہا کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ جموں کو خالی کر دیں کیونکہ حکومت ان کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ سکیم کا دوسرا پہلو تھا کہ اگر سب کے سب مسلمان جموں میں مارے گئے تو اس سے فضا خراب ہو جائے گی اور دیگر شہری آبادی کو بھی نقصان پہنچے گا۔ حکم ہوا کہ مسلمان فوراً اپنے گھروں سے نکل کر پولیس لائن جوگی دروازہ میں چلے جائیں۔ اس افراتفری میں کیا کچھ لیا جا سکتا تھا۔ نکلتے وقت پھر مہاراجہ پٹیالہ کی فوج مورچوں میں داخل ہو گئی اور ایک نہایت مہیب لہجے میں ڈرا رہی تھی۔ ہماری تلاشی ہوئی اور گراؤنڈ میں بٹھایا گیا۔ پھر وہی مظالم دوہرائے گئے' راشن پانی بند اور نقل و حرکت بھی بند۔ پہلے ۳۹ لاریاں جن میں کم از کم پچاس آدمی اوپر اور نیچے تھے بھر کر سواریوں کو کہا گیا کہ چلو تمہیں پاکستان میں لے چلیں' اور اسی طرح ان کو نامعلوم جگہ لے جا کر مختلف گروہوں میں بانٹا گیا' اور راستہ میں تلواروں والے سکھوں نے ان کو مختلف جگہوں پر ختم کیا اور نوجوان عورتوں کو اغوا کیا گیا۔ اسی طرح دوسرے دن پچیس لاریاں پہنچائی گئیں۔ آخر دوسرے دن حکومت کی

سکیم کا پتہ چل گیا اور تین آدمی بھی تلواروں سے نکل کر کیمپ میں پہنچ گئے۔ ہمیں ان کی آمد سے پہلے تھوڑا بہت علم ہو گیا تھا۔ چند نیک دل ہندوؤں نے مطلع کر دیا تھا کہ بھوکے پیاسے ٹھہرو اور حالات درست ہو لینے دو۔ پھر ہمیں حالات درست ہونے پر سوچیت گڑھ میں پہنچایا گیا اور ہمارے ساتھ انڈین آرمی کے آدمی لگائے گئے لیکن نصف کے قریب دھوکا دے کر مارے گئے۔

میر پور ریاست جموں کے ایک مظلوم مہاجر الٰہی بخش نے میر پور کے دردناک واقعات بتاتے ہوئے کہا۔ ڈوگرا فوج نے چاند ماری کے بہانے بے تحاشہ فائرنگ شروع کر دی اور رائفلوں کا رُخ شہر کی طرف کر کے آن کی آن میں کثیر التعداد مسلمان بھون دیئے۔ یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب ریاست میں ہنوز ”امن وسکون“ تھا اور عام فساد شروع نہ ہوا تھا۔ لیکن فساد کی خبر سنتے ہی ذمہ دار ڈوگرا افسروں نے ہندوؤں میں اپنے ہاتھ سے آتشیں اسلحہ تقسیم کیا۔ بس پھر کیا تھا؟ نہتے اور بے گناہ مسلمانوں پر قیامت آ گئی۔ ڈوگروں نے شہر کے چاروں طرف برین گنیں گاڑ دیں تا کہ کوئی مسلمان زندہ بچ کر نہ جائے۔ پھر جموں کی ملٹری نے ڈوگرا غنڈوں سے مل کر بے پناہ آتش باری کی اور آنکھ جھپکنے میں سینکڑوں نہیں' ہزاروں مسلمان شہید کر دیئے۔ غنڈوں نے مکانوں کی تلاشیاں لے کر مسلمانوں کو چن چن کر مارا۔ عورتوں کو اُٹھایا' ان کی عصمت برباد کر کے ہلاک کیا۔ دوشیزائیں اغوا کر کے لے گئے اور یہاں تک درندگی و بہیمیت دکھائی کہ نابالغ لڑکیوں کے چلانے اور کراہنے کی حالت میں آبروریزی کی۔

راجہ الٰہی بخش نے بتایا کہ میری دو نوجوان لڑکیاں ڈوگروں نے چھین لیں اور میرے سامنے پانچ بدمعاشوں نے ان کی عزت تباہ کی۔ میرے تین معصوم بچے چھری سے ذبح کیے۔ میری اہلیہ کی آغوش سے شیر خوار بچہ چھین کر اس کا گلا اس قدر گھونٹا کہ ننھا

معصوم دس ہی منٹ میں جنت کو سدھار گیا۔ بڈھے باپ کی آنکھوں میں بلم گھونپ کر اس کا ایک پاؤں کاٹ دیا' پھر پیٹ میں برچھیاں ماریں اور اس طرح وہ بزرگِ ضعیف تڑپ تڑپ کر جاں بحق ہوا۔

راجہ صاحب نے کہا: قصبہ سماہنی (ضلع میرپور) میں ڈوگرا حاکموں کے سفاکانہ حکم سے پردہ نشین حاملہ عورتوں کا پیٹ چاک کیا گیا اور دوشیزاؤں کی کھلے راستوں میں بے حرمتی ہوئی۔ مناور میں چار سو کنواریوں کو اغوا کر کے برہنہ کیا اور ان سے وحشیانہ کارروائی کی گئی۔ کس گمہ اور پنجیڑی میں ظالموں نے بہت سے ضعیف العمر مرد و زن کی آنکھیں پھوڑ ڈالیں۔ فوجی افسروں نے قرآن کریم کو پاؤں سے ٹھکرایا۔ اُن کے اَوراق مقدسہ پھاڑے اور نذرِ آتش کیے (نعوذ باللہ) راجوری اور بھمبر میں بزرگ مسلمانوں کے گلے میں پھندے ڈال کر درختوں سے لٹکایا اور لوگوں کو دردناک طریق سے مارا۔ دیوا وٹالہ میں ہری سنگھ کے تعلقداروں نے اور بھی ستم ڈھایا کہ ضعیف العمر اصحاب کو ایک جھونپڑی میں بند کر کے آگ لگا دی اور جلا کر خاکستر کر دیا۔ نابالغ بچیوں سے شارع عام میں انسانیت سوز ظلم کیے اور نوجوان مستورات کی بحالت برہنگی میدانوں اور مکان کی چھتوں پر آبروریزی کی۔

(مرسلہ: حکیم سید محمود گیلانی)

چھمبی (ریاست جموں) کے صدیق الحسن قریشی نے جو وہاں کے مڈل سکول میں مدرس تھے' بتایا:

جموں میں فساد برپا ہونے کی خبر وہاں پہنچی تو چھمبی کے فرعون صفت جاگیردار نے فوج' پولیس اور بدمعاشوں کو یہ ظالمانہ حکم دیا کہ مسلمان جہاں ملیں' ان کا ایک بچہ زندہ نہ چھوڑا جائے۔ چنانچہ غنڈوں نے ملٹری اور پولیس کی سرکردگی میں مسلمانوں کا قتل عام

شروع کیا۔ بہت سے مسلمان پہاڑیوں میں چھپ گئے۔ جو ہاتھ آئے ان کے گلے پر ظلم کی چھری پھر گئی اور دو ہی چار روز میں چھمبی کا علاقہ مظلوم و بے بس مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔

ماسٹر صاحب نے بیان کیا: جب ڈوگروں کو معلوم ہوا کہ شہر اور قصبات مسلمانوں سے صاف ہو گئے ہیں تو انہوں نے کونے کھدرنے دیکھنا شروع کئے اور تلاش میں جو مسلمان مل جاتا اسے بیدردی کے ساتھ مار دیا جاتا۔ فوج اور پولیس آگ برساتی اور غنڈے دوسرے ہتھیار کام میں لاتے۔ عورتیں اور جوان لڑکیاں اغوا کر کے افسروں اور جاگیردار کے پاس بھیج دی گئیں جہاں ان کا دامن عصمت داغدار ہوا۔

علاوہ بریں جس جس مقام پر مسلمانوں کو کثیر تعداد میں ہلاک کیا گیا اُن مقامات کا خود جاگیردار نے معائنہ کیا۔ جن شہداء کے جسم اطہر تڑپتے نظر آتے، وحشی جاگیردار سپاہیوں اور بدمعاشوں کو حکم دیتا کہ انہیں زندہ گاڑ دو۔ ایک جگہ بہت سے نیم جان اور بے جان مسلمان اکٹھے کر کے ان پر مٹی کا تیل چھڑکا اور آگ لگا دی۔ سفاک جاگیردار نے کئی مسلم نعشوں کے ٹکڑے اپنے ناپاک کتوں کو کھلائے۔ نعشوں کو ریزہ ریزہ کر کے ان کو پاؤں تلے روندا گیا۔ نابالغ بچیوں سے وحشیانہ کارروائی کی گئی۔ دوشیزاؤں کی عام گزرگاہوں میں عزت بگاڑ دی گئی۔

منشی صدیق الحسن نے کہا: میرے بہت سے رشتہ دار اس ہنگامے میں شہید ہوئے۔ باپ، بھائی، بہنیں، بچے، چچا، ماموں، القصہ والدہ کے سوا کنبہ کے سب لوگ شہادت پا گئے اور میں اپنی بوڑھی والدہ کو لے کر بصد مشکل سیالکوٹ میں آیا۔ آتی دفعہ جدھر نگاہ جاتی تھی مسلمانوں کی نعشیں ہی نعشیں نظر آتی تھی۔ انسانی اعضاء جگہ بجگہ بکھرے پڑے تھے۔ کتے اور گدھیں ان کے گوشت سے اپنے شکم پُر کر رہے تھے۔

(مرسلہ: حکیم سید محمود گیلانی)

دہلی کی سرگزشت

ہندوستان کی راجدھانی دہلی میں مسلمانوں کے قتل عام اور اخراج کی مہم ستمبر کے دوسرے ہفتے میں اختیار کی گئی۔ اس شہر میں جس کی خاک کا ذرہ ذرہ مسلمانوں کے شش صد سالہ دَورِ حکمرانی کی سطوت وشوکت اور عدل و امن پر شاہد و دال ہے' ڈھائی لاکھ مسلمان آباد تھے۔ مشرقی پنجاب کے مسلمان تاراج کئے جا چکے تو دہلی کے مسلمانوں کی باری آ گئی۔

جناب محمد ابراہیم صاحب لکھتے ہیں:

پانچ ستمبر کو جمعہ کی نماز کے وقت ایک سکھ نے گڈوڈیہ مارکیٹ کی چھت پر سے ایک عدد بم فتح پوری مسجد کے صحن میں پھینکا' جس کے پھٹنے سے دو مسلمان شہید اور چار زخمی ہوئے۔ اس حادثہ کے بعد شہر بھر میں بہتر گھنٹے کا کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ تین دن کے بعد کرفیو کھلا تو شہر کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کے قتل کی وارداتیں شروع ہو گئیں۔ سکھوں اور راشٹریہ سیوک سنگھ والوں نے فوجی وردیاں پہن کر رات کے وقت مغل پورہ اور بستی پنجابیاں پر حملہ کیا۔ مسلمان مقابلے پر ڈٹ گئے۔ اس پر حملہ آوروں کی مدد کیلئے ہندوستانی کی حکومت کی اصلی ملٹری آ گئی جو جاٹ رجمنٹ اور گورکھا رجمنٹ پر مشتمل تھی۔ فوجیوں نے مسلمانوں کے گھروں میں گھس گھس کر مسلمانوں کو گولیوں اور سنگینوں سے ہلاک کیا۔ عورتوں اور بچوں تک میں امتیاز روا نہ رکھا اور ان بستیوں کے مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ گھر بار چھوڑ کر پرانے قلعہ کے کیمپ میں چلے جائیں' جہاں دوسرے محلوں کے مسلمان پناہ گزین جمع ہو رہے تھے۔ مسلمان خواتین ننگے سر اور ننگے پاؤں پرانے قلعہ کی طرف چلنے پر مجبور کر دی گئیں۔ فوجی سپاہی گولیاں چلا رہے تھے۔ ہندو اور سکھ

غنڈے منظم طریق سے مسلمانوں کو لوٹ رہے تھے اور خوبرو عورتوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر لے جا رہے تھے۔ یہ قافلہ باڑہ ہندو رائے کی طرف گیا، رات وہاں بسر کی۔ اگلے دن صبح کے وقت ملٹری نے اسے پھر تنگ کیا اور پرانے قلعہ کی طرف با پیادہ جانے کیلئے مجبور کر دیا

قرول باغ پر حملہ ہوا، وہاں بڑی شدت اور بے دردی سے مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔ قرول باغ میں کوئی دو ہزار مسلمان مرد، عورت اور بچے کاٹ دیئے گئے۔ بچوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے عورتوں کی گود میں دے دیئے گئے اور ان سے کہا گیا کہ یہ قربانی کا گوشت کھاؤ۔ عورتوں کے سر کے بال ان کی ٹانگوں سے باندھ کر انہیں چھت کے ساتھ لٹکا دیا گیا اور نیچے آگ جلا دی۔ اس کے بعد پہاڑ گنج پر حملہ ہوا۔ جاٹ رجمنٹ کے سپاہیوں نے گھروں میں گھس کر ہلاکت برسائی اور مکانوں کو آگ لگا دی۔ جو لوگ نکلے ان کی تلاشی لی گئی۔ عورتوں کے زیور اُتروا لئے گئے۔ بعض صورتوں میں تو عورتوں اور مردوں کے کپڑے تک اُتروا کر انہیں مادرزاد برہنگی کے عالم میں پرانے قلعہ کی طرف روانہ کیا گیا۔

اس کے بعد ترکمان دروازہ اور بندوق والی گلی پر حملہ ہوا۔ ہندو اور سکھ کوٹھوں پر چڑھ کر مسلمانوں پر گولیاں برسا رہے تھے۔ سڑک پر سکھ اور گورکھے فوجی مسلمانوں کو مار رہے تھے۔

بہادر گڑھ، نزیلہ، پنجاب، کھڈرا، فرید آباد، شاہدرہ، سبزی منڈی، مہرولی وغیرہ پر شدید حملے ہوئے اور مسلمانوں کو تاراج کر کے انہیں گھروں سے اُٹھا دیا۔ ہفتہ ۱۳ ستمبر کو نئی دہلی میں مسلمانوں پر آفت ٹوٹی۔ لودھی روڈ، کناٹ پیلس، مایا روڈ، راجپوت روڈ، بابر روڈ، بیرن روڈ، ترکمان روڈ اور سرکلر روڈ پر مسلمانوں کے کوارٹر، مکان، دکانیں اور کوٹھیاں لوٹی گئیں۔ عورتوں کی عصمت ریزی کھلے بندوں کی گئی۔ یہاں بھی سفاکی اور درندگی

کے بدترین مظاہرے کئے گئے۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے جنینوں کو نیزوں پر لٹکایا اور کہا کہ پاکستان کا جھنڈا بن گیا۔ بچوں کے گوشت کے ٹکڑے ان کی ماؤں کے منہ میں ٹھونسے گئے۔ اگلے دن چاندنی چوک پر حملہ ہوا اور گھنٹہ گھر سے آگے مسلمانوں کی تمام دکانیں لوٹ لی گئیں۔ صرف کوچہ رحمان سے بلی ماراں تک مسلمانوں کی دکانیں بچی رہیں۔ بلی ماراں سے آگے اور کھاری باؤلی میں تمام دُکانیں لوٹ لی گئیں۔ اللہ دیئے کے کٹڑے میں مسجد ڈھادی گئی۔ نیل کے کٹڑہ کی دو مسجدیں مندروں میں تبدیل کر لی گئیں۔ پہاڑ گنج کی بڑی مسجد کو دھرم شالا بنایا۔ کوچہ اُستاد داغ میں جہاں میرا مکان تھا' ہندو پولیس نے مسلمانوں کے مکانوں کی تلاشیاں لیں اور بچوں کو دیواروں کے ساتھ ٹکرا ٹکرا کر ہلاک کیا۔ شہر کے اندر ہندوؤں اور سکھوں کے دو کیمپ تھے' وہاں سکھ اور ہندو مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر لے جاتے تھے اور بکروں کی طرح ذبح کر دیتے تھے۔ مسلمانوں کو خیمے کی میخوں سے باندھ کر اپنے بچوں سے کہتے تھے کہ ان پر تلوار چلاؤ یا ان کو نیزے سے مارو۔

دفیدار بشیر احمد صاحب جو ویسرائے کی باڈی گارڈ میں تھے' رقمطراز ہیں:

سات ستمبر کو مجھے اور میرے چند ساتھی جوانوں کو حکم ملا کہ دہلی میں گڑبڑ شروع ہوگئی' اس لئے وہاں جاؤ۔ ہمارے جوانوں کی ایک پارٹی پیدل اور ایک جمعیت آرمرڈ کار پر دہلی پہنچی۔ ہماری ڈیوٹی پہاڑ گنج میں لگی۔ اس وقت پہاڑ گنج کے مسلمان بڑی دردناک مصیبت میں پھنسے ہوئے تھے۔ ہاؤ ہو کا شور برپا تھا' ہندو اور سکھ جتھے مسلمانوں کو بے دردی کے ساتھ قتل کر رہے تھے۔ مسلمان بدحواس ہو کر بھاگ رہے تھے۔ ان کو پیچھے سکھ ننگی تلواریں لئے انہیں قتل کرتے آ رہے تھے۔ جب بھاگتے ہوئے مسلمانوں کو علم ہوا کہ لیڈی ہارڈنگ ہسپتال کے قریب مسلمان فوجیوں کی گارد لگی ہے تو

وہ اس طرف آنے لگے اور آدھ گھنٹہ میں وہاں کوئی پندرہ ہزار پناہ گزین جمع ہو گئے۔ سکھوں نے پیچھے سے ان پر بھی حملہ کر دیا۔ گارد نے ان پر گولی چلائی، کئی سکھ گرا لئے۔ یہ حال دیکھ کر وہ بھاگ گئے۔ انہوں نے ہندو رجمنٹ کے سکھ کیپٹن کو رپورٹ دی کہ ہسپتال کے قریب مسلمان فوجیوں کی ایک جمعیت ہے، جس نے سکھوں کا ستیاناس کر دیا ہے۔ اس کپتان نے ہمارے اوپر ایک ہندو دستہ متعین کر دیا اور ان کو حکم دے دیا کہ اگر یہ مسلمان کسی سکھ یا ہندو کو گولی کا نشانہ بنائیں تو ان پر برین گن سے فیر کر دینا۔ اسی اثناء میں ہمارا انگریز کمان افسر وہاں پہنچ گیا۔ اس نے ہمیں وہاں سے نکالا اور پناہ گزینوں کو پہاڑ گنج سے باہر لے جا کر ایک کیمپ لگا دیا۔ حفاظت کیلئے گارڈ متعین کر دی۔ اس گارڈ کا کمانڈر میں تھا۔ رات بھر ہمارے جوان آرمرڈ کار میں بیٹھ کر کیمپ کے گرد چکر لگاتے رہے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ پہاڑ گنج کے اندر مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ رہی ہے۔ ہندو اور سکھ مسلمانوں کے گھروں میں گھس گھس کر انہیں قتل کر رہے ہیں۔ کرفیو آرڈر کے باعث مسلمان گھروں سے باہر نہیں نکل سکتے لیکن ہندو اور سکھ کھلے بندوں اپنا کام کر رہے تھے۔ حملہ کرنے والوں کی تین پارٹیاں تھیں۔ ایک پارٹی شہید کرنے والوں کی تھی۔ دوسری لوٹنے والوں کی اور تیسری آگ لگانے والوں کی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ہندو ایک مسجد کو آگ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں، میں نے اُن پر فیر کئے وہ بھاگ گئے لیکن ایک ہندو کیپٹن نے کہا کہ یہ تمہارا علاقہ نہیں اس لئے تم یہاں سے چلے جاؤ۔ مجھے مجبوراً واپس آنا پڑا۔

آٹھ ستمبر کو مجھے حکم ملا کہ تم اپنے جوانوں کی ایک مسلح کار اور سکھ جوانوں کی ایک مسلح کار لے کر پٹیل کی کوٹھی پر رپورٹ کرو۔ ۹ بجے جا کر رپورٹ کی۔ وہاں سے بلدیو سنگھ اور پٹیل ایک موٹر کار میں بیٹھ کر گشت کیلئے روانہ ہوئے۔ ہماری مسلح کار آگے اور

سکھ گارڈ والی پیچھے تھی۔ وہاں سے ہم سیدھے کناٹ پلیس پہنچے' وہاں جا بجا لاشیں پڑی تھیں۔ مسلمانوں کے سروں کی ٹوپیاں اور عورتوں کے برقعے خون میں لت پت ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی دکانیں لوٹی ہوئی تھیں اور ان میں اکثر جلائی جا چکی تھیں۔ بلدیو سنگھ اور پٹیل کار میں بیٹھے زور زور سے قہقہے لگا رہے تھے۔ کناٹ پلیس سے ہم پہاڑ گنج پہنچے' وہاں میں نے رات کو جو کیفیات دیکھیں ان سے تین گنا زیادہ دن کو دیکھیں۔ سڑکوں پر لاشیں اس کثرت سے پڑی تھیں کہ گاڑیوں کا گزرنا مشکل ہو رہا تھا۔ پولیس اور فوج کے سپاہی بھنگیوں سے لاشیں اُٹھوا اٹھوا کر انہیں آگ لگوا رہے تھے۔ میں نے قہقہہ کی زوردار آواز سن کر پیچھے کی طرف دیکھا کہ بلدیو سنگھ نے قہقہہ مار کر پٹیل کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پٹیل نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ یہ کیفیت دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

وہاں سے ہم قرول باغ اور ملتانی ڈھانڈا کی طرف نکلے' وہاں زمین کے اُوپر ایک ایک گز کے فاصلے پر لاشیں پڑی تھیں' کئی جگہ لاشوں کے ڈھیر لگا کر ان پر کوڑا کرکٹ پھینک رکھا تھا۔ گندے پانی کی نالیوں میں خون جم کر رہ گیا تھا۔ اُدھر سے ہم سبز منڈی کی طرف گئے' وہاں پہاڑ گنج سے بھی زیادہ ہولناک نظارے دیکھنے میں آئے۔ وہاں ہم نے گاڑیوں کو روکا کیونکہ لاشوں کی وجہ سے راستہ نہیں تھا۔ ایک سڑک کے دہنے موڑ پر میں نے دیکھا کہ قریباً ایک سو بچوں کی لاشیں یکجا اکٹھی کی ہوئی تھیں۔ ایک سکھ دکاندار قرآن پاک کے اوراق میں سوڈا ڈال ڈال کر بیچ رہا تھا۔ ایک عورت کی برہنہ لاش اس کی دکان کے سامنے پڑی تھی۔ پٹیل اور بلدیو سنگھ یہاں سے واپس چلے گئے۔ وہاں سے مجھے حکم ملا کہ تم اپنی آرمرڈ کار لے کر ترکمان دروازہ کو جاؤ۔ وہاں گورکھے متعین تھے اور کرفیو لگا ہوا تھا۔ گورکھے شرابیں پی رہے تھے اور گلیوں میں ٹہل

رہے تھے۔ انگریز افسر کو میں نے حکم دکھایا کہ اس محلّہ پر میری ڈیوٹی لگی ہے۔ اس پر اس افسر نے گورکھوں کو رخصت کر دیا۔ محلّہ کے ہندوؤں نے مجھے ڈوگرا خیال کیا۔ اس لئے وہ آ کر کہنے لگے کہ ہم تمہیں شراب وغیرہ دیتے ہیں۔ ایک کمرے میں بیٹھ کر دادِ عیش دو۔ میں نے انہیں جانے کیلئے کہا' وہ نہ ٹلے۔ اس پر میں نے ان پر دو فیر کیئے۔ وہ سب بھاگ گئے۔ مسلمان چار دن سے گھروں میں بند تھے۔ میں نے انہیں خورد نوش کی اشیاء جمع کرنے کی اجازت دے دی۔ مسلمانوں نے مسجدوں میں جمع ہو کر نوافل اور اوراد پڑھے۔ شام کو انگریز افسر مجھے ساتھ لے کر حوض قاضی کی طرف گیا' وہاں ہندوؤں نے ایک بڑا لنگر جاری کیا ہوا تھا۔ مٹھائی اور پوری تقسیم ہو رہی تھی۔ میں نے وہاں سے کچھ نہ کھایا اور ترکمان گیٹ میں واپس آنے پر مسلمانوں نے مجھے اور میرے ساتھی جوانوں کو کھانا کھلایا۔ رات وہاں امن سے گزری' اگلے روز مجھے پہاڑ گنج کے پناہ گزینوں کے کیمپ میں جانے کا حکم ملا۔ اُس روز پناہ گزینوں کو لاریوں میں بٹھا بٹھا کر ہمایوں کے مقبرہ میں پہنچایا جا رہا تھا۔ ایک ایک لاری میں تین تین سو مرد عورت اور بچے ٹھونسے جا رہے تھے۔ لاریوں پر سوار کرانے سے پہلے تلاشی لی جاتی تھیں۔ لاریاں دو دو گھنٹے دھوپ میں کھڑی رہتی تھیں۔ بچے پانی مانگتے تھے تو انہیں جھڑک دیا جاتا تھا۔ شام کے قریب سو لاریاں چلائی گئیں اور حضرت خواجہ نظام الدین کے مزار کے سامنے کھڑی کر دیں۔ اس وقت بارش ہو رہی تھی۔ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ پناہ گزین چیخنے چلانے لگے۔ یہ لاریاں واپس لائی گئیں۔ میں نے اپنی آرمرڈ کار کی سرچ لائٹ کی مدد سے ان سب کو کیمپ کی چار دیواری میں داخل کیا۔ ہم رات کے گیارہ بجے تک یہ کام کرتے رہے۔

اگلے روز ہمیں حکم ملا کہ پرانے قلعہ میں جا کر پناہ گزینوں کے کیمپ کی حفاظت کرو۔ وہاں پہنچ کر میں نے قلعہ کی چار دیواری کے گرد چکر لگایا۔ جنوب کی جانب جنگل

میں پناہ گزینوں پر حملہ کرنے کیلئے ہندوستان اور سکھوں کا ایک ہجوم اکٹھا ہو رہا تھا۔ میں نے اس پر فیر کر کے انہیں وہاں سے منتشر کر دیا۔

اس سے اگلے دن فیض بازار میں میری ڈیوٹی لگی، وہاں مسلمانوں کی تلاشیاں ہو رہی تھیں۔ سبزی کاٹنے کی چھریاں، بچوں کے کھیلنے کی ائیر گن یا پانی کے نل کی نالی ملتی تھی تو اسے بھی اسلحہ تصور کیا جاتا تھا۔ اگلے دن اخباروں نے چھاپا کہ فیض بازار کے مسلمانوں کے گھروں سے تلواریں اور رائفلیں برآمد ہوئیں اور ۱۸ انچ دہانہ کی ایک توپ بھی ملی۔ یہ سب جھوٹ تھا، وہاں سے کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ملی تھی۔

اس کے اگلے دن مجھے شاہدرہ جانے کا حکم دیا گیا۔ وہاں میں نے ایک شہید کی ہوئی مسجد دیکھی، جس کا نام ونشان تک مٹا دیا گیا۔ میں نے شہر کا چکر لگایا، وہاں مجھے کوئی مسلمان نظر نہیں آتا تھا۔ دکانیں لوٹی ہوئی اور جلائی ہوئی تھیں۔ مسلمان کئی مقامات پر چار دیواری کے اندر بند تھے، چار دن سے انہیں کھانے پینے کو بھی کچھ نہیں ملا تھا۔ میں نے بعض جگہ کے پناہ گزینوں کیلئے راشن حاصل کرنے کا بندوبست کیا۔ پانچ دن کے بعد دہلی میں کچھ امن ہو گیا پھر ہم لوگ شہر نہ جا سکے۔

پیر عرفان احمد قریشی فہمی اپنے بیان میں لکھتے ہیں:

فتح پوری کی مسجد میں پانچ ستمبر کو بم پھینکا گیا، اس کے بعد شہر بھر میں اسی گھنٹہ کا کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ اس کرفیو کے دوران میں حکومت نے حملہ آوروں اور ملٹری کی مدد سے مسلمانوں کی تمام بڑی بڑی بستیاں جو شہر سے دور تھیں، خالی کرا لیں۔ سبزی منڈی، قرول باغ، لاری اڈا اور نبی کریم وغیرہ میں بہت تباہی مچائی۔ صبح کے وقت دو گھنٹہ کے لئے کرفیو کھلتا تھا تو ہزاروں کی تعداد میں مسلمان قافلوں کی صورت میں فراش خانے سے گزرتے تھے۔ فراش خانہ، تیاریاں اور بلی ماراں کے محلے ابھی تک بچے ہوئے تھے

لیکن وہاں کے مسلمان بھی سر سے کفن باندھے بیٹھے تھے۔ دس دسمبر تک سبزی منڈی، پہاڑ گنج، نبی کریم، قرول باغ اور نئی دہلی میں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔ ان علاقوں میں ایک مسلمان بھی باقی نہ رہا۔

میں نے عیدگاہ کے کیمپ کو دیکھا، وہاں ایک لاکھ کے قریب مسلمان جمع تھے۔ ہر خاندان اپنے اپنے شہیدوں کا ماتم کر رہا تھا۔ ان کے پاس نہ کھانے کو کچھ سامان تھا، نہ اوڑھنے کو کپڑا، نہ طبی امداد ملتی تھی، پانی بھی بہت کم یاب تھا، عورتوں کے سروں پر برقعے تو کجا دوپٹے تک نہ تھے۔ وہ بیبیاں جن کا آنچل تک کسی نے نہ دیکھا تھا، آسمان کی چھت کے نیچے بھوکی پیاسی پڑی تھیں۔

۱۸ ستمبر کو رات کے ۱۲ بجے ہندو ملٹری نے اونچی اونچی عمارتوں پر چڑھ کر مسلمانوں کے گھروں پر گولیوں کی بارش شروع کر دی۔ یہ حال دیکھ کر میں نے اپنے کنبے کے افراد کو لے کر پرانے قلعہ کے کیمپ میں چلا گیا۔

اتفاق سے اُس روز ایک اسپیشل لاہور جا رہی تھی، میں نے اس اسپیشل میں اپنے تمام خاندان کو صرف چند بستر اور چند پہننے کے کپڑے دے کر سوار کرا دیا، اور میں خود پرانے قلعے میں ٹھہر گیا۔

یہ ٹرین مورخہ ۱۹ ستمبر کو دہلی نظام سے ۱۱ بجے چلی تھی اور چھ روز بعد لاہور اس حالت میں پہنچی کہ ۶/۱ حصہ بھوک پیاس سے مر چکا تھا۔ کچھ مہاجر حملے میں مارے گئے۔ واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ گاڑی کا سکھ ڈرائیور اسے اس قدر آہستہ چلاتا تھا کہ پیدل آدمی بھی اس سے تیز چل سکتا تھا۔ بیاس کے اسٹیشن پر یہ گاڑی چھٹے دن پہنچی۔ ڈوگرا فوج اتر کر نیچے کھڑی ہو گئی۔ رات کے ۹ بجے گاڑی پر مسلح سکھوں نے دونوں طرف سے حملہ کر دیا۔ ایک پارٹی دور سے گولیاں چلا رہی تھی، دوسری بلم اور تلوار سے کاٹ رہی تھی، تیسری

پارٹی لوٹ رہی تھی، چھ گھنٹے تک گاڑی پر حملہ ہوتا رہا۔ میرے خاندان کے تمام افراد بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو کر نیم بیہوشی کی حالت میں پڑے تھے۔ بچے سسک رہے تھے، گاڑی میں ایک گلاس پانی ۳۰۰ روپوں تک فروخت ہوا۔ فروخت کرنے والے بھی ہم میں سے ہی تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان غداروں کو سزا بھی اس وقت دے دی۔ میرے بہنوئی پیر سید احمد کا بیان ہے کہ ہر اُس شخص کے گولی لگی جس نے پانی یا روٹی قیمت لے کر دیا۔ اور وہ تندرست و سلامت گولیوں میں بیٹھے رہے۔ تین ہزار مہاجرین میں سے صرف تین سو یا اس سے کم زندہ بچے، باقی سب کو ظالموں نے شہید کر دیا۔ ان میں سے بھی اکثر زخمی تھے، جس ڈبے میں میرے خاندان کے افراد بیٹھے تھے وہ حملے اور لوٹ سے بچا رہا، کیونکہ اس ڈبے میں تقریباً سب لوگ بے ہوش تھے۔ جن ڈبوں سے غل مچانے کی آواز آتی تھی، حملہ آور اُسی طرف جاتے تھے۔ چھ گھنٹے بعد حملہ ختم ہوا جبکہ محافظ ملٹری کو یہ خبر ملی کہ پیچھے سے ایک اور ٹرین جس میں ”پاکستانی فوج“ ہے، آ رہی ہے۔

کچھ حالات پرانے قلعہ کے بھی سن لیجئے۔ میں وہاں پورے ایک ماہ رہا۔ حکومت کی طرف سے راشن میں پہلے تو چاول تقسیم کئے جا رہے تھے جو کہ انسانوں کے کھانے کے قابل نہ تھے یا چاول کے ٹوٹے ہوئے ذرے جن کو ”کنکی“ کہتے ہیں۔ خیمے صرف ان لوگوں کو دیئے جاتے تھے جن کا کچھ اثر ہوتا تھا یا جو کارکنوں کے عزیز یا دوست تھے۔ غریب اور محتاج لوگ، بارش اور دھوپ میں صرف لکڑی کے تختوں کی جھونپڑیوں میں رہتے تھے۔ پانی کی اس قدر قلت تھی کہ جو بیان نہیں کی جا سکتی۔ ہر شخص کو پیچش ہو گئی تھی۔ ہیضہ اس قدر زوروں پر تھا کہ پرانے قلعے سے باہر ایک بہت بڑا قبرستان آباد ہو گیا تھا۔ راشن دو آدمیوں کو ایک چاول کا ڈبہ (سگریٹ کا ڈبہ) دیا جاتا تھا، اور وہ بھی صرف ایک وقت شام کو، اور وہ بھی بانٹنے والے حضرات کی مہربانی سے خالی ہوتا تھا۔

میرے ماتحت ایک ہزار آدمی تھے جن کو میں راشن تقسیم کرتا تھا۔ سب مفلوک الحال اور زندگی سے بیزار تھے۔ میں نے پرانے قلعے میں بہت سے ایسے خاندانوں کو دیکھا اور ایسی حالت میں دیکھا کہ منہ سے بے اختیار "اللہ الصمد" نکل جاتا تھا۔ میں نے وہاں سینکڑوں ایسی عورتیں دیکھیں کہ جن کے شوہر شہید ہو چکے تھے اور ان کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچے تھے، جن کی دیکھ بھال کرنے والا سوائے خدا کے کوئی نہ تھا۔ یہی حالت ہمایوں کے مقبرہ کے کیمپ میں تھی۔ آخر مورخہ ۱۹؍اکتوبر کو میں اسپیشل میں سوار ہو کر ۲۰؍اکتوبر کو ۶ بجے شام مغل پورہ اُترا۔

جناب نوشے خاں صاحب موٹر ڈرائیور رقمطراز ہیں:

اگست کے مہینے میں میں اپنی ٹیکسی پر مسافروں کو بٹھا کر دہلی سے باہر لے جایا کرتا تھا۔ راستے میں اکثر دیہات جلے ہوئے اور برباد حالت میں نظر آتے تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوتا تھا کہ یہ مسلمانوں کے گاؤں تھے، جنہیں ہندوستان نے تباہ و برباد کر دیا ہے اور مسلمانوں کو مار دیا ہے۔ ڈوگرا ملٹری مسلمانوں پر گولیاں چلاتی تھی اور ان کے گاؤں کو جلا دیتی تھی۔ ۵ ستمبر کو دہلی میں مسلمانوں پر حملے شروع ہوئے (نوشے خاں صاحب نے اس کے بعد وہی کیفیات بیان کی ہیں جو اوپر کے بیانات میں آچکی ہیں، مؤلف)

۱۴ ستمبر کو پی ڈبلیو ڈی کے ملازموں کی ایک اسپیشل ٹرین نظام الدین اسٹیشن سے چلی، میں بھی اُس پر سوار ہو گیا۔ یہ گاڑی مختلف اسٹیشنوں پر ٹھہرتی ہوئی برنالہ پہنچی جو ریاست پٹیالہ میں واقع ہے۔ یہاں گاڑی تین گھنٹہ کھڑی رہی۔ ڈوگرا گارد کے انگریز کمانڈر سے اسٹیشن ماسٹر سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ گاڑی غلط لائین پر آگئی ہے اس لئے واپس جائے گی۔ اندریں اثناء بہت سے ہندو اور سکھ جو بھالوں، نیزوں اور تلواروں سے مسلح تھے، وہاں جمع ہونے لگے۔ کمانڈر کے اصرار پر گاڑی آہستہ آہستہ چلی

اور سگنل پر جا کر رُک گئی۔ اسٹیشن ماسٹر نے حملہ آوروں کو اس مقام پر جمع ہونے کیلئے کہہ رکھا تھا۔ انہوں نے ٹرین پر حملہ کیا' ڈوگرا فوج نے گولی چلانے سے انکار کر دیا۔ انگریز کمانڈر نے فیر کئے اور حملہ آور پیچھے ہٹ گئے۔ گاڑی وہاں سے چلی۔ اسی طرح راستے میں تین چار جگہ حملے کے خطرے پیش آئے اور گاڑی ۴۸ گھنٹہ کے بعد قصور پہنچی۔

جناب اشفاق احمد صاحب ٹیلر ماسٹر رقمطراز ہیں:

۵ ستمبر سے ۹ ستمبر تک ہمارے مکان واقعہ بیر ڈروڈ نئی دہلی میں کوئی سات سو مسلمان پناہ گزین جمع ہو گئے کیونکہ پرانی اور نئی دہلی میں مسلمانوں کا قتل عام جاری تھا۔ ہم لوگ چار دن تک بے آب و دانہ اپنے مکان میں بند رہے۔ ہمارے مکان کے دونوں طرف مشین گن لگا دی گئی۔ سڑکوں پر سینکڑوں لاشیں پڑی نظر آ رہی تھیں۔ چوتھے روز ہم نے مکان کی پچھلی دیوار توڑی اور ادھر سے نکل کر ہم جامع مسجد کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ راستے میں ہم پر شدید حملے کئے گئے۔ سات سو میں سے چار سو مسلمان چاندی والوں کے محلہ میں محصور ہو گئے۔ ہندو مکانوں کو آگ لگا رہے تھے۔ اس لئے رات کے دوران میں کئی مکان بدلنے پڑے۔ صبح کو وہاں سے چلے اور گلیوں میں سے گزرتے ہوئے کسیرو والے محلہ میں پہنچے تو دیکھا کہ بہت سے سکھ ننگی تلواریں لئے قطار باندھے کھڑے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر ہماری جمعیت کے ڈھائی سو مسلمان واپس محلے میں چلے گئے اور باقی آگے نکل کر فراش خانہ میں پہنچ گئے۔ ہمارے ساتھ ایک رائفل والا مسلمان جوان تھا' جس نے خاکی وردی پہن رکھی تھی اس لئے ان سکھوں نے ہم سے کوئی تعرض نہ کیا۔

کسیرو والے محلہ میں ہندو اور سکھ بڑے منظم طریق سے کام کر رہے تھے۔ ایک ٹولی ہندوؤں کی تھی' جنہوں نے اپنے بازوؤں پر سفید پٹی باندھ رکھی تھی۔ یہ ٹولی مسلمانوں کو لوٹ رہی تھی اور مال ہتھیانے کے بعد مسلمانوں سے کہتی تھی کہ اس پتلی گلی کی راہ سے

نکل جاؤ۔ پتلی گلی کے باہر سکھوں کا گروہ کھڑا تھا' جس نے سرخ پٹی باندھ رکھی تھی۔ یہ گروہ مسلمانوں کو قتل کر رہا تھا۔ تیسرا گروہ مسلمانوں کا ہمدرد بن کر انہیں گھروں سے باہر نکال رہا تھا اور سکھوں کے ہاتھ سے قتل کرا دیتا تھا۔ جو مسلمان چاندی والوں کے محلّہ میں محصور ہو گئے تھے' ان کو نکالنے کیلئے بڑی جدوجہد کی گئی' اور ہندو حکام جواب دیتے تھے کہ ہمیں فرصت نہیں' مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔

تیسرے دن فراش خانہ میں بھی بھاگڑ مچ گئی اور میں اپنے خاندان کے افراد کو لے کر حوض قاضی اور چاوڑی بازار سے ہوتا ہوا جامع مسجد میں پہنچا۔ راستے مسلمانوں کی لاشوں سے پٹے پڑے تھے۔ ہندو اپنے کوٹھوں پر سے فیر کر کے مسلمانوں کا شکار کھیل رہے تھے۔ جامع مسجد سے تانگوں پر سوار ہو کر پرانے قلعہ کو جانے کا خیال تھا لیکن تین تانگے والے خون میں لت پت واپس آئے دیکھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم سواریاں لے کر جا رہے تھے کہ دریا گنج میں حملہ ہوا اور بارہ قصاب جو تانگوں میں بیٹھے تھے' قتل کر دیئے گئے۔ لاری کرایہ پر لے کر پرانے قلعہ پہنچے۔ ایک ہفتہ بعد مسٹر انور ہسپتال سے ڈسچارج ہو کر آئے۔ انہوں نے بتایا کہ چاندی والوں کے محلّہ میں ہمارے قافلہ کے جو ڈھائی سو مسلمان محصور ہو گئے تھے وہ سب قتل کر دیئے گئے۔ ان میں سے میں ہی بچ کر آیا ہوں۔ ملٹری کے ایک مسلمان سپاہی نے مجھے اُٹھا کر ہسپتال پہنچایا تھا۔ میں لاشوں کے ڈھیر میں پڑا دیکھ رہا تھا کہ جو زخمی مسلمان سسکتا ہوا اور دم توڑتا ہوا نظر آتا تھا اسے بھی لٹھ مارتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ سوّرا ابھی تک زندہ ہے۔ وہ پٹرول لینے کیلئے گئے تو میں رینگتا ہوا ایک جلے ہوئے مکان میں روپوش ہو گیا' جہاں سے ایک فوجی سپاہی نے مجھے ہسپتال پہنچایا۔

سردار قریشی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

۵ ستمبر کی رات کو ایک بجے کے قریب نئی دہلی ریلوے اسٹیشن کی طرف شور و غل

بلند ہوا اور ہمارے محلے میں بھی نعرے لگنے لگے۔ بازار میں لکڑی چلنے کی آواز ایک گھنٹہ تک برابر آتی رہی، پھر مکمل سکون ہو گیا اور ہم لوگ گلی اور کٹڑہ میں پہرے بٹھا کر آرام سے سو گئے۔ اگلے دن شام کے وقت کرفیو کے باوجود صدر اور منڈی کی طرف شعلے بلند ہوتے دکھائی دینے لگے۔ اس سے اگلے دن یعنی ۷ ستمبر کو جب صبح کے وقت دو گھنٹہ کیلئے کرفیو کھلا تو کھنہ ٹاکیز کی طرف لوٹ مار شروع ہو گئی اور جنرل مارکیٹ میں بے پناہ آگ لگا دی گئی۔ دس بجے سے فائر شروع ہوئے جو دن بھر جاری رہے۔ ایک نوجوان یٰسین نام میری چھت پر بیٹھا حالات کی دیکھ بھال کر رہا تھا اس کے سینے میں گولی لگی، وہ تڑپ کر نیچے گرا اور جاں بحق تسلیم ہو گیا۔ ۸ ستمبر کو صبح پانچ بجے سے گولیاں چلنی شروع ہو گئیں۔ فائرنگ اس زور کا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ملطولہ کی جانب سے ہمارے کٹڑہ پر بم برسائے جا رہے تھے۔ ہندو ملٹری نے بڑی مسجد کے برجوں کے پاس کھڑے ہو کر گھروں کے اندر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ مسلمان مرد، عورتیں اور بچے شہید ہونے لگے۔ میں نے حکیم جی کے گھر کی دیوار توڑ کر کٹڑے کے اندر جانے کا راستہ بنایا۔ اس راہ سے گلی کی تمام عورتیں اور بچے کٹڑہ میں چلے گئے۔ وہاں سے ایک دیوار توڑ کر سب کو ڈور والی گلی میں ڈال دیا۔ میں نے قیمتی کپڑوں کی ایک گٹھڑی اور تمام نقدی اپنی بیوی کے سپرد کر دی اور اسے اپنے تمام عزیزوں اور رشتہ داروں کے نام اور پتے لکھ دیئے اور کہہ دیا کہ اگر میں مارا جاؤں یا تم سے الگ ہو جاؤں تو ان میں سے کسی کے پاس چلے جانا۔ اس وقت عجیب منظر تھا، مائیں اولاد کا دودھ بخش رہی تھیں، بیویاں شوہروں کو مہر معاف کر رہی تھیں۔ شوہر اپنی بیویوں کی غلطیاں بخش رہے تھے۔ سروں پر سے گولیاں سائیں سائیں کرتی گزر رہی تھیں۔ گھروں کے سائبان اور پردے کی چادریں گولیوں سے تاشوں کی طرف بج رہی تھیں۔ نفسی نفسی کا عالم تھا۔ جب بلوائی

قریب پہنچ گئے تو ایک اور دیوار توڑ کر سب کو چاندی والوں کی گلی میں ڈال دیا۔ میں نے ایک مکان میں پناہ لی۔ سات بجے فائرنگ بند ہوا۔ اطلاع ملی کہ محلہ سنگ تراشاں کے سینکڑوں آدمی کاٹ دیئے گئے ہیں’ ہمارے محلے میں سے ایک لڑکا اور ایک آدمی دکاندار بچ کر آسکے ہیں۔ رات جوں توں کر کے کاٹی۔ ۹ ستمبر کو ہمارے محلہ کے سب لوگ صلاح مشورہ کر کے قافلے کی صورت میں نکل کھڑے ہوئے۔ ادھر سے فائر ہونے لگے۔ جب ہم بازار میں پہنچے تو دیکھا کہ سارا بازار لاشوں سے اور قرآن کریم کے ورقوں سے پٹا پڑا ہے۔ قدم دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ رائے جس کے جتھہ میں ہندو اور سکھ قطاریں باندھے کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اگر واپس آئے تو جان سے مار دیئے جاؤ گے۔ جب نئی دہلی کے اسٹیشن پر پہنچے تو ایک طرف سے قافلے پر گولیاں برسائی جا رہی تھیں’ دوسری طرف تلواروں سے کاٹا جا رہا تھا۔ لوٹ مار مچی ہوئی تھی۔ وہیں سے نورا کی بیوی اور بھاوج کو اٹھا کر لے گئے۔ میں نے اپنا سامان پھینکا’ اور عشرت کو گود میں اُٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ باقی بیوی بچوں کو وہیں چھوڑ دیا’ لوگ کثیر تعداد میں مارے جا رہے تھے۔

جب میں پل کے نیچے پہنچا تو ناصرہ کی آواز آئی’ بابو میاں! میرے اچھے بابو میاں! مجھ کو تو اپنے ساتھ لے چلو۔ اس آواز کا سننا تھا کہ قدم رُک گئے’ مڑ کر دیکھا تو ناصرہ اور اس کی والدہ ننگے پاؤں بھاگی چلی آ رہی تھیں۔ قصہ مختصر ملٹری نے ہم لوگوں کو موتیا کھان کے میدان میں ڈال دیا۔ تین دن وہاں بھوکے پیاسے پڑے رہے۔ پیاس کی شدت سے لوگ مرنے لگے۔ تیسرے روز ایک مسلمان فوجی افسر وہاں آیا’ میری منت وزاری پر وہ ہمیں پرانے قلعہ کو لے جانے پر راضی ہو گیا۔ باقی سب لوگ وہیں پڑے رہے۔ پرانے قلعہ سے جامع مسجد کا راستہ کھلا تھا۔ میرے والدین وہاں ایک رشتہ دار کے گھر پہنچ چکے تھے۔ میں بھی بچوں کو لے کر وہیں چلا گیا اور وہاں سے میں سے بستر کپڑے وغیرہ

ضروری سامان خرید کیا جو کوڑیوں کے مول بک رہا تھا۔ میرے پہنچنے کے چوتھے دن دریا گنج میں بھی قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ چنانچہ اُدھر والے بھی قافلے کی شکل میں پرانے قلعہ کی طرف چل پڑے۔ ایک ہفتہ وہاں رہنے کے بعد میں نے گاڑی میں سوار ہونے کا انتظام کر لیا۔ والدین سے کہا لیکن وہ رضامند نہ ہوئے' ناچار دل پر جبر کر کے بیوی بچوں کو لے کر نظام الدین اسٹیشن سے گاڑی پر سوار ہو گیا۔ کھنہ اسٹیشن تک گاڑی خیریت سے آئی۔ وہاں تین گھنٹہ کھڑی رہی۔ وہاں سے چلی تو تین میل کے فاصلے پر جا کر رُک گئی اور سکھوں نے گاڑی پر حملہ کر دیا۔ ملٹری کی گارڈ نے اس حملے کو پسپا کیا۔ جب ہم لدھیانہ پہنچے تو وہاں چار سو آدمیوں کی لاشیں پڑی ہوئی دیکھیں۔ معلوم ہوا کہ ہم سے پیشتر جو اسپیشل آئی تھی اسے اس مقام پر ختم کر دیا گیا تھا' جہاں ہماری ٹرین پر حملہ ہوا تھا۔ ۲۳ ستمبر کو ہماری گاڑی جالندھر پہنچی۔ وہاں ہم تین دن بھوکے پیاسے پڑے رہے۔ تیسرے روز مسلمان فوجیوں کی ایک اسپیشل آئی' چھ سات سو آدمی زبردستی اس میں سوار ہو گئے۔ عجیب منظر تھا' ماں کو اپنے بچے کی پروا نہ تھی' کسی نے بیوی کو چھوڑا' کسی نے بیٹے کو اور خود سوار ہو گیا۔ گاڑی وہاں سے چلی۔ ٹرین کے اندر فوجی بیٹھے تھے' چھتوں پر پبلک تھی۔ جب گاڑی امرتسر سے گزری تو ٹرین کو اس زور کا جھٹکا لگا کہ کئی آدمی چھتوں پر سے گر کر مر گئے۔ پھر وہاں فائرنگ شروع ہو گیا جو برابر پندرہ گھنٹہ تک جاری رہا۔ ملٹری گارد نے حملہ آوروں کو گاڑی کے قریب نہ آنے دیا۔ ملٹری والے مسافروں کو گاری سے اُتار کر امرتسر لے آئے اور ان سے کہا کہ تمہارے لئے دوسری گاڑی کا انتظام کیا جائے گا' لیکن میں بال بچوں سمیت فوجیوں کی اسی اسپیشل میں ۲۶ ستمبر کو لاہور پہنچ گیا۔

سید محمد ظہیر صاحب لکھتے ہیں:

میں ۲۵ ستمبر کو کلکتہ سے دہلی پہنچا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ میری بیوی بچوں کو

لے کر اپنے بھائی بابو محمد احمد کے ساتھ ۱۹ ستمبر کو اسپیشل پر سوار ہو کر عازم لاہور ہو گئی ہے۔

۳۰ ستمبر کو میرے بڑے بھائی صاحب کا خط میرے منجھلے بھائی صاحب کے نام پہنچا، جس میں تحریر تھا کہ میرے پانچ بچے اور بابو محمد احمد مذکور، ان کی اہلیہ اور تین اور رشتہ دار راستے میں شہید کر دیئے گئے۔ ان کے علاوہ خاندان کی دو عورتیں اور تین مرد زخمی ہوئے، جنہیں خدا نے صحت عطا کر دی۔

جناب امام الدین صاحب رقمطراز ہیں:

ہم سبزی منڈی دہلی کے ساکنین تھے۔ ۸ ستمبر کو ہندو اور سکھ بلوائیوں نے سبزی منڈی پر حملہ کر دیا۔ ہمارے پاس لائسنس کی ایک رائفل اور ایک بندوق تھی، میں رائفل لے کر کوٹھے پر چڑھ گیا۔ آٹھ نو طرف سے ہم پر فائر ہو رہے تھے، میں نے فائر کئے اور کچھ بلوائیوں کو مارا اور زخمی کیا۔ میرے بڑے بھائی فرید الدین بھی بندوق سے فائر کر رہے تھے۔ انہوں نے بھی متعدد بلوائی جہنم رسید کئے۔ اس کے بعد میرے چچا چھت پر آ گئے، جنہوں نے مجھ سے رائفل لے کر خود گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ اتنے میں پولیس آ گئی، اس نے ہم پر فائر کئے لیکن ہم میں سے کسی کو گزند نہ پہنچا۔ پچیس منٹ بعد ملٹری آ گئی۔ والد صاحب کہنے لگے کہ اب ملٹری امن قائم کر کے بلوائیوں کو گرفتار کرے گی لیکن واقعہ اس کے برعکس پیش آیا۔ ملٹری نے آتے ہی بلوائیوں سے پوچھا کہ مسلمانوں کے مکان کون کون سے ہیں اور برین گنوں اور سٹین گنوں سے فائر کرنے لگے۔ ایک گھنٹہ کے فائرنگ کے بعد فوجی سپاہی ہمارے گھر کی چھت پر چڑھ آئے، کچھ دیہاتی بھی ان کے ساتھ تھے۔ ہم کمروں میں دبک کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں چھت پھاڑنے کی آواز آئی، چھت پھاڑ کر پٹرول ڈال دیا گیا اور آگ لگا دی گئی، جب آگ لگی تو ہم سب، جن میں محلّہ کے کچھ لوگ بھی تھے، باہر نکلے۔ ملٹری نے اوپر سے فائر کئے،

میری چچی اور میری پھوپھی جو دونوں کی دونوں حاملہ تھیں’ گولیاں کھا کر شہید ہو گئیں۔ ان کے بعد اور بہت سے مرد’ عورتیں اور بچے شہید ہوئے۔ باقی بھاگ کر دوسرے مکانوں میں چلے گئے۔ جس مکان میں ہم تھے’ وہاں پھر ملٹری پہنچ گئی۔ ملٹری والوں نے کہا کہ تم سب باہر آجاؤ ورنہ ہم تم کو مار ڈالیں گے۔ جب دروازہ کھولا تو انہوں نے گولی چلا دی۔ سامنے میرے والد تھے’ انہیں گولی لگی’ وہ گر پڑے۔ پھر دوسری گولی ماری’ وہ شہید ہو گئے۔ ہم نے کواڑ بند کر لئے۔ ملٹری والوں نے پھر کہا کہ دروازہ کھول کر باہر نکل آؤ تو تمہیں گرفتار کر لیں گے۔ ورنہ جان سے مار دیئے جاؤ گے۔ جب ہم باہر نکلے تو انہوں نے پھر ٹامی گن سے فیر شروع کر دیئے’ کئی آدمی وہیں ڈھیر ہو گئے’ جن میں تین میرے قریبی رشتہ دار تھے۔ پھر ملٹری نے کمرے میں داخل ہو کر فیر شروع کر دیئے۔ میری پھوپھی کی لڑکی شہید ہو گئی اور میرے بڑے بھائی زخمی ہوئے۔ ہم نے صبح چھ بجے سے کچھ نہ کھایا تھا۔ شام کے چھ بج گئے’ میرے چچا کے دو بچے جو ڈیڑھ سال اور ڈھائی سال کے تھے’ پیاس کی شدت سے تڑپ رہے تھے۔ ان کا حلق تر کرنے کیلیے ان کے والد نے پسینہ پونچھ کر انہیں چسایا پھر ان کے منہ میں تھوکا لیکن اس سے کیا بنتا تھا۔ شام کے چھ بجے میں گھر سے نکلا تو ایک جگہ کوئی پچاس مرد’ عورتیں اور بچے جمع تھے’ جو کسی مسلمان فوجی نے گھروں سے نکال نکال کر اکٹھے کئے تھے۔ ان میں میری والدہ اور میرے بعض دیگر اعزہ بھی تھے۔ ہم مکان سے باہر نکلے تو دیہاتی پھر ہم پر ٹوٹ پڑے’ ہم بھاگ کر اس جمعیت تک پہنچ سکے۔ ملٹری نے میرے بڑے بھائی صاحب کو حراست میں لے لیا اور ہم سب کو کہا کہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ ہم نے اصرار کیا کہ ہمیں باڑہ ہندو راؤ کی مسلمان آبادی میں پہنچا دیا جائے۔ بڑی مشکل سے ملٹری والے مانے اور ایک چھوٹے سے قافلے کی صورت میں ہمیں باڑہ ہندو راؤ میں لے گئے

مہرولی شریف قطب صاحب

حضرت خواجہ شاہ فقیر محمد بشیر صاحب شیخ طریقت خانقاہ چشتیہ قطبیہ تحریر فرماتے ہیں:

مہرولی شریف دہلی سے سولہ میل کے فاصلہ پر مسلمانوں کا ایک قصبہ تھا، جو کسی زمانے میں قطب مینار کا بہت بڑا شہر رہ چکا تھا۔ مسلمانوں نے اپنے ہفت صد سالہ دور حکمرانی میں یکے بعد دیگرے دہلی کے جو سات شہر آباد کئے ان میں پہلا شہر یہی تھا۔ یہ شہر اسلامی ہند کی تاریخ میں سیاسی اور روحانی دونوں قسم کی حیثیتوں سے بہت بڑی اہمیت وعظمت کا مایہ دار رہ چکا تھا۔ ترک سلاطین کے عہد میں ہندوستان کی اسلامی حکومت کا پایہ تخت یہیں ہوا کرتا تھا اور اس کے علاوہ اس شہر کو ہندوستان میں اسلام کا روحانی اور ثقافتی مرکز ہونے کی اہمیت حاصل تھی۔

مہرولی کو عظمت اسلام کی بڑی بڑی یادگاریں رکھنے کا فخر حاصل ہے، جن میں قطب مینار، مسجد قوۃ الاسلام، سلطان شمس الدین التمش کا مزار، سلطانہ رضیہ کا مزار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ اسلامی تاریخ کے بعض دیگر اعاظم رجال کے مقبرے، شاندار عمارتیں اور فن تعمیر کی نادر روزگار یادگاریں وہاں موجود ہیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ مہرولی شریف میں قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کی درگاہ ہے، جو سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین سنجری اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے اور بڑے خلیفہ تھے۔ درگاہ شریف میں منقش اور رنگین ٹائلوں کی خوبصورت دیواروں کے آثار جو بارھویں صدی مسیحی میں شاہانِ اسلام نے ہندوستان میں اسلامی تہذیب کے نشر وفروغ کی یادگار کے طور پر بنوائی تھیں، اب تک باقی ہیں۔ مزار شریف اور اس کی منقش دیواریں

فن تعمیر کے نوادر میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری ۱۱۹۳ء میں سلطان شہاب الدین محمد غوری کی معیت میں ہندوستان میں تشریف لائے تھے اور دین اسلام کی تبلیغ کیلئے اجمیر شریف کو مرکز بنا کر بیٹھ گئے۔ آپ نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا خلیفہ بنا کر دہلی میں بٹھا دیا تھا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ بہت جلد ضیائے اسلام کا مینار بن گئے اور ان کی وفات کے بعد ان کا مزار بھی خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی طرح مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کیلئے زیارت گاہ بن گیا۔

قطب مینار راور مسجد قوۃ الاسلام کی تعمیر بلاشبہ ہندوستان کے پہلے مسلمان سلطان قطب الدین ایبک نے شروع کرائی لیکن مینار کو قطب مینار حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے قطب الاقطاب ہونے کے صدقے میں کہا جاتا ہے۔ مہرولی میں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا مزار بھی ہے' جنہوں نے پہلے پہل ہندوستان میں علم حدیث کو فروغ دیا۔ غرض مہرولی قطبؒ مینار کے اس پرانے عظیم شہر کا قلب ہے' جس میں اولیائے کرام' سلاطین عظام' شہدائے دین اور علمائے مبین کے مقبرے اور یادگاریں میل ہا میل تک پھیلے ہوئے ہیں۔ موجودہ قصبہ میں آبادی کی غالب اکثریت مسلم تھی' اس کے اکثر خاندان چھ یا سات صدیوں سے وہیں آباد چلے آ رہے تھے۔ یہ خاندان قطب صاحب کی درگاہ سے تعلق رکھنے والے اولیاء اللہ' علماء' خلفاء اور خدام کی اولاد تھے۔ چونکہ مہرولی شریف کو ہندوستان کے مسلمان عزت و عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور جوق در جوق زیارت کیلئے آیا کرتے تھے' اس لئے مہرولی کے مسلمان متمول اور خوشحال بن گئے تھے۔ ان میں سے اکثر بہت اچھا کاروبار کر رہے تھے۔ اس قصبہ کے ہندو اور مسلمان کامل اتحاد' یک جہتی اور امن کے ساتھ زندگی بسر کرتے چلے آ رہے تھے۔ قصبہ میں مسلم آبادی کی غالب اکثریت تھی اور انہیں ہندوؤں سے کسی قسم کی پرخاش اور شکایت نہ تھی۔

۲۹راگست ۱۹۴۷ء کو مہرولی کے ایک سرکردہ ہندو مہاجن نے حاجی عبدالغنی متولی مسجد کو شہنشاہ اکبر کے سوتیلے بھائی ادھم خان کے مزار کے دروازے پر مل کر بتایا کہ مہرولی میں فرقہ وار فساد ہو جانے کا خطرہ ہے۔ لہٰذا مجھے ڈر ہے کہ میں نے جو قرضے لوگوں کو دے رکھے ہیں' وہ سب مارے جائیں گے۔ جب اس سے دریافت کیا گیا کہ آپ کس بناء پر فساد کا خطرہ محسوس کر رہے ہیں تو اس نے بتایا کہ دہلی کا ڈپٹی کمشنر مسٹر رندھاوا یہاں آیا تھا اور کہہ گیا ہے کہ پانچ ہزار سکھ پناہ گزینوں کو مہرولی میں آباد کرنے کی تجویز منظور ہو چکی ہے۔ مہاجن نے کہا کہ سکھ پناہ گزین جہاں جاتے ہیں فسادات کو اپنے ہمراہ لے جاتے ہیں' اور جہاں فسادات ہوں' وہاں میرے کاروبار کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ حاجی عبدالغنی نے یہ بات مجھے بتائی' اس کے ساتھ ہی مجھے یہ اطلاع بھی ملی کہ پنجاب کے سکھ یوسف سرائے میں اور مہرولی کے نزدیک بعض دوسرے مقامات پر جمع ہو رہے ہیں۔ چند دن بعد سکھوں کے اس اجتماع کے باعث مہرولی سے دہلی کو جانے کا راستہ پُرخطر ہو گیا کیونکہ وہ راستہ چلنے والے اِکا دُکا مسلمان کو قتل کر دیتے تھے۔

۸ستمبر کو علی الصبح پانچ بجے پچاس ہزار سکھوں' ہندو جاٹوں اور دوسرے ہندوؤں کے ایک جمِ غفیر نے مہرولی پر آناً فاناً دھاوا بول دیا اور مسلمانوں کے محلوں پر ٹوٹ پڑے۔ حملہ آوروں میں سکھ سب سے آگے تھے۔ مسلمانوں نے بھی مقابلہ کیا اور مناسب مورچوں پر جم گئے۔ حملہ آور جدید قسم کے آلات حرب سے مسلح تھے۔ ان کے پاس رائفلیں' بندوقیں حتیٰ کہ ٹامی گنیں اور برین گنیں بھی تھیں۔ ان کی تنظیم و تجہیز ظاہر کر رہی تھی کہ حملہ پوری تیاری سے منظم کیا گیا ہے۔ انہوں نے ادھم خان کے مزار کی طرف سے جو اُونچی جگہ پر واقع ہے ہمارے گھروں پر نیز خانقاہ پر چڑھائی کی۔ خانقاہ کے صوفیوں' درویشوں اور فقیروں نے جان توڑ مقابلہ کر کے ان کیلئے پے در پے حملے

رو کے۔ جب وہ خانقاہ میں داخل ہو کر وہاں کے مکینوں کا قتل عام کرنے کے برے ارادے سے کامیاب نہ ہو سکے تو انہوں نے گرد و نواح کے مکانوں کو آگ لگا دی۔ مہرولی کے دوسرے مورچوں پر بھی مسلمانوں نے خوب مقابلہ کیا اور حملہ آوروں کا منہ موڑ دیا۔ پانچ گھنٹہ تک جنگ جاری رہی۔ تھانہ مہرولی کا سب انسپکٹر پولیس دینا ناتھ خواجہ قطب صاحب کا عقیدت مند تھا اور درگاہ شریف اور اُس کے متعلقین کی بڑی عزت کیا کرتا تھا۔ اس نے چند مسلمان کنسٹبلوں کی معیت میں اپنا فرض منصبی بجالانے اور درگاہ شریف کو بچانے کی پوری کوشش کی۔ اس اثناء میں کوئی چھ سات سو مسلمان مرد، عورتیں اور بچے میرے گھر میں نیز خانقاہ میں پناہ لینے کیلئے جمع ہو گئے۔ دس بجے کے قریب حملہ آور شکست کھا کر پسپا ہو گئے۔ گیارہ بجے فوج پہنچ گئی جس نے مہرولی میں مارشل لا لگا دیا۔ حملہ آور فوج کے آنے سے پہلے منتشر ہو چکے تھے۔

مہرولی کے مسلمانوں کو فوج نے محصور کر لیا۔ فوجی ہر طرف دہشت پھیلا رہے تھے۔ خانقاہ کے پناہ گیروں کے پاس پانی کا جو ذخیرہ تھا' وہ جلد ہی ختم ہو گیا اوہ ہر طرف سے العطش العطش کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ دو مسلمان مشکیں لے کر پانی لانے کیلئے نکلے' فوج نے ان دونوں کو گولیوں کا نشانہ بنا کر ہلاک کر دیا۔ جب پانی نہ ملنے کے باعث سخت تکلیف کا سامنا ہونے لگا تو میں نے مسٹر دینا ناتھ سب انسپکٹر پولیس سے مدد مانگی۔ دینا ناتھ جو درگاہ شریف کا عقیدت مند تھا' خانقاہ نشینوں' میرے کنبہ کے لوگوں اور دوسرے پناہ گزینوں کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی درگاہ شریف کی طرف لے گیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ ہندو بلوائیوں نے دینا ناتھ کی اس انسانیت نوازی کو بہت برا منایا اور اسے دھوکے سے یوسف سرائے کے ہندو گاؤں میں لے جا کر قتل کر دیا۔

نائب تحصیلدار نے فوج کے افسروں اور سپاہیوں کو جو صورتحال کو سنبھالنے اور امن قائم کرنے کیلئے آئے تھے، مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا، اور ملٹری نے مہرولی کے مسلمانوں پر ہر نوع کا ظلم و تشدد شروع کر دیا۔ ان کے گھر لوٹے گئے، مکانوں کو آگ لگا دی گئی۔ نائب تحصیلدار خود دکانوں کے قفل توڑتا تھا اور لوٹ کے کام میں ہندوؤں کی رہنمائی کر رہا تھا۔ میرا گھر اور خانقاہ بھی لوٹ لئے گئے حالانکہ فوجی چوکی کے عین بالمقابل واقع تھے۔ پولیس، فوجی افسر اور سول کے حکام اس لوٹ کھسوٹ کی نگرانی کر رہے تھے اور لوٹ کے مال میں سب سے زیادہ حصہ لیتے تھے۔

ازاں بعد مہرولی کے ساتھ آٹھ ہزار مسلمانوں کو مویشی کی طرح ہانک کر درگاہ شریف میں اکٹھے کر دیا گیا۔ ان میں عورتوں اور بچوں کی تعداد زیادہ تھی۔ ہمارے ساتھ قیدیوں کا سا سلوک کیا جا رہا تھا۔ حشر تمثال کیمپ کی اچھی طرح ناکہ بندی کر لی گئی۔ کسی کو پانی لانے، راشن لانے یا رفع حاجت تک کیلئے باہر جانے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ جو شخص درگاہ کے احاطہ سے باہر نکلتا تھا اسے گولی کا نشانہ بنا لیا جاتا تھا۔ مہرولی کے ہندو اور حملہ آور سکھ پوری آزادی کے ساتھ پھر رہے تھے اور لوٹ کا مال بیل گاڑیوں اور ٹھیلوں پر لاد لاد کر لے جا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سرکاری طور پر عائد ہونے والے فرض کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ ایک جچی تلی اور سوچی سمجھی تجویز کے مطابق معرض عمل میں لایا جا رہا تھا۔ دہلی کے حکام فیصلہ کر چکے تھے کہ مسلمانوں کو مہرولی سے نکال دیا جائے اور خواجہ قطب کی اسلامی بستی کو ہندوؤں اور سکھوں کی نو آبادی بنا دیا جائے۔ اس لئے تمام ملکی اور فوجی افسر مہرولی کے مسلمانوں پر ہر قسم کا دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ اپنے گھروں کو چھوڑ چھاڑ کر نکل جائیں۔

۱۰ ستمبر کو یعنی دو دن کے بعد ایک فوجی افسر کی معیت میں علاقہ مجسٹریٹ مسٹر گپتا اور انسپکٹر پولیس مسٹر ہیرالال درگاہ شریف کے کیمپ میں آئے اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ فوراً وہاں سے نکل جائیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر مسلمان ایسا نہ کریں گے تو انہیں ہولناک نتائج بھگتنے پڑیں گے۔ ملکی اور فوجی افسران کو کسی قسم کی امداد نہیں دیں گے۔ مہرولی کے مسلمانوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ تو آٹھ سو سال سے مہرولی میں آباد ہیں اور مہرولی شاہ جہاں کی دلّی سے بہت زیادہ پرانی بستی ہے۔ ہم تو ہندوستان کی حکومت کے وفادار شہری ہیں۔ ہم نے ۱۵؍اگست کا یوم آزادی دھوم دھام سے منایا تھا۔ علاوہ ازیں مہرولی ہمارا مقدس مقام ہے جہاں خواجہ قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کے علاوہ ہمارے بہت سے اولیائے کرام کے مزار ہیں۔ ہم ان مزاروں کے خادم ہیں۔ لاکھوں مسلمان اطراف و اکناف سے ان مزاروں کی زیارت کیلئے آتے ہیں۔ ہم ان زائرین کی خدمت کر کے روزی کماتے ہیں۔ ہم جائیں تو کہاں جائیں۔ ہم نے کیا قصور کیا ہے کہ ہمیں اپنے گھروں، اپنی جائیدادوں اور اپنی جنم بھومی سے محروم کر کے بحالت تباہ گداگری پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ ہماری درخواست یہ ہے کہ درگاہ شریف اور اس سے تعلق رکھنے والے خدام کی حفاظت کا مناسب بندوبست کیا جائے۔ ہماری اس درخواست پر انسپکٹر ہیرالال اور مجسٹریٹ نے بہت درشت کلامی سے کلام کیا۔ ڈرایا دھمکایا اور فی الفور جگہ چھوڑ جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم مہرولی کو فی الفور خالی نہ کرو گے تو تمہارے لئے ہر قسم کے راشن کی راہیں مسدود کر دی جائیں گی (راشن تو پہلے سے بند تھا) اور تمہیں بھوک پیاس کی کڑیاں جھیل کر مرنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص درگاہ سے باہر نکلے گا تو اسے گولی مار دی جائے گی۔

اُسی روز شام کے وقت درگاہ شریف کے اندر فوجیوں نے کئی مسلمانوں کو گولی

مار کر شہید کر دیا' متعدد زخمی ہوئے' کچھ مسلمان درگاہ شریف کے احاطہ میں ایک کنوئیں سے پانی بھر رہے تھے' ملٹری نے ان پر بھی گولی چلا دی۔ ملٹری نے درگاہ شریف میں گھس کر متعدد حملے کئے۔ درگاہ شریف کے احاطہ سے مشرق کی طرف مسلمانوں کے چند جھونپڑے تھے۔ حملہ آوروں نے انہیں آگ لگا دی اور ملٹری نے حملہ آوروں پر گولی چلانے کے بجائے ان مسلمانوں پر فیر کئے جو بھاگ کر درگاہ کی طرف آ رہے تھے۔ عورتوں اور بچوں نے باؤلی میں پناہ لی۔ کچھ درگاہ کے پھاٹک میں داخل ہو رہے تھے' ملٹری نے ان پر بھی گولیاں چلائیں' کئی مسلمان مارے گئے۔ ہم نے محسوس کیا کہ ملٹری اب درگاہ شریف میں داخل ہو کر مسلمانوں کا قتل عام کر دے گی۔

تھوڑی دیر کے بعد حکم ملا کہ مسلمانوں کے دو سردار تھانہ میں پہنچیں کیونکہ وہاں دہلی سے مسٹر مسرا اسپیشل مجسٹریٹ آئے ہیں اور مسلمانوں کے سرکردہ اشخاص سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے بات چیت کرنے کیلئے میں تھانہ گیا۔ مسٹر مسرا بڑی خوش اخلاقی سے پیش آئے اور پوچھنے لگے کہ مسلمانوں کا فیصلہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ مسلمانوں کی درخواست فقط یہ ہے کہ ان کی جانوں' ان کی عزت و ناموس اور درگاہ شریف کی حفاظت کا معقول بندوبست کر دیا جائے اور انہیں بلوائیوں سے بچایا جائے' جو درگاہ شریف پر حملے کر رہے ہیں۔ مسٹر مسرا نے وعدہ کیا کہ میں بلوائیوں کو پیچھے ہٹانے کا بندوبست بھی کئے دیتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی میں مسلمانوں کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ وہ مہرولی سے چلے جائیں۔ مجھے یہ بات سن کر بہت مایوسی ہوئی اور میں نے مسٹر مسرا پر مہرولی شریف کی روحانی' ثقافتی' اقتصادی اور تاریخی اہمیت و عظمت واضح کرنی چاہی لیکن وہ نہ مانے اور اسی بات پر اصرار کرتے رہے کہ مسلمان وہاں سے چلے جائیں۔ جب ہر طرف سے مایوسی نظر آنے لگی تو ہم نے اپنی عزت اور جان بچانے کیلئے

ہجرت کا فیصلہ کرلیا۔ میں نے مسٹر مسرا سے وعدہ لے لیا کہ مسلمانوں کو وہاں سے حفاظت اور امن کے ساتھ نکالا جائے گا۔ مسٹر مسرا نے وعدہ پورا کیا اور مسلمانوں کو پرانے قلعہ کے کیمپ میں پہنچانے کیلئے ٹرک بھیج دیئے۔

روانگی سے پہلے تمام مسلمان مردوں' عورتوں اور بچوں کو دو قطاروں میں کھڑا کر کے سب کی جامہ تلاشی لی گئی۔ تلاشی کے دوران میں عورتوں سے طرح طرح کی بدسلوکیاں کی گئیں۔ مسلمانوں سے نقدی زیورات اور قیمتی اشیا حتیٰ کہ گھڑیوں اور قلموں تک لے لی گئیں۔ ہیرالال انسپکٹر پولیس دونوں ہاتھوں سے مسلمانوں کو لوٹ رہا تھا۔ جب اسے کہا گیا کہ آپ یہ ظلم کیوں کر رہے ہیں تو اس نے جواب دیا کہ "یہ ہندوستان کا مال ہے اس لئے تم اسے پاکستان نہیں لے جاسکتے" اس وقت تک ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ہمیں پاکستان جانے کیلئے مجبور کیا جائے گا۔ تلاشی کے وقت مہرولی کے ہندو پاس کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے اور مسلمان عورتوں اور مردوں کی تذلیل پر قہقہے لگا رہے ہیں۔

انسپکٹر ہیرالال نے بذاتِ خود میری جامہ تلاشی لی۔ میرا گھر اور خانقاہ لوٹے جا چکے تھے۔ میرے پاس دو سوٹ کیس تھے' جن میں ایسے زیوات تھے جو لوگوں نے حفاظت کیلئے بطور امانت مجھے دے رکھے تھے۔ انسپکٹر ہیرالال اسے بھی ہتھیا لینا چاہتا تھا لیکن جب میں نے کہا کہ یہ اور لوگوں کی امانتیں ہیں تو اُس نے مجھے دونوں سوٹ کیس ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔

پرانے قلعے میں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ مسٹر مسرا کو ایک ہندو فوجی نے گولی مار کر ہلاک کر دیا ہے۔ اس کا قصور یہ تھا کہ اس نے ہم سب کو بحفاظت تمام پرانے قلعے میں پہنچانے کا حکم دیا تھا۔ اس طرح مہرولی کے مسلمان کروڑوں روپے کی جائیدادیں

اور مال و منال چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ ہم ابھی پرانے قلعہ ہی میں تھے کہ ہمیں دلوں کو خون کر دینے والی یہ اطلاعات ملنے لگیں کہ ہندوؤں اور سکھوں نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اور دیگر اولیاء اللہ کے مقبروں اور مزاروں کو مسمار کر دیا ہے اور اب وہاں ایک متنفس بھی مسلمان باقی نہیں رہا' جو ان مزاروں پر چراغ تک جلا سکے۔

ضلع بلند شہر (یوپی)

اُردو زبان کے شاعر جناب ماہر القادری صاحب تحریر فرماتے ہیں:

دہلی کے خون ریز ہنگامہ سے بارہ دن تک میں وہیں سبزی منڈی کے علاقہ میں اپنے متعلقین کے ساتھ مقیم تھا' ۲۶ راگست کو ایک خانگی ضرورت سے مجھے اپنے وطن (کسیر کلاں ضلع بلند شہر) جانا پڑا' دہلی میں اُس وقت تک کوئی خلفشار نہ تھا۔ ڈپٹی کمشنر کی طرف سے اعلان کئے جا رہے تھے اور پبلک کو اطمینان دلایا جا رہا تھا کہ دہلی کو ہر قیمت پر فساد کی زد سے محفوظ رکھا جائے گا۔ ہندوستانی حکومت کا پایہ تخت لاہور اور امرتسر نہیں بن سکتا مگر دہلی میں مسلمانوں پر جو قیامت نازل ہوئی ہے' اُس کے تصور ہی سے دل لہولہو ہوتا ہے' میرا بھی سب کچھ لٹ گیا' عمر بھر کی کمائی غارت گروں کی نذر ہو گئی۔

دہلی کے خونیں حادثات وہ بدنصیب اور مصیبت زدہ مسلمان لکھیں گے جو اُس ہنگامے میں موجود تھے' میں ان الم انگیز واقعات کو بھی یہاں دہرانا نہیں چاہتا جو میں نے اپنے دوستوں اور عزیزوں کی زبان سے سنے ہیں' اس لئے کہ یہ مضمون ''جگ بیتی'' نہیں ''آپ بیتی'' ہے۔

وہ خوش قسمت اور آرام نصیب حضرات جن کو مصائب و آلام کی ان نازک اور

پُر ہول منزلوں سے گزرنا نہیں پڑا۔ اُس آپ بیتی کو پڑھ کر یقیناً متاثر ہوں گے مگر گزرے ہوئے واقعات کے اثرات اور کسی کا دُکھ و درد سُن کر اثر قبول کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

بہ زیر شاخ گُل افعی گزیدہ بلبل را
تو اگرانِ نہ نخوردہ گزند راچہ خبر؟

میں جب اپنے گاؤں میں پہنچا ہوں تو مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔ ہمارے گاؤں سے تیس کوس کے فاصلہ پر خورجہ ریلوے جنکشن کے قریب مسلمان مسافر ایک ٹرین میں قتل کئے جا چکے تھے۔ آس پاس کے دیہات میں ہندوؤں اور سکھوں کے اجتماعات کی اطلاعیں ملتی رہتی تھیں۔

ہمارے گاؤں (کسیر کلاں) کے ہندو باہر کے ہندوؤں سے سازباز کررہے تھے اور عام خبر مشہور تھی کہ ۱۴ ستمبر کو بہت بڑی تیاری کے ساتھ کسیر کے مسلمانوں پر حملہ ہو گا۔ اس سے پہلے بھی دو مرتبہ ہندوؤں نے کسیر کو گھیر لیا تھا مگر حملہ کی نوبت نہیں آئی' بس محاصرہ ہو کر رہ گیا۔ ابکی بار افواہ گرم تھی کہ فیصلہ کُن حملہ ہوگیا۔

گاؤں میں عورتوں' بچوں اور بڑے بوڑھوں سمیت مسلمانوں کی تمام آبادی بارہ سو کے قریب ہے' جس میں ادھیڑ اور جوان مسلمان چار سو سے زیادہ نہیں ہیں۔ مسلمانوں نے اپنے بچاؤ کیلئے پہرہ بندی شروع کردی' گاؤں کی گلیوں کے نکڑوں پر راتوں کو پہرے دیئے جانے لگے۔ میں نے اس پہرہ بندی رکھوالی اور شب بیداری میں حصہ لیا' بلکہ یوں کہیے کہ سعادت حاصل کی۔

پولیس اور حکام کو صورتحال کی بروقت اطلاع دے دی گئی تھی۔ پولیس کا سب انسپکٹر چیم سنگھ جو پولیس اسٹیشن ڈبائی کا افسر انچارج تھا' اُس نے کئی دن قبل مسلمانوں کو

خوفزدہ کرتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ تم پر حملہ ہونے والا ہے اور ہندوؤں اور سکھوں کا جوش انتقام اب کسی کے روکے رُک نہیں سکتا۔ یہ سکھ سب انسپکٹر قاتلانہ حملہ کی اسکیم اور سازش میں خود شریک تھا، حملہ آوروں کے سرغنوں اور لیڈروں کی نقل و حرکت کی اطلاعیں اُسے ملتی رہتی تھیں اور خفیہ طور پر وہ اُس کی کمان کر رہا تھا۔

۱۳ ستمبر کو آس پاس کے دیہات سے آنے والوں کی زبانی معلوم ہوا کہ جگہ جگہ مشورے ہو رہے ہیں "کل کسیر کے مسلمانوں پر چڑھائی ہوگی۔ حملہ کی یہ تاریخ بہت دن پہلے کی مقرر کی ہوئی ہے اور دور دور سے ہندو اور سکھ آ رہے ہیں۔ اعلان کرنے والے تیز گھوڑوں پر گاؤں گاؤں گھوم رہے تھے۔ ہمارے گاؤں کے ہندوؤں نے ایک دن قبل اپنی عورتوں اور بچوں کو گاؤں سے باہر بھیج دیا تھا۔ پڑوسی ہندوؤں کے اس طرز عمل نے حملہ کی افواہ کو بہت زیادہ متیقن بنا دیا اور مسلمان محسوس کرنے لگے کہ کوئی عظیم الشان خطرہ ان کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھتا چلا آ رہا ہے۔

۱۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کی صبح کو اُفق پر خطرے کی سرخ دھاریاں سی نظر آ رہی تھیں۔ مسلمانوں نے کاروبار چھوڑ دیا تھا، عورتوں اور بچوں کے چہرے اُترے اُترے سے تھے، حملے کے روکنے کی تدابیر سوچی جا رہی تھیں، جن گلی کوچوں سے حملہ آوروں کے داخل ہونے کا امکان تھا، اُن پر مورچے جمائے جا رہے تھے۔

۱۴ ستمبر کو دن کے بارہ بجے کے قریب سکھ پولیس سب انسپکٹر، تحصیلدار کے ساتھ گاؤں میں آیا، پولیس کی مسلح گارد پہلے سے موجود تھی، سب انسپکٹر نے گاؤں کے سب سے اونچے مکان پر چڑھ کر دوربین سے چاروں طرف دیکھا اور مکان سے اُتر کر بولا، ہوشیار رہو، حملہ آوروں کے دَل کے دَل آ رہے ہیں۔

شام کے تین بجے گاؤں کے چاروں طرف حملہ آور جمع ہوتے ہوئے دکھائی

دیئے، دُور دُور تک آدمی ہی آدمی نظر آ رہے تھے، غارت گروں کا سیلاب اُمنڈا چلا آ رہا تھا کھیتوں کے قریب کے مکان جو آبادی کے بالکل کنارے پر واقع تھے، مسلمانوں نے خالی کر دیئے، عورتوں اور بچوں کو گاؤں کے درمیان ایک محفوظ مکان میں پہنچا دیا گیا، اس مکان کے چاروں طرف پچاس کے قریب مستعد اور جم کر لڑنے والے نوجوان مسلمانوں کو متعین کر دیا گیا تھا۔ عورتوں کو نصیحت کی گئی تھی کہ خدانخواستہ حملہ آور ان کے قریب آ جائیں تو چھریوں، کلہاڑیوں اور پتھروں سے مقابلہ کریں اور حضرت صفیہ اور حضرت خولہ کی معرکہ آرائیوں کی یاد تازہ کر دیں۔ مردوں کو تاکید تھی کہ کسی نازک سے نازک حالت میں بھی عورتوں کے گرد سے نہ ہٹیں، ایک ایک مسلمان کو اسی حلقہ کے آس پاس کٹ کر مر جانا ہے۔ نوجوانوں نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو جب تک ہمارا دم سلامت رہے ہمارے ناموس کی طرف کوئی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔

گاؤں کے مسلمانوں نے پانچ مقامات پر مدافعت کیلئے محاذ قائم کئے تھے، میں جس محاذ پر تھا وہ جنوبی مورچہ تھا، ریلوے لائین پر ایک میل تک حملہ آوروں کی فوج مارچ کرتی ہوئی آ رہی تھی، میں ہاتھ میں لاٹھی لے کر ریل کی پٹڑی کے قریب پہنچا۔ پولیس سب انسپکٹر جو مسلح گارد کو لے کر حملہ آوروں کی سمت جا رہا تھا، مجھ سے بولا کہ میں حملہ آوروں کو روکتا ہوں آپ اپنے آدمیوں کو ہوشیار کر دیجئے۔

پولیس کے اس سکھ تھانیدار نے ہمارے گاؤں کے چند ہندوؤں کو بھی حملہ آوروں سے گفت و شنید کرنے کیلئے بھیجا تھا، گاؤں سے دو فرلانگ کے فاصلہ پر تھوڑی دیر کے لئے جنوبی سمت کا حملہ آور لشکر رُک گیا۔ تھانیدار سے حملہ آوروں کے لیڈروں کی نہ جانے کیا بات چیت ہوئی کہ تھانیدار صاحب تو اپنی مسلح جمعیت کو لے کر خراماں خراماں واپس چلے آئے اور حملہ آوروں نے گاؤں پر ہلہ بول دیا۔ گاؤں کے چاروں طرف

غارت گروں کا سچ مچ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دکھائی دیتا تھا۔ ان کے پاس بندوقیں، پستول، بم، تلواریں بلم، برچھے، فرشے، ڈھالیں اور لاٹھیاں تھیں۔ بندوقچی سب سے آگے تھے، پھر بلم والے ان کے پیچھے تیغ بکف سکھ اور برچھی والے ہندو سورما تھے۔ وہ اپنے ساتھ کوئی آتش گیر مادہ بھی لے کر آئے تھے جس سے مکانوں میں بھک سے آگ لگ جاتی تھی۔

ان حملہ آوروں کے لیڈروں نے دیویوں پر بکرے چڑھا کر اُن کے لہو سے ماتھے پر تلک لگا رکھتے تھے، گردنوں میں پھولوں کے ہار پہن رکھے تھے، کوتل گھوڑے اُن کے ساتھ تھے، اسکیم یہ تھی کہ مسلمان عورتوں کو ان پر بٹھا کر لے جائیں گے۔

غارت گروں نے سب سے پہلے گاؤں کے آس پاس مسلمانوں کی بھس کی برجیوں میں آگ لگا دی، پھر گھروں کو لوٹنے لگے۔ جس گھر کو لوٹ لیا اُسے آخر میں نذر آتش کر دیا۔ شمال کی طرف کے مسلمانوں کی مستعدی اور جرأت و بیباکی کی تاب نہ لا کر بہت بڑا مجمع مشرق کی سمت سے کوٹھوں پر چڑھ آیا۔ چند مسلم نوجوانوں نے پتھروں سے ان کو بھگا دیا۔ سکھ سب انسپکٹر پولیس نے بھاگتے ہوئے ہندوؤں کو للکارا کہ نامردود! تمہیں شرم نہیں آتی، تھوڑے سے مسلمانوں کے لونڈوں سے بھاگتے ہو؟ غارت گر پھر پلٹے، سب انسپکٹر نے مدافعت کرنے والے مسلمانوں پر گولی چلا دی اور ایک نوجوان عبدالستار تھانیدار کی گولی کھا کر جاں بحق ہو گیا۔

مسلمانوں کے مکان دھڑ دھڑ جل رہے تھے۔ بندوقوں کے فیروں سے فضا گونج رہی تھی، کوٹھوں کی منڈیروں پر حملہ آور تلواریں چمکا رہے تھے اور نیزے ہلا رہے تھے۔ ہندوؤں اور سکھوں نے اپنے دیوتاؤں کی جے بلند کی اور مسلمانوں نے تکبیر کے شور سے ہیبت انگیز گونج پیدا کر دی۔ اُدھر کثرت اور سامانِ حرب پر ناز تھا اور اس طرف مسلمانوں کو اپنے خدا پر بھروسہ تھا، ہاتھ پتھر پھینک رہے تھے اور لاٹھیاں چلا رہے تھے اور

زبانوں پر خدا کا نام تھا:

ے کافر ہو تو شمشیر پر کرتا ہے بھروسہ
مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

میں جنوب کے مورچہ پر تھا، مسجد کی چھت سے ہم سنگباری کر رہے تھے اور اُدھر سے جواب میں بندوقوں کے فیر پر فیر ہو رہے تھے، بندوقوں کو اپنی سمت سیدھا دیکھ کر میں نے مسجد کے مینار کی آڑ لے کر اینٹیں پھینکنا شروع کیں، کچھ لوگ جھک کر نیچے ہو گئے، مگر اللہ تعالیٰ نے کمینہ اور دشمن اسلام حملہ آوروں کی بندوقوں کی گولیوں کو کنکری بنا دیا۔

کسی مبالغہ کے بغیر کہہ رہا ہوں اور یہ جان کر کہہ رہا ہوں کہ خدا کے سامنے مجھے جواب دینا ہے، کافروں کی گولیاں سچ مچ کنکری بن گئیں اور یہ کنکریاں بھی نہایت ہی آہستگی کے ساتھ ہمارے اوپر گر رہی تھیں۔

شور و واویلا اور خون و آتش کے اس عالم میں مسجد کی چھت پر ہم چند مسلمانوں نے عصر کی نماز پڑھی۔ ہم نے زندگی میں ہزاروں سجدے کیے تھے اور بہت سی نمازیں پڑھیں تھیں لیکن اُس عصر کی نماز کی کیفیت ہی کچھ اور تھی۔ سر سے لے کر پیر تک اور دل سے نگاہ تک خشیت الٰہی، خلوص، نیاز مندی اور صداقت و عقیدت کی جیتی جاگتی تصویر بنے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عجیب و غریب استقامت عطا فرمائی، میں تو یہ کہتا ہوں کہ "طیر ابابیل" کی تاریخ پھر سے دُہرا دی گئی، کہاں مٹھی بھر مسلمان اور کہاں وہ مسلح حملہ آوروں کا تیس ہزار کا لشکر! ایک آشوب قیامت، ہنگامۂ حشر اور طوفانِ قتل و غارت تھا۔ ستم گر ہم قلیل التعداد مسلمانوں کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹانے کیلئے آئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے ارادوں کو ملیا میٹ کر دیا، ان کی تمنائیں دل کی دل ہی میں رہ گئیں،

صرف پانچ مسلمان شہید ہوئے' ایک دیوانی عورت' ایک بچہ' ایک بوڑھا' ایک ادھیڑ اور ایک نوجوان۔ اور کافروں کا جانی نقصان بہت زیادہ ہوا' صحیح تعداد کا اندازہ مشکل ہے مگر ہندوؤں کے دیہات سے یہی اطلاعیں آتی رہیں کہ ہمارے اتنے آدمی کام آئے' آج فلاں جاٹ چل بسا اور کل اُس گھائل ٹھاکر نے دم دے دیا۔ کھیتوں میں جابجا دور دور تک حملہ آوروں کی لاشیں پائی گئیں۔

یہ حملہ حقیقت میں حق و باطل کی آویزش کا زندہ معجزہ تھا' اللہ تعالٰی نے غیب سے مسلمانوں کی مدد فرمائی' آسمانی فرشتے ہماری تائید و معاونت کیلئے بھیج دیئے گئے اور یہ نتیجہ تھا مسلمانوں کی استقامت اور توکل علی اللہ کا! میرا ایمان ہے کہ مسلمان خدا پر بھروسہ کر کے جہاں بھی جم کر لڑیں گے ناکام نہیں ہو سکتے' صبر و استقامت اور جرأت و عزیمت سے طوفانوں کے رُخ پھیرے جا سکتے ہیں! اسلام کی تاریخ جرأت و ثابت قدمی اور فتح و کامرانی کے ان حوصلہ افزا واقعات سے لبریز ہے۔

رات کے ہوتے ہی حملہ آور واپس چلے گئے —— وہ رات اندھیری' بھیانک اور پُر ہول! برسات کی کالی گھٹاؤں نے اس منظر کو اور زیادہ ڈراؤنا بنا دیا تھا۔ خیال تھا کہ حملہ آور آس پاس کے کھیتوں میں چھپے ہوئے نہ ہوں اور رات کے اندھیرے میں ایکا ایکی تازہ دم ہو کر کہیں ہلہ نہ بول دیں۔ رات بھر تمام مسلمان جاگتے رہے' ہونٹوں پر درود و تسبیح کی موجیں کھیلتی رہیں' رات خدا کی طرف دھیان لگا تھا' نماز تہجد کے سجدوں میں کتنی آنکھوں سے آنسو بہے اور مسجد کا فرش نمناک ہو گیا۔ مسلمان زبان سے نہیں دردمند دل سے اپنے مالک کی بارگاہ میں استغاثہ کر رہے تھے کہ کون و مکان کے مالک! تو دیکھتا اور جانتا ہے کہ ہم مظلوم ہیں اور ہم پر کافروں نے مسلمان ہونے کے جرم میں چڑھائی کی ہے۔ ہمارا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ ہم تیری نمازیں پڑھتے ہیں اور

تیرے نبی اور اپنے آقا محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں۔

دُعا کرتے کرتے آنکھوں ہی آنکھوں میں رات کٹ گئی۔ سپیدۂ سحر نمودار ہوا مگر اُداس اور بھیانک صبح! سورج کی کرنیں تک کپکپا رہی تھیں‘ مسلمانوں کی زبانوں پر شکر خداوندی کے ترانے تھے‘ سب یہی کہہ رہے تھے کہ ہم نے کچھ نہیں کیا۔ اللہ نے ہمیں بچایا‘ چھوٹے چھوٹے معصوم اور پھول سے بھولے بھالے بچے اپنی ماؤں‘ بہنوں اور رشتہ دار عورتوں کی دیکھا دیکھی خدا کا شکر ادا کر رہے تھے۔

دوسرے دن دوپہر کو ضلع کا کلکٹر‘ پولیس کے افسروں اور کانگریس کے چند لیڈروں کے ساتھ گاؤں میں تحقیقات اور موقعہ کے معائنہ کیلئے آیا‘ مسلمانوں کے جلے ہوئے اور لٹے ہوئے گھر دیکھے‘ سکھ سب انسپکٹر اپنی جھوٹی کارکردگی بڑھا چڑھا کر بیان کرنے لگا‘ مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے کہا یہ جھوٹ ہے‘ بناوٹ ہے‘ واقعات کی تلبیس ہے‘ اس قاتلانہ حملہ کی بہت کچھ ذمہ داری اس سب انسپکٹر پر عائد ہوتی ہے۔ اس شخص نے کچھ نہیں کیا‘ بلکہ حملہ آوروں کی اُلٹی ہمت افزائی کی اور ہم مسلمانوں پر گولی چلائی‘ پھر میں نے کلکٹر سے تمام واقعات عینی شاہد کی حیثیت سے بالتفصیل بیان کئے‘ سپرنٹنڈنٹ پولیس مجھے بار بار خشمگیں نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

خیال تھا یقین تھا کہ مجرموں‘ قاتلوں اور مفسدہ پردازوں کو گرفتار کیا جائے گا‘ امن شکنوں سے باز پُرس ہوگی لیکن حکام نے ایک حملہ آور ہندو سے بھی یہ نہ پوچھا کہ تیرے منہ میں کتنے دانت ہیں؟ اس ڈھیل‘ چشم پوشی بلکہ ہمت افزائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے گاؤں اور آس پاس کے ہندو مسلمان کی فصلیں کاٹنے لگے‘ مسلمان نے کسی ہندو سے نرمی کے ساتھ بھی کچھ کہا تو وہی مجرم ہندو اُس مظلوم مسلمان کو پکڑ کر پولیس گارڈ کے حوالدار کے پاس لے گیا اور حوالدار نے بھاری رشوت لے کر مسلمان کا پیچھا چھوڑا۔

ہمارے گاؤں پر حملہ کرنے کے بعد اس نواح کے ایک ایک گاؤں میں جہاں
جہاں مسلمان آباد تھے‘ چن چن کر برباد کیے گئے‘ قتل‘ غارت گری‘ عورتوں کی بے عصمتی‘
اغوا اور جبریہ ارتداد...... غرض وہ سب کچھ ہوا جو کسی امن پسند‘ انصاف دوست اور شریف
حکومت کے حدود عمل واقتدار میں نہ ہونا چاہیے تھا۔

ہم اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر یہ دلگداز مناظر دیکھتے تھے کہ کھیتوں میں
ہندو اور سکھ لٹیرے مسلمانوں کے مکانوں سے مال لوٹ لے کر جا رہے ہیں‘ مسلمانوں
کے گھروں سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں اور دُھواں نکل رہا ہے۔ روزانہ یہی
خبریں آتی تھیں کہ آج فلاں بستی میں مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور آج اُس آبادی کے
مسلمان ہندو ظالموں کی سفاکیوں کا نشانہ بن گئے۔

یہ سب کچھ ایک منظم اور بہت پہلے سے سوچی ہوئی سازش کے تحت ہو رہا تھا۔

ہمارے گاؤں کیسر سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں پلکھنہ ہے‘ جس میں چھ
سو کے قریب مسلمان میواتی اور راجپوت رہتے ہیں‘ ان لوگوں کے پاس آتشیں اسلحہ بھی
تھے اور اُس نواح میں ان مسلمانوں کی بہادری کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی لیکن حملہ سے
لے ایک راجپوت مسلمان جو بہت خوشحال اور اپنے خاندان کا سردار تھا‘ ہندوؤں سے مل
‘ ہندوؤں نے اُس کو یہ پٹی پڑھادی تھی اور اس سازش میں ڈبائی کا سکھ سب انسپکٹر
ریک تھا کہ ہتھیار ہمارے حوالے کر دو‘ ہم تمہارے خاندان سے کچھ نہ کہیں گے۔
ار اور خود غرض نے حملہ آوروں کو تمام ہتھیار سونپ دیے اور کانگریس کا جھنڈا ہاتھ
کر بیٹھ گیا‘ مگر ہندوؤں نے سب سے پہلے اسی کے خاندان والوں کا صفایا کیا‘ دو
یب مرد‘ عورت اور بچوں کو انتہائی بے دردی کے ساتھ موت کے گھاٹ اُتار
کے واقعہ نے آس پاس کے مسلمانوں میں بہت زیادہ خوف اور ہراس پیدا

کردیا' حملہ آوروں کو سب سے زیادہ کامیابی اسی گاؤں میں ہوئی۔

اس علاقہ میں ہمارے گاؤں کے مسلمان اللہ کے فضل سے قدم جمائے ہوئے تھے۔ اس لئے برباد شدہ دیہات کے مسلم پناہ گزینوں نے اسی طرف رُخ کیا' گاؤں کے مسلمانوں نے ان مہاجرین کے ساتھ انصار جیسا برتاؤ کیا' خود ہمارے چھوٹے سے گھر میں تیس مرد اور عورتیں ٹھہری ہوئی تھیں' ان کی پریشانی اور گھبراہٹ دیکھی نہ جاتی تھی' میں اس خیال سے کہ گاؤں والوں کے دل تھوڑے نہ ہوں' لوگوں کے مجمع میں منہ پھیر کر رو لیتا تھا' آنسو بے اختیار پلکوں پر آئے اور میں نے آستین سے بہت صفائی کے ساتھ جلدی سے پونچھ لئے۔

اس واقعہ کے کوئی تین ہفتہ بعد آدھی رات سے ہمارے گاؤں کو ملٹری نے گھیر لیا' صبح ہوئی تو مسلمانوں کے محلوں میں ملٹری اور پولیس ہی پولیس دکھائی دیتی تھی اور اُن کے ساتھ آس پاس کے گاؤں کے جرائم پیشہ اہیر اور وہ مفسدہ پرداز اور قاتل ہندو بھی تھ جو ۱۴ستمبر کے حملہ میں شریک تھے۔ قصبہ ڈبائی کے بہت سے مہا سجائی کارکن بھی پولیس افسروں کے ہمراہ تھے۔

جرائم پیشہ ہندو سینکڑوں کی تعداد میں مسلمانوں کے گھروں میں گھس پردہ نشین خاتونوں کے پردے کا بھی لحاظ نہیں کیا گیا' تلاشی لینے والے کھیتوں' اور بیٹھکوں میں شور کرتے اور وندناتے پھر رہے تھے' جہاں چاہا شور مچاتے ہوئے کہ یہ توپ مل گئی یہ بندوق ہے۔

اس ناجائز اور خلاف قانون تلاشی کے بعد ہندوؤں نے پولیس او موجودگی میں مسلمانوں کے گھروں کو لوٹ لیا۔ ایک مسلمان لوہار کے گھر میں کا کٹورا اور کام کرنے کا ایک اوزار تک نہ چھوڑا۔ ۱۴ستمبر کو ہندو پبلک نے

اور تین ہفتہ بعد یہ آفیشل لوٹ اور غارت گری عمل میں آئی۔

پولیس افسروں نے متعدد مسلمانوں کو پستول اور رائفل دکھا کر گلیوں میں بُری طرح زد و کوب کیا۔ ایک عہدے دار جسے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس بتایا جاتا تھا، مسلمانوں سے کہتا تھا کہ تم نے اپنا پاکستان بانٹ لیا، وہیں جاؤ۔ پھر گاؤں کے چماروں کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

”تم ان مسلمانوں کو سلام کرتے ہو یہ سالے تو خود تم کو سلام کریں گے حکومت تمہاری ہے“۔

گاؤں کے ہندو جس مسلمان کی گرفتاری کیلئے اشارہ کرتے گرفتار کر لیا جاتا، پچاس مسلمان جن میں قریب قریب سب جان اور تنومند تھے، پکڑ لئے گئے، تھوڑی دیر بعد پولیس نے ان میں سے بہت سے اشخاص سے فرداً فرداً رشوت لے کر انہیں چھوڑ دیا اور سولہ مسلمانوں کو گرفتار کر کے لے جایا گیا۔

ان تمام واقعات کی نہایت تفصیل کے ساتھ پنڈت جواہر لال نہرو، صوبہ کے وزیر اعظم، گورنر اور دوسرے متعلقہ افسروں کو رجسٹرڈ خطوط کے ذریعہ اطلاع دے دی گئی اور دی جاتی رہی مگر حکومت نے مسلمان مظلوموں اور مصیبت زدوں کی فریاد رسی کیلئے کوئی اطمینان بخش انتظام نہیں کیا، اس نواح کے مسلمان آج تک خوف اور خطروں میں گھرے ہوئے ہیں۔

مسلمانوں کے صبر و ضبط، احترام قانون اور امن پسندی کا یہ عالم ہے کہ اتنی کچھ قیامتیں اُن پر گزر گئیں مگر اُن بیچاروں نے کسی ظالم ہندو کے بدن کو ہاتھ تک نہیں لگایا، جذبہ انتقام کا اُن خدا پرستوں نے گلا گھونٹ دیا...... امن و وفاداری کا اس سے بڑھ کر وت اور کیا ہوگا؟

ہندوستانی حکومت جو اپنے چند میل کے پایۂ تخت کے حدود میں امن قائم نہیں رکھ سکتی، اُس سے دیہات اور قصبات میں قیام امن کی کیا اُمید کی جاسکتی ہے؟ اگر کوئی غیرت جانبدار کمیشن ان حادثات کی تحقیقات کیلئے آئے تو اس پر حقیقت واضح ہو جائے گی کہ انصاف و جمہوریت کی دعویدار انڈین یونین ایک فرقہ وارانہ حکومت ہے، جس کی چشم پوشی اور جانبداری نے اکثریت کو سفاکیوں اور غارت گریوں پر دلیر اور بیباک بنا رکھا ہے اور اُس کے حدودِ عمل اور کارگاہِ اقتدار میں کسی مسلمان کا مال، عزت اور جان محفوظ نہیں ہے...... مگر یاد رہے:

جفا مکن کے مکافاتِ گریۂ بلبل
اماں نہ داد کہ گل خندہ را تمام کند

* * *

ہندوستان کے دیگر اقطاع

ارض ہند سے مسلمانوں کے اخراج کی یہ مہم جو ہندوؤں اور سکھوں نے آزاد ہونے کے ساتھ ہی مشرقی پنجاب سے شروع کی تھی، اپنے بھیانک خدوخال کے ساتھ ہندوستان کے دوسرے دُور اُفتادہ اقطاع اور بلاد و امصار تک پھیلتی چلی گئی۔ ان تمام اقطاع کے متعلق جن میں یہ کھیل اپنی تمام ہولناک کیفیتوں کے ساتھ کھیلا گیا، بیانات مؤلف کو موصول نہیں ہوئے۔ البتہ پاکستان کی سرزمین میں پناہ گزینوں کے جو قافلے داخل ہوتے رہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یوپی کے اضلاع مراد آباد، بریلی، حتیٰ کہ لکھنو تک سے ہزار ہا مسلمان خانہ بدوش اور خانماں برباد ہو کر پاکستان میں پہنچ چکے ہیں اور بمبئی تک سے مسلمان ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں ہجرت کر کے پاکستان آچکے ہیں اور تادم تحریر برابر چلے آ رہے ہیں۔ سب کی زبانوں پر یکساں کیفیات کی زہرہ گداز داستانیں جاری ہیں۔ ہند بعید کی کیفیات کے سلسلے میں ہم دو بیانات مثال کے طور پر کتاب میں درج کر رہے ہیں۔ ایک بیان ڈیرہ دُون کے متعلق ہے، جہاں اسی نوعیت کا خونیں کھیل کھیلا گیا، جس سے مشرقی پنجاب کی زمین رنگین ہوئی۔ دوسرا بمبئی کے متعلق ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مشرقی پنجاب اور دیگر مقامات کے واقعات کی رفتار نے سارے ہندوستان کے مسلمانوں پر کس حد تک خوف و ہراس طاری کر دیا ہے کہ وہ بجا طور پر اپنی زندگیوں کو غیر محفوظ سمجھنے لگے ہیں اور وہاں سے نکلنے کیلئے ہاتھ پاؤں مارنے کی اضطراری کیفیات میں مبتلا ہیں۔ ہندوستان کے متعلق ان دونوں بیانوں کو محض مثال سمجھنا چاہیئے، جس سے قارئین کرام اندازہ لگالیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر جگہ جگہ کس کس قسم کے حشر برپا کیئے جارہے ہیں اور کیسی کیسی جانگداز مشکلات میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ (مؤلف)

ڈیرہ ڈون سے سہارن پور تک:

جناب اقبال احمد صدیقی اپنے دوست شفاعت حسین صاحب کی زبانی رقمطراز ہیں:

تاریخ تو ٹھیک یاد نہیں، البتہ یہ ضرور یہ کہہ سکتا ہوں کہ اکتوبر کے دوسرے ہفتہ میں خانہ جنگی اور فرقہ وارانہ فساد کی اس آگ کے شعلے جو مشرقی پنجاب کو جلا کر خاک سیاہ کر چکی تھی انبالہ، سہارنپور سے گزرتے ہوئے دہرہ دون کی طرف تیزی سے بڑھنے لگے، جب تک غیر مسلم پناہ گزین دہرہ دون میں داخل نہ ہوئے، تب تک ہم پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی خبریں محض اخباری حیثیت سے سنتے اور گوارا کرتے رہے لیکن ہمارے شہر کے عام حالات میں کوئی تغیر نہ ہوا۔ ہندو، مسلمان اور سکھ ہم سب دہرہ دون میں عرصے سے امن وامان اور اتحاد واتفاق سے رہتے چلے آئے تھے اور اس امن واتحاد پر ہمیں غیر معمولی اعتماد تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ہم نے کبھی دہرہ دون کو فساد کے خوفناک شعلوں میں جل جانے کا تصور بھی نہ کیا۔

لیکن جوں جوں ہندو، سکھ پناہ گزینوں کی آمد شہر میں بڑھتی گئی، عام حالات میں تغیر ہوتا گیا۔ ہم نے پہلی بار محسوس کیا کہ ہمارے وہ پڑوسی جو ہمارے ساتھ ایک مدت سے رہتے چلے آئے ہیں، اب شعلہ فشاں نگاہوں سے گھورنے لگے ہیں۔ پناہ گزینوں کی اشتعال انگیز بدکلامی اور بے لگامی کے واقعات اکثر بازاروں میں ہماری دکانوں کے سامنے رونما ہونے لگے۔ ہمیں ان کی تباہی اور دُکھ درد سے دلی ہمدردی تھی لیکن ہم اپنے اوپر بے جا غصہ کرنے کی وجہ جاننے سے قاصر تھے۔

امن وسلامتی کے شہر دہرہ دون میں شرارت پسند عناصر اور فسادی جراثیم

پرورش پاتے رہے۔ ہماری نگاہیں حکومت کے تازہ اقدامات کی منتظر تھیں لیکن پناہ گزینوں کے بڑی تعداد میں داخلہ کے سوا اور کسی مرحلہ کی جانب حکومت نے توجہ نہ دی۔ ایسے حالات کے پیشِ نظر ہم تینوں بھائی مشرقی پنجاب کی طرح دہرہ دون میں آنے والے خونیں طوفان کے تصور ہی سے کانپ اُٹھے۔ لہٰذا سب ایک جگہ ہوئے اور اپنی آنے والی مشکلات کا حل سوچنے کی کوشش کی۔ ایک طرف خطرات کی سنگین چٹان تھی، دوسری طرف خیالات اور احساسات کا موجیں مارتا ہوا سمندر۔ ”یہ ۱۵ ہزار کی دکان“ ... ”یہ بارہ ہزار کا مکان“ ”یہ تینوں بھائیوں کی زندگی بھر کا اثاثہ“ ..... ان سب چیزوں کا کیا ہوگا؟ .... پھر دہرہ دون کون سے دل سے چھوڑیں گے۔ جہاں ہم نے اور ہمارے بچوں نے بڑے بڑے خوابوں کی دنیا تعمیر کی ہے“۔

غرض اِسی اُلجھن میں ہم سب کوئی فیصلہ نہ کر سکے اور پھر ذاتِ باری پر اپنے متزلزل اعتماد کو مستحکم یقین میں بدلتے ہوئے دوبارہ تندہی سے اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ پھر حکومتِ ہند اور وزارتِ یو پی کے اندر بانگ دعوے اور تحفظ دامن کے وعدے بھی ہمارے لئے کچھ کم خوش آئند نہ تھے۔ ہم ان کے جذبۂ انسانیت سے سرشار اعلانات پر یقینِ واثق رکھتے تھے۔ لہٰذا دہرہ دون کو نہ چھوڑنے کا ارادہ کر لیا گیا۔ بلدوانی سے خطوط آئے کہ دہرہ دون میں رہنا مناسب نہیں، یہاں چلے آیئے۔ ہم نے انہیں صاف لکھ دیا کہ خدا ہر جگہ موجود ہے نیز ہماری حکومت انسانیت سے اتنی دُور نہیں۔

اسی روز شام کو پڑوس کا سیٹھ ہنس کو بولا ”شیخ جی میں نے سنا ہے دُکان بیچ رہے ہو؟ بھئی ۱۲ ہزار میں ہماری اور اس سے زیادہ میں دوسرے کی ...؟“ میں نے بڑی بے پروائی سے کہا ”سیٹھ جی غلط کہا کسی نے آپ سے۔ ہم تو یہیں رہیں گے.....“۔

”اچھا بھئی تمہاری مرضی“ سیٹھ نے ہنستے ہوئے کہا اور بات آئی گئی ہوگئی۔

آج کا دن حسب معمول ہزاروں افواہوں کے درمیان خیریت سے گزر گیا۔ دوسرے دن معلوم ہوا کہ کچھ آدمیوں کے چھرے گونپ دیئے گئے ---- تیسرے دن کچھ اور آدمیوں پر اُکا دُکا قاتلانہ حملے ہوئے اور ایک دو مقامات پر آتشزدگی کے واقعات بھی رونما ہوئے۔ ہم تینوں بھائیوں کے گھر ہندوؤں کے محلّہ میں تھے۔ لہٰذا اسی رات کو ہم نے وہ محلّہ چھوڑ دیا اور ایک مسلم محلّہ میں جا کر قیام کیا۔ ابھی ہمارے بازار اور محلّہ میں کوئی واقع پیش نہ آیا تھا۔ اس لئے وہاں تک آمد و رفت کی جرأت ہو گئی۔ میں دبے پاؤں انہیں سیٹھ جی کے پاس پہنچا۔ دکان کے بیچنے کی خبر سن کر اکڑ کر بولے۔

"بھئی یوں تو اس وقت تمہاری دکان کے تین سو روپے بھی زیادہ ہیں لیکن تم پرانے پڑوسی ہو اس لئے تمہیں تین سو دیدوں گا۔ میرے حواس گم ہو گئے۔ کان آج رات کو اس بازار پر حملہ ہونے کی خبروں سے گونج رہے تھے۔ جلدی سے تین لاکھ سمجھ کر تین سو روپے جیب میں ڈالے اور دکان پر آخری بار حسرت بھری نگاہیں ڈالتا ہوا لپک کر اپنے گھر کی طرف ہوا۔

سابقہ گھر میں سامان سب بند پڑا تھا۔ خیال کیا کہ کم از کم بستر اور دوسری ضروری چیزیں جو لے جا سکوں لیتا چلوں' یکا یک ایک مسلمان ہمسایہ بدحواس بھاگتا ہوا میری طرف آیا۔ اس کا گھر لٹ چکا تھا اور میرے گھر کی باری تھی' میں اس سے کچھ کہے سنے اور ایک منٹ رُکے بغیر اپنے بال بچوں کی طرف بھاگا اور تھوڑی دیر میں گھر جا کر دم لیا۔ وہ لوگ میری وجہ سے بے حد پریشان تھے۔

واقعات اور حادثات کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے ہمارے امن و اتحاد کو اتنی جلد پارہ پارہ کر دیا کہ ہمیں یقین نہ آتا تھا۔ یہ بدحواسی اور ہراس بڑھتا ہی گیا۔ خدا خدا کر کے سب گھر والوں نے رات گزاری' صبح کو دروازے سے منہ نکال کر محلّہ پر ایک

طائرانہ نگاہ ڈالی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج سب ہی چلنے پھرنے والوں کو سانپ سونگھ گیا ہے۔ دوپہر کو ایک اور عزیز کسی طرح جان بچا کر گھر پہنچ گیا۔ اس کی زبانی معلوم ہوا کہ بازاروں میں خوب لوٹ مار ہو رہی ہے اور سڑکوں پر سینکڑوں مسلمانوں کی بے گور و کفن لاشیں پڑی ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ ایسی حالت میں اس کے بچ آنے پر سب ہی حیران تھے

اس دن کے بعد ہم لوگ بھی دیگر محلہ والوں کی طرح گھر میں محصور ہو گئے اور تین چار روز تک کسی کو دروازے سے باہر جھانکنے کی بھی جرأت نہ ہوئی۔ شہر میں غل غپاڑہ اور شور و غل رات دن ایک سا ہی رہتا تھا۔ بربریت اور حیوانیت شباب پر تھی۔ ہر وہ غیر انسانی کام جس کی انسان سے ہرگز امید نہ ہو سکتی تھی' دل کھول کر کیا جا رہا تھا۔ جو مسلمان غلطی سے فساد کے موقع پر گھر سے باہر تھے' ان میں سے شائد کوئی خوش نصیب بچ کر آیا ہو۔ ورنہ خون میں لت پت بے یار و مددگار یا تو تڑپ رہے تھے یا جان دے چکے تھے اور ان کی بے گور و کفن لاشیں قدموں سے روندی جا رہی تھیں۔

دھاوالے سے لے کر کباڑی بازار' مچھلی بازار حتیٰ کہ پلٹن بازار تک آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے اور سیاہ دھوئیں کے بھیانک بادل سارے شہر کو ڈھکے لیتے تھے۔ اب کسی مسلمان کا گھر میں بھی محفوظ رہنا ناممکن ہو چکا تھا۔ کام اس تنظیم اور قاعدے کے ساتھ ہو رہا تھا کہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو تباہ کیا جا سکے۔ بھوک کی شدت اور دھوئیں کی حدت سے گھروں میں دم گھٹا جا رہا تھا۔ جب بازاروں کے بعد گھروں کے جلنے کی نوبت آئی تو مسلمان شہر کے ایک معزز مسلمان انعام اللہ کی عظیم الشان بلڈنگ میں پناہ لینے کیلئے بے تحاشا بھاگے۔ اپنا گھر' اپنا سامان حتیٰ کہ اپنے بچوں اور عورتوں کی بھی خبر لئے بغیر مسلمان انتہائی بدحواسی کے عالم میں گھروں کو چھوڑ کر انعام اللہ بلڈنگ میں پناہ لینے لگے۔

ہم لوگوں نے جب محلّہ والوں کو راتوں رات محلّہ خالی کرتے دیکھا تو اب ہماری بھی ہمت ٹوٹنے لگی اور سوچنے لگے کہ اب سوائے اس کے چارہ نہیں کہ ہم بھی انعام اللہ بلڈنگ میں پناہ لیں۔ عین اُسی وقت معلوم ہوا کہ چھوٹے بھائی کے گھر میں کچھ تکلیف ہے۔ بدحواسی کے عالم میں کچھ سمجھ میں نہ آیا لیکن تھوڑی دیر میں سب حال کھل گیا کہ لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اب یہ ایک مسئلہ خود بخود ہی پیدا ہو گیا کہ زچہ اور بچہ کو اس قیامت کے عالم میں کس طرح اور کہاں لے جایا جائے۔ رات کا کچھ حصہ تو تیمارداری میں گزر چکا تھا، بقیہ حصہ اسی غور و فکر اور دماغی الجھن میں گزر گیا لیکن فساد کی بڑھتی ہوئی آگ نے "ہر قیمت پر جان کی حفاظت" کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔ علی الصبح ایک بھائی جان پر کھیل کر گھر سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر میں قریب کے "موٹر لاری اڈے" سے وہ ایک ٹرک اپنے ہمراہ لئے واپس آیا۔ لاری کے سکھ ڈرائیور کو دیکھ کر حیرت سے میرا منہ کھلا رہ گیا لیکن بھائی نے ٹرک سے اُتر کر مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ کہنے لگا "سردار جی ہمیں سہارنپور پہنچا دیں گے، کہتے ہیں کہ ساڑھے چار سو روپے لوں گا"۔

میں نے بھائی کو اپنے دل میں بے حد احمق خیال کرتے ہوئے کہا:

"بھائی روپیوں کا سوال ہی نہیں، جو یہ مانگ رہے ہیں ہمیں منظور ہے لیکن شرط یہ ہے کہ بال بیکا نہ ہو......"۔

سکھ ڈرائیور سیٹ پر سے اُتر آیا اور ہنس کر بولا "بھائی صاحب آپ بلاوجہ فکر کرتے ہیں، دنیا میں شریف آدمی بھی ہوتے ہیں....؟

لیکن میں اس کے بیان پر کسی طرح یقین کرنے کیلئے تیار نہ تھا اور میرا ضمیر بار بار کہہ رہا تھا کہ یہ تو سیدھی سمجھائی اور سیدھی سادی بات ہے کہ اگر سردار جی ہمیں یہاں سے

لے گئے تو زندگی کی کسی طرح خیر نہیں۔ میں نے اپنی مزید تسلی کیلئے کہا:

’’سردار جی گرونانک کی قسم کھاؤ کہ کوئی دھوکہ نہ ہوگا......؟

اس پر سکھ ڈرائیور کبھی قدر برہم ہو کر بولا...... معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگ مجھے بھی ایک کمینہ سکھ سمجھتے ہیں؟

میں نے کہا: سردار جی یہ بات نہیں، سب باتیں وقت نے سکھلائی ہیں‘‘

اس کے بعد اس نے گرونانک کی قسم کھائی اور کہا کہ ’’تم لوگ ٹرک میں جلد سوار ہو جاؤ‘‘

چونکہ اڈے پر سوائے اس کے دوسرا ٹرک موجود ہی نہ تھا۔ اس لئے بادل ناخواستہ اپنی زندگی کو ایک بار پھر سپرد خدا کرتے ہوئے سوار ہونے کی ٹھان لی۔ ٹھیلہ کی چھت غائب تھی، فرش کے تختے جا بجا ٹوٹے ہوئے تھے۔ انہیں تختوں پر ایک چارپائی بچھا کر ایک رات کی زچہ اور بچہ کو لٹا دیا۔ جو سامان پچھلے گھروں سے لا سکے تھے وہ گاڑی میں رکھا، بچوں اور عورتوں کو سوار کیا۔ اس کے بعد میں بھی ایک بار اور سکھ ڈرائیور کو راستہ میں گاڑی نہ روکنے کی تنبیہ کرتا ہوا ٹرک میں سوار ہو گیا۔

سامنے حد نگاہ تک پھر آگ کے خوفناک شعلے منہ پھاڑ رہے تھے اور خوں آشام چنگاریاں شہر کے اوپر منڈلا رہی تھیں۔ سکھ ڈرائیور نے گاڑی ایک دم پوری رفتار سے چھوڑ دی۔ راستے میں ہزاروں کی تعداد میں ہندو، سکھ ہجوم کی شکل میں جمع تھے۔ ہجوم کا ایک حصہ گاندھی جی اور پنڈت نہرو کے جے کارے لگا رہا تھا۔ کچھ لوگ ایک مسلمان کو پکڑے بیدردی سے ذبح کر رہے تھے۔ سڑک کے درمیان اور کنارے کی نالیوں میں مردوں، بچوں اور عورتوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ ہم سب یہ منظر دیکھ کر کانپ اُٹھے اور خوف سے اپنے منہ چھپا لئے۔ تھوڑی دیر میں ’’ٹھیلہ روکنے کی آوازیں آنے لگیں‘ میں نے گھبرا کر آگے کو دیکھا۔ ہندو سکھوں کا ایک مشتعل ہجوم تیزی سے ہمارے ٹرک کی

طرف بڑھ رہا تھا۔

ڈرائیور نے ہجوم کی دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہ کی اور گاڑی بیچ سڑک میں پوری رفتار سے چھوڑ دی۔ ہجوم گاڑی کے سامنے آ گیا۔ سکھ ڈرائیور نے ”ہارن کی گونج میں ٹرک کی رفتار بدستور رکھی۔ تلواروں، برچھیوں، بھالوں، کرپانوں اور لاٹھیوں سے مسلح ہجوم نے ناکام ہو کر ٹرک پر اینٹوں اور پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ ہم سب لوگ ایک دوسرے کے پاس پناہ لینے کیلئے گرنے لگے لیکن ٹرک پر چھت نہ ہونے کے باعث ہمارے جسم لہولہان ہو گئے۔ ایک بڑا سا پتھر درمیان میں لیٹی ہوئی زچہ کے سینے پر آ کر لگا۔ بچہ اور بچہ کی ماں بلبلا کر رہ گئے۔ شریک سکھ ڈرائیور نے ہزاروں گالیوں، طعنوں اور اپنے مذہبی نعروں سے متاثر ہوئے بغیر گاڑی کہیں نہ روکی۔ حتیٰ کہ آباد علاقہ ختم ہوا اور خدا خدا کر کے ہم لوگ خیر غیر آباد سڑک پر آ گئے۔ وہاں سے اینٹوں اور پتھروں کی بارش بند ہوئی۔ ہم میں سے ہر انسان سکھ ڈرائیور کی اس جرأت پر آفریں کہہ رہا تھا۔ کبھی کبھی تو آنکھیں دھوکا کھا جاتی تھیں اور بار بار دل میں یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ کیا یہ ڈرائیور ظالم سکھ قوم کا ایک فرد ہے، جس نے مشرقی پنجاب کے ہیبت ناک جہنم میں نہایت بیدردی اور شقی القلبی کے ساتھ ہزاروں نہیں، لاکھوں بے گناہ انسانوں کو بھون دیا۔ گو تاریخ انسانیت میں یہ کوئی عجیب بات نہ تھی لیکن کم از کم اس حیوانیت کے دور میں ایک بے حد نوکھا اور ممتاز واقعہ تھا۔ میں سمجھتا ہوں، ہندوستان کی موجودہ خانہ جنگی کے انسانی دور میں ایسے واقعات شاذ و نادر ہی ہوئے ہوں گے۔

سکھ ڈرائیور کی غیر محدود شرافت اور جذبہ انسانیت کی بدولت ہم لوگ خیریت سے سہارنپور پہنچ گئے۔ سہارنپور میں ہم سب بھائیوں نے مل کر طے شدہ رقم ادا کی اور اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔

ٹرک سے اُتر کر سہارنپور کے متعلق اُڑی ہوئی افواہوں کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ خوب فساد ہو چکا ہے اور آج چند گھنٹوں کیلئے اس وقت کرفیو کھلا ہے۔ یہ بات سن کر گویا دل پر دوبارہ بجلی گری۔ اب سہارنپور کے ایک ایک ذرہ سے خوف اور دہشت ٹپکنے لگی۔ معاً دل میں خیال آیا کہ ایک دوزخ کے منہ سے نکلے تھے لیکن دوسرے کے دہانے پر آ گئے۔ سب متوحش نگاہوں سے ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔ سڑکوں پر دور دُور تک انسانوں کا پتہ نہ تھا۔

تھوڑی دیر میں ایک طرف سے ایک سفید پوش معزز آدمی آتا ہوا معلوم ہوا۔ کچھ جان میں جان آئی۔ لپک کر اس کی طرف ہو لئے' بیچارہ وہ بھی کوئی انسان نہیں بلکہ فرشتہ تھا۔

ہماری دردمندانہ التجا اور روح فرسا داستان سن کر ان کا دل بھر آیا اور بڑی خندہ پیشانی سے فرمانے لگے "میں مسلمان وکیل ہوں' تمہیں اب زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ سامنے میرے مکان کا دوسرا حصہ خالی ہے' جب تک شہر کی حالت درست ہو اس میں قیام کیجئے ......"۔

حکم کی دیر تھی فوراً ہی یہ لٹا ہوا قافلہ ان کے مکان میں جا گزیں ہوا۔ بھوک کی شدت سے بچے' بڑے سب ہی نڈھال تھے۔ فوراً ہی کچھ انتظام کیا اور سب لوگ کھانا کھانے بیٹھے۔ چند منٹ گزرے تھے کہ کرفیو دوبارہ نافذ ہونے کی خبر ملی۔ اس کے بعد پھر ہم لوگ دہرہ دون کی طرح گھر میں قید ہو گئے۔ جب تک کھانا پاس تھا' کھاتے رہے۔ اس کے ختم ہونے پر فاقہ کشی کی نوبت آئی۔ تیسرے' چوتھے روز کرفیو کھلتا تھا لیکن اس میں بھی مسلمان کا گھر سے باہر نکلنا گولی کھانے کے مترادف تھا۔ اکثر مسلمان کرفیو کی عدم موجودگی میں خرید و فروخت کرتے ہوئے دشمن کی تلوار یا برچھی کا شکار ہو جاتے تھے۔

کئی روز متواتر بے آب و دانہ گھر میں بند پڑے رہے۔ خدا خدا کر کے یہ مصیبت کا دور پورے چودہ روز کے بعد ختم ہوا۔

مسلمان گھروں کے باہر چلنے پھرنے لگے۔ بازاروں میں بھی معمولی آمد و رفت شروع ہوگئی۔ ہم لوگوں کے پاس زندگی کی جو کچھ متاع بچی تھی اسے فروخت کر کے ایک دن خدا کا نام لے کر گاڑی میں بیٹھ گئے اور خیریت سے یہاں مع اہل و عیال پہنچ گئے۔ راستہ میں کوئی حادثہ پیش نہ آیا۔ البتہ ہمارے آنے کے بعد سہارنپور اور دہرہ دون کی حالت پہلے سے زیادہ ناگفتہ بہ ہوگئی۔ اس سے آگے

ع ...... کوئی بتلاؤ ہمیں بتلائیں کیا!

بمبئی:

شیخ عنایت اللہ منیجر تاج کمپنی لمیٹڈ کے برادر اصغر شیخ نذیر احمد مرحوم نے جو کئی سالوں سے بمبئی میں بڑے وسیع پیمانہ پر کتابوں کی طباعت و اشاعت کا کام کر رہے تھے اور مورخہ ۲۷ ستمبر کو کراچی سے بمبئی کو جانے والے ہوائی جہاز پر حادثہ کا شکار ہو کر شہید ہو گئے۔ اپنی وفات سے قبل ایک بیان کتاب میں اندراج کیلئے ارسال فرمایا تھا۔ اس بیان میں انہوں نے لکھا:

بمبئی میں ستمبر ۱۹۴۶ء ہی سے فرقہ وار فسادات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو کبھی چند دن کیلئے بہت شدت اختیار کر جاتا تھا اور کبھی قتل کی اکا دکا وارتوں تک موقوف رہتا تھا۔ یہ سلسلہ مہینوں جاری رہا لیکن شہر کی رونق اور کاروبار کی گہما گہمی میں کوئی فرق نہ آیا، جن دنوں میں قتل کی وارداتیں کثرت سے ہونے لگتی تھیں یا فسادات بعض بازاروں میں شدت اختیار کر لیتے تھے ان دنوں شہر والوں پر خوف و ہراس کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، جب امن کی صورت پیدا ہو جاتی تھی تو لوگ مطمئن ہو جایا کرتے تھے۔

جب قائداعظم نے ملیبار ہل کی کوٹھی بیچنی چاہی توان کی دیکھا دیکھی بمبئی کے بعض بڑے بڑے تاجروں نے بھی بمبئی سے کراچی کی طرف منتقل ہونے کی کوششیں شروع کردیں اوراپنے کاروبار کواُدھر لے جانے لگے۔ تاہم تجارتی کاروبار کو بمبئی سے کراچی کی طرف منتقل کرنے کی تحریک کسی قسم کے خوف وہراس پر مبنی نہ تھی کیونکہ اس وقت کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ ہندوستان میں آزادی مل جانے کے بعد مسلمانوں پر زندہ رہنا دشوار بلکہ محال بنادیا جائے گا۔

اگست کے آغاز میں بمبئی کے فسادات مدہم پڑتے پڑتے ختم ہوگئے تھے۔ مسلمان عام طور پر سمجھنے لگے تھے کہ اب انہیں ہندوؤں سے دب کر رہنے کے سوااور کوئی چارہ کار نہیں۔ محمد علی روڈ پر سے فسادات کے دنوں میں کسی ہندو کا گزرنا غیرممکن تھا لیکن فسادات ختم ہونے پر ہندو اس سڑک پر دندناتے پھرتے تھے۔ مسلمان بھی کان لپیٹ کر ہندوؤں کے علاقوں میں سے گزر سکتے تھے۔

۱۵راگست کو آزادی کی صبح نمودار ہوئی اور اس کے چند دن بعد خبریں پہنچنے لگیں کہ مشرقی پنجاب میں بہت خون خرابہ ہورہا ہے چونکہ مشرقی پنجاب کے واقعات کی خبریں بمبئی اور ہندوستان کے اخباروں میں نہیں چھپتی تھیں' اس لئے بمبئی کے لوگوں کو اس خوفناک حقیقت حال کی مطلقاً خبر نہ تھی جو مشرقی پنجاب کے مسلمانوں پر گزر رہی تھی۔

ستمبر کے پہلے ہفتے میں دہلی میں فسادات شروع ہوگئے اور بمبئی اور دہلی کے درمیان ہوائی جہازوں اور گاڑیوں کی آمدورفت بند ہوگئی۔ مجھے لاہور پہنچنا تھا اس لئے میں ہوائی جہاز پر سوار ہوکر بمبئی سے کراچی گیا اور وہاں سے ٹرین پر سوار ہوکر لاہور پہنچا۔

میں نے اس سفر کے دوران میں روہڑی سے لے کر لاہور تک مسلمان پناہ گزینوں کے بڑے بڑے قافلے دیکھے جو اسپیشلوں پر لادکر مختلف جگہوں کی طرف منتقل

کئے جا رہے تھے۔ شدت کی گرمی پڑ رہی تھی اور پناہ گزین بیچارے ٹرینوں کے اوپر مال کی بوریوں کی طرح لدے ہوئے جا رہے تھے۔

وسط ستمبر میں میں کراچی کی طرف لوٹ گیا۔ برادر معظم شیخ عنایت اللہ بھی میرے ساتھ تھے۔ میں نے قیام لاہور کے دوران میں سکھوں اور ہندوؤں کے بے پناہ مظالم کے درد انگیز واقعات سنے جو وہ مشرقی پنجاب اور دہلی کے مسلمانوں پر ڈھا رہے تھے۔ یہ حالات سن کر اور پناہ گزینوں کی بربادی اور تباہ حالی کو دیکھ کر میں نے سمجھ لیا کہ اب ہندوستان میں کسی جگہ بھی مسلمان کی جان اور آبرو محفوظ نہیں۔ چنانچہ بھائی صاحب کے ساتھ صلاح مشورہ کرنے کے بعد یہ بات طے ہوئی کہ میں بھی اپنا کاروبار کراچی میں منتقل کر لوں۔ اس سے قبل بعض ہندو سیٹھ میری دکان کی جگہ حاصل کرنے کیلئے مبلغ اسّی ہزار روپیہ محض پگڑی کا پیش کر رہے تھے یعنی اسّی ہزار روپیہ یونہی دے کر میری دکان معقول کرائے پر لینا چاہتے تھے لیکن میں نے ان کی یہ پیشکش قبول نہ کی تھی کیونکہ میرا ارادہ مستقل طور پر بمبئی میں رہنے اور وہیں کاروبار کرنے کا تھا لیکن مشرقی پنجاب اور دہلی کے حالات جاننے کے بعد میں نے دکان یونہی چھوڑ دی اور اپنی دکان کا سامان قرآن مجید اور کتابیں وغیرہ لاد کر لانے کیلئے دو آبی جہازوں کا بندوبست کیا اور کراچی میں دُکان لے کر وہاں کاروبار شروع کر دیا۔ اس کے بعد بمبئی سے مسلمانوں کی عام ہجرت شروع ہو گئی۔ لوگ کراچی کے ہندوؤں کے ساتھ اپنی جائیدادوں کا تبادلہ کر کے جانے لگے۔ کراچی پہنچ کر میں نے سکونت کیلئے بنگلہ کرایہ پر لیا۔ پریس خریدا اور وہاں اپنا کاروبار شروع کر دیا۔ بمبئی سے مسلمانوں کی ہجرت کا سلسلہ جاری ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان بھر سے مہاجرین بمبئی کی راہ سے پاکستان کی طرف جا رہے تھے۔ بمبئی میں مسلم لیگ کے کارکنوں نے مہاجرین کی امداد اور سہولت کیلئے کیمپ قائم رکھا ہے۔

(افسوس کہ شیخ نذیر احمد مرحوم یہ بیان ارسال کرنے کے چند دن بعد مورخہ ۲۷ ستمبر کو راہی ملک بقا ہو گئے۔ مرحوم کراچی سے ہوائی جہاز پر سوار ہو کر اپنی بقیہ جائیداد کا انتظام کرنے کیلئے جا رہے تھے کہ کراچی سے بیس میل کے فاصلے پر ہوائی جہاز کو آگ لگ گئی' پچیس مسافروں' تین ہوابازوں اور ایک خادمہ میں سے ایک متنفس بھی جانبر نہ ہو سکا۔ مؤلف)

وحشت اور بربریت:

مشرقی پنجاب' دہلی اور شمالی ہند کی ریاستوں میں ہندوستان کے آزاد ہونے کے ساتھ ہی مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دینے کی جو مہم ایک منظم اور ہمہ گیر سازش کے ساتھ شروع کی گئی' اس کی بھیانک اور ہولناک کیفیات کے بہت سے مناظر ان بیانات میں دکھائے جا چکے ہیں جو عینی شاہدوں اور صحیح اطلاعات رکھنے والے لوگوں نے ''آپ بیتیوں'' کے سلسلے میں ارسال کیے۔ تاہم شمالی ہند کے سکھوں اور ہندوؤں کی وحشت و بربریت کا صحیح نقشہ کھینچنے سے یہ بیانات قاصر ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ سکھوں اور ہندوؤں نے آزادی حاصل کر لینے کے نشے سے بدمست ہو کر سفاکی' خونریزی' غارت گری اور درندگی کے جن وحشیانہ جرائم کا ارتکاب کیا' انہیں کسی مورخ یا ادیب کا قلم لکھنے سے عاجز ہے چہ جائیکہ ان کی صحیح صحیح تصویر کھینچ کر دکھائی جا سکے۔ جنگل کے درندے اور کوہستانوں کے بھوکے بھیڑیے تو اپنے شکار کو محض چیرنے پھاڑنے ہی تک اکتفا کر لیتے ہیں لیکن شمالی ہند کے ان آدم نما حیوانوں نے صنف نازک پر ایسے ایسے مظالم ڈھائے جو زمانۂ قبل از تاریخ کے وحشی انسانوں کے وہم و گمان بھی نہ آئے ہوں گے۔ وہ وحشت کا انسان بھی عورتوں پر بیجا دست درازی کرنے سے طبعاً ہچکچاتا تھا لیکن

سکھوں اور ہندوؤں نے بیسویں صدی مسیحی کے دور تہذیب میں وہ کچھ کر دکھایا جس پر انسانیت قیامت تک اپنا سر پیٹتی رہے گی۔ آئندہ آنے والے ادوار کے لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ آیا انسانوں کی کوئی جماعت منظم سازش اور مصمم ارادے کے ساتھ ان ننگ انسانیت افعال کا ارتکاب کر سکتی ہے جو ۱۹۴۷ء کے تین چار مہینوں میں دریائے مواج کی سی روانی اور بحر ذخار کی سی فراوانی کے ساتھ صفحہ ایام پر ثبت کر کے دکھائے گئے۔ اس سلسلے میں جو تصویر ہم کھینچ رہے ہیں اسے حقیقت حال کا ایک مجمل سا خاکہ سمجھنا چاہیئے۔ اس تصویر کا ایک ایک خط سینکڑوں بلکہ ہزاروں واقعات کی نمائندگی کر رہا ہے اور ان سچی اور صحیح اطلاعات پر مبنی ہے جو ہزاروں انسانوں نے واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بیان کی ہیں۔

حکومت کی فوج اور پولیس نے عامۃ الناس کے لشکروں سے مل کر نہتے' بے بس اور بے خبر مسلمانوں کو گھیرے میں لے لے کر بندوقوں' رائفلوں' برین گنوں' سٹین گنوں' بموں' ہتھ گولوں' برچھیوں' نیزوں' تلواروں' کلہاڑیوں اور دوسرے ہتھیاروں سے بے دریغ موت کے گھاٹ اُتارا' قتل عام کیا اور خاک وخون میں لوٹایا۔

اس قتل عام میں بوڑھوں' عورتوں اور بچوں تک کو تہ تیغ کر ڈالا' بلکہ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے جنینوں تک کو نیزوں کی انیوں پر لٹکایا۔

مسلمان مردوں' عورتوں اور بچوں کو زندہ نذر آتش کر دیا۔ بچوں کو زندہ اس آگ کے شعلوں میں پھینکا جو ان وحشیوں نے مکانوں اور گھروں کو جلانے کیلئے بھڑکائی تھی۔ زخمیوں کو زندہ دفن کرا دیا گیا۔

لاشوں تک کے ٹکڑے کر ڈالے۔ اعضاء وجوارح کاٹ کاٹ کر الگ الگ پھینک دیئے۔ مردوں کے آلات تناسل کاٹ کر ان کے مونہوں میں ڈال دیئے گئے۔

بچوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت اُن کی ماؤں کے مونہوں میں ٹھونسا گیا اور ماؤں کو اپنے بچوں کا خون پینے پر مجبور کیا گیا۔

دودھ پیتے بچوں کو کیلیں ٹھونک کر دیواروں سے ٹانک دیا گیا اور ان کے تڑپ تڑپ کر جان دینے کا تماشا دیکھا۔

عورتوں کی چھاتیاں کاٹ دی گئیں اور سکھ درندوں نے ان کٹی ہوئی چھاتیوں کے ہار پرو پرو کر اپنے گلوں میں ڈالے۔

بے بس عورتوں کو مادرزاد برہنہ کر کے ان کے جلوس نکالے گئے اور ان کے ساتھ ایسی ایسی وحشیانہ حرکات کی گئیں جو سراسر ناقابل بیان ہیں۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم نے اکا دکا واقعات کا تذکرہ کیا ہے، نہیں بلکہ ایسے وحشت انگیز اور بربریت خیز جرائم کا ارتکاب مشرقی پنجاب، دہلی اور ریاستوں میں جابجا بہت وسیع پیمانہ پر کیا گیا۔ مسلمانوں کی تذلیل کرنے کی اس مہم کے نمایاں خدوخال یہ تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ سفاکوں اور درندوں کو خاص طور پر ایسی ایسی حرکات کے ارتکاب کی ہدایات دی گئی تھیں۔

(اس موقع پر مجھے اس امر کا اعتراف کر لینے میں بھی تامل نہ ہونا چاہیئے کہ مشرقی پنجاب کے ان واقعات کی اطلاعیں جب پناہ گزینوں کی زبانی مغربی پنجاب میں پہنچیں تو بعض مقامات پر مسلمان بھی اشتعال میں آ گئے اور انہوں نے بھی مغربی پنجاب کے سکھوں اور ہندوؤں پر بعض ایسی ایسی زیادتیاں کیں جو انہیں نہیں کرنی چاہیئے تھیں لیکن ان کی زیادتیاں فقط یہ تھیں کہ انہوں نے بعض اقطاع میں سکھوں اور ہندوؤں کے چند افراد قتل کر دیئے اور انہیں اپنے اپنے مسکنوں سے بھاگ کر پناہ گزین بننے پر مجبور کر دیا۔ بعض لوگوں نے ان کی عورتیں بھی چھین لیں لیکن مغربی پنجاب کے مسلمانوں کا

دامن وحشت و بربریت کی ان حرکات سے پاک رہا جن کا تذکرہ اس فصل میں مشرقی پنجاب کے سکھوں اور ہندوؤں کے بارے میں کیا گیا ہے۔ قتل اور غارت گری کی وارداتیں بھی مغربی پنجاب میں صرف معدودے چند مقامات پر وقوع پذیر ہوئیں۔ عام ہندو اور سکھ تبادلۂ آبادی کی اسکیم کے ماتحت سرکاری حفاظت و انتظام کے ساتھ اُٹھائے گئے اور مشرقی پنجاب میں پہنچا دیئے گئے۔ مغربی پنجاب کے مسلمانوں نے بچوں، عورتوں اور بوڑھوں پر ہاتھ نہیں اُٹھائے۔ تاہم جن لوگوں نے بے گناہ سکھوں اور ہندوؤں کو جوشِ اشتعال میں آ کر ناروا طور پر قتل کیا اور ان کی عورتوں کو جبراً گھروں میں ڈال لیا، انہوں نے بہت بُرا کیا۔ خدائے غفور و رحیم ان کے اس ظلم کو معاف فرمائے، آمین

نتائج و عِبَر

نتائج:

ہندوؤں اور سکھوں نے آزاد ہونے کے ساتھ ہی مشرقی پنجاب کے اضلاع، ریاستوں اور دہلی میں مسلمانوں کے قتل عام اور اخراج کی جو مہم شروع کی وہ چار ماہ کے قلیل عرصہ میں حسب ذیل نتائج پیدا کرنے کا موجب بنی۔

مشرقی پنجاب کے تمام اضلاع امرتسر، گورداسپور (ماسوائے تحصیل شکر گڑھ) فیروز پور، جالندھر، ہوشیار پور، کانگڑہ، انبالہ، رہتک، حصار، گڑگانوں، نیز کپورتھلہ، پٹیالہ، جیند، نابھہ، کلسیہ، الور، بھرتپور اور کوہستان شملہ کی تمام ریاستوں سے مسلمان بیک بنی و دو گوش نکال کر باہر پھینک دیئے گئے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والا اور اس حقیقت کبریٰ کا اقرار و اعلان کرنے والا ایک متنفس بھی اس وسیع ملک میں جس کا رقبہ ستر ہزار مربع میل ہے، باقی نہ رہا۔ مخفی نہ رہے کہ بہار کے صوبہ سے مسلمانوں کے اخراج کا کام بہت پہلے پایۂ تکمیل کو پہنچایا جا چکا تھا۔ اس قتل عام اور اخراج کے باعث مسجدیں ویران ہو گئیں، بزرگوں کے مزار تباہ کر دیئے گئے۔ ہزاروں مسلمان عورتیں جبراً و قہراً لونڈیاں بنا کر رکھ لی گئیں۔ ہزاروں بچے چھین لئے گئے اور ہزاروں خاندان ہندو یا سکھ بنا لئے گئے۔

ان اقطاع کی چھپن لاکھ مسلم آبادی میں سے لاکھوں کلمہ گویان توحید قتل کر دیئے گئے۔ اکثر گولیوں کا شکار ہوئے، بہت تیز دھار رکھنے والے آلات سے مارے گئے۔ بہت بڑی تعداد زندہ نذر آتش کر دی گئی۔ یہ ساری زمین مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بن گئی۔ کلمہ گویانِ توحید کی لاشوں سے پٹ گئی۔ چیلوں، کوؤں، گدھوں، کتوں اور گیدڑوں نے ان کا گوشت نوچ نوچ کر اس حد تک کھایا کہ سیر ہو کر منہ موڑ گئے۔

لاکھوں مسلمان حشر تمثال کیمپوں کے زہرہ گداز مصائب اور سفر کی ناقابل

برداشت صعوبتوں کا شکار ہو ہر کر مر گئے اور جہاں جہاں سے گزرے اپنے قبرستانوں سے زمین کو آباد کرتے گئے۔

ہزاروں مسلمان بارشوں کے باعث آنے والوں سیلابوں اور دریاؤں کی طغیانیوں میں غرقاب ہو کر بہ گئے۔ دریائے بیاس کے دونوں طرف کئی کئی میل تک زمین ان کی گلی سڑی لاشوں سے بَٹ گئی۔ گرانڈ ٹرنک روڈ پر سے ناک بند کیے بغیر مشکل ہو گیا۔ پاکستان میں پہنچنے کے بعد پناہ گزینوں میں اموات کی رفتار تیز تر ہو گئی' کیونکہ سفر کے مصائب جھیلنے کے باعث امراض کے مقابلے میں ان کی قوت مدافعت بہت کم ہو گئی تھی اور پاکستان میں ان کا پرسانِ حال کوئی نہ تھا۔ ۲۵ و ۲۶ دسمبر کی درمیانی شب کو جبکہ پاکستان کے اربابِ اقتدار قائداعظم کے یوم ولادت پر رقص و سرور اور مے خوشی کی محفلیں گرم کر کے جشن منا رہے تھے۔ لاہور' مغل پورہ اور دیگر مقامات کے کیمپوں میں کئی ہزار مسلمان ایک ہی شب میں سردی سے ٹھٹھر کر مر گئے۔

دہلی کے ہزاروں مسلمان ان سب کیفیات کا تختۂ مشق بن کر تلف ہوئے اور ہندوستان کے دیگر اقطاع سے لاکھوں مسلمان ہجرت کر کے پاکستان میں پناہ لینے کیلئے وارد ہوئے۔

یہ مسلمان کروڑوں روپے کی جائیدایں' املاک' اموال' اراضی' باغات' مویشی' سامان' گھر' عمارتیں اور کاروبار چھوڑ کر آئے اور پاکستان میں پہنچ کر تباہ حالی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے۔

جان و مال کے اس اِتلاف پر یہ مصیبت جھیلنی پڑی کہ بھائی سے بھائی بچھڑ گیا۔ اعزہ و اقربا ایک دوسرے سے سینکڑوں میل دور جا پڑے۔ گاؤں کے لوگ جو پشتوں سے رنج و راحت کے شریک چلے آ رہے تھے' تتر بتر ہو گئے۔

ان تمام اِتلافات اور نقصانات کا صحیح صحیح اندازہ لگانا بہت مشکل بلکہ امر محال ہے۔ تاہم زیادہ سے زیادہ حزم و احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ:

> ”قتل ہونے والوں کی تعداد ... . پانچ لاکھ‘ کیمپوں میں اور سفر کے مصائب سے مرنے والوں کی تعداد پانچ لاکھ‘ پاکستان میں پہنچنے کے بعد دو ماہ کے اندر اندر مرنے والوں کی تعداد پانچ لاکھ‘ ان عورتوں بچوں اور مردوں کی تعداد جو ہندو بنا لئے گئے ایک لاکھ ہوگی“۔

قصہ مختصر سولہ لاکھ سے لے کر بیس لاکھ تک مسلمان چھ ماہ کے قلیل عرصے میں ہلاک ہو گئے۔ باقیماندہ کی خانہ بربادی اس پر مستزاد ہے۔ کل ایک کروڑ سے زائد مسلمان سارے ہندوستان سے اس قیامتِ صغریٰ کی لپیٹ میں آئے۔ پاکستان میں پہنچنے والوں میں سے سرکاری بیان کے مطابق آٹھ لاکھ پناہ گزین ابھی مغربی پنجاب میں دربدر ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں یا کیمپوں میں پڑے سڑ رہے ہیں۔

ہندوستان سے مسلمانوں کے انحاءِ اخراج کا جو ردِّ عمل مغربی پنجاب‘ شمال مغربی سرحدی صوبہ اور سندھ کے ہندوؤں اور سکھوں پر وارد ہوا اس کے نتیجہ میں کوئی ساٹھ لاکھ سکھوں اور ہندوؤں کو ہندوستان جانا پڑا۔ ان میں سے بھی کافی تعداد سفر کے مصائب کا شکار ہوئی اور چند ہزار نفوس مغربی پنجاب میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔

چار کروڑ کے قریب مسلمان ابھی ہندوستان میں موجود ہیں‘ جن کے سروں پر ہر لحظہ فنا کی تلوار لٹک رہی ہے۔ یہ مسلمان تیس کروڑ کی غیر مسلم آبادی میں نہایت ذلت و بیکسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہر قسم کے مظالم صبر جمیل کے ساتھ سہنے کے سوا ان کیلئے اور کوئی چارۂ کار نہیں۔

کشمیر میں کفر و اسلام کے درمیان معرکۂ کارزار جاری ہے۔ کفر کی طرف ہندوستان کی ساری طاقت لڑ رہی ہے۔ اسلام کی طرف صرف کشمیر کے آزادی خواہ سرحد کے پٹھان قبائل اور پاکستان کے مجاہدین ہیں، جنہیں پاکستان اور افغانستان کی اسلامی مملکتوں میں سے کسی کی امداد حاصل نہیں۔ یہ معرکۂ کارزار ان اتلافات و مصائب پر دن بہ دن اضافہ کرتا چلا جا رہا ہے، جن کا تذکرہ ہم اُوپر کی سطور میں کر آئے ہیں۔

ایسا کیوں ہوا؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے آزاد ہونے کے ساتھ ہی یہ خانماں سوز تباہی و بربادی کیوں آئی؟ جس کی نظیر تاریخ اقوام عالم کے صفحات میں تلاش کرنے سے بڑی مشکل سے مل سکے گی۔ واقعات کی رفتار کو سامنے رکھ کر اسباب و علل کا جائزہ لیا جائے تو سب سے پہلے یہ چمکتی ہوئی حقیقت آنکھوں کے سامنے آئے گی کہ اس دور کے ہندو اور مسلمان لیڈروں نے اپنی اپنی قوموں کو برطانوی اقتدار سے آزادی دلانے کیلئے جو تحریکیں شروع کیں، وہ ایک دوسرے کے متضاد واقع ہوئی تھیں۔ لیڈر لوگ تدبر اور معاملہ فہمی کی صفات سے یکسر کورے واقع ہوئے تھے۔ انہوں نے باہمی مفاہمت سے کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کی بجائے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے پر کمر ہمت باندھ لی اور عوام میں ہر دل عزیزی حاصل کرنے کیلئے ایک دوسرے کی مخالفت کو اپنا سہارا بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں اور سکھوں میں وہی لیڈر مقبولیت کا درجہ حاصل کر سکتا تھا جو مسلمانوں کے خلاف زیادہ سے زیادہ زہر اُگلے، اور مسلمانوں میں وہی قیادت ہر دلعزیز بن سکتی تھی جو ہندوؤں اور سکھوں کی زیادہ سے زیادہ مخالفت کرے۔ دونوں قوموں کی تحریکات آزادی کا ایک محیر العقول پہلو یہ بھی تھا کہ شمالی ہند کی غیر مسلم اقلیت

مسلمانوں کے جائز مطالبات کی مخالفت میں سب سے زیادہ بلند آہنگ اور پیش پیش نظر آئی' اور اس کے مقابلے میں ہندوستان کے دیگر اقطاع کی مسلم اقلیت مطالبہ پاکستان میں شمالی ہند کے مسلمانوں سے زیادہ پُر جوش دکھائی دی۔ حالانکہ صحیح تدبر کا تقاضا یہ تھا کہ شمالی ہند کی غیر مسلم اقلیتیں مسلم اکثریت کے امیال وعواطف کی قدر کرتی ہوئی اس کے ساتھ نباہ کرنے کی صورتیں سامنے رکھتیں اور بقیہ ہند کی مسلم اقلیت یہ سوچتی کہ پاکستان بن جانے کے بعد بھی انہیں اپنے ہاں کی غیر مسلم اکثریت کے ساتھ نباہ کرنا ہے۔ اس صورت میں ہندوستان کے بر اعظم کی تحریکات آزادی کا رنگ یکسر دوسرا ہوتا۔

اگر ہندو قوم کے ارباب قیادت کا دامن تدبر کی صفات سے یکسر تہی نہ ہوتا تو وہ پاکستان کے مطالبہ کی مخالفت پر اڑنے کے بجائے اُسے مفاہمت کا بنیادی نقطہ قرار دے لیتے اور دونوں ملکوں کی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کیلئے باہمی مفاہمت سے مناسبت صورتیں اختیار کرتے' لیکن باہمی مفاہمت سے اپنے مسائل کو حل کرنے کا خیال دونوں قوموں کے سیاسی لیڈروں کے دماغوں سے یکسر عنقا ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ ہر معاملہ پر تیسری طاقت کے ثالثی فیصلہ پر انحصار کرتے رہے اور اسے ماننے پر مجبور ہوتے رہے۔

جب ہندوؤں اور مسلمانوں نے اپنی اپنی منازل مقصود ایک دوسرے کی ضد قرار دے لیں اور لیڈر لوگ اپنے اپنے پیروؤں کو ایک دُوسرے کے خلاف بھڑکانے لگے تو جا بجا فسادات کے شگوفے پھوٹنے شروع ہو گئے' جو شدت اور ہولناکی کے اعتبار سے ترقی کرتے چلے گئے۔ ارباب قیادت نے اس خطرناک کیفیت کو روکنے کی کوشش نہ کی۔ وہ ان فسادات کو نہ صرف برداشت کرتے رہے بلکہ انہیں ہوا دیتے رہے۔ خدا جانے ایسا کرنے سے ان کا مقصد ومدعا کیا تھا؟ کیونکہ فسادات کے بل پر نہ ہندوؤں

کیلئے مسلمانوں کو اکھنڈ ہندوستان کا قائل بنانا ممکن تھا اور نہ مسلمان اس طریق سے پاکستان کی منزل مقصود حاصل کر سکتے تھے۔ کلکتہ، بمبئی، ڈھاکہ، احمد آباد، نواکھلی، بہار، یوپی اور مغربی پنجاب کے اضلاع میں جو خونریزیاں مہینوں جاری رہیں، وہ ارذل قسم کی معاندت اور کینہ جوئی کے مظاہروں کے سوا اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔ ان فسادات کو گوارا کرنے بلکہ انہیں ترقی دینے اور اپنی ضد پر قائم رہنے کے معاملہ میں ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کے لیڈر انگیز حکمرانوں کے ہاتھ میں کھیلتے رہے جو انہیں آزادی خواہی کی سزا دینے کا متمنی تھا، اور دنیا پر یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ اس براعظم کے لوگ آزاد ہو کر اپنی زمین کو ایک دوسرے کے خون سے لالہ زار بنا دیں گے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں نے باہمی مفاہمت سے اپنے مسائل کو حل نہ کیا اور انگریز نے ایسا فیصلہ نافذ کر دیا جو ایک طرف تو ہندوؤں اور سکھوں کے اعلان کردہ عزائم کے منافی تھا اور دوسری جانب مسلمانوں کے مطالبہ کو انتہا درجہ کی ناقص شکل میں تسلیم کر رہا تھا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ ہندو اور سکھ اس ثالثی فیصلہ کو اسی نیک نیتی کے ساتھ قبول کر لیتے جس سے کہ مسلمانوں کی قائدیت نے اسے مان لیا تھا۔ لیکن وہ مسلمانوں کو اپنا جائز حق مانگنے کی سزا دینا چاہتے تھے، اس لئے انہوں نے آزاد ہونے اور ملک کا اقتدار سنبھالنے کے ساتھ ہی مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کے قتل عام اور اخراج کی مہم شروع کر دی۔ ان کا خیال یہ تھا کہ نوزائیدہ اور ناقص پاکستان ان کے اس حملہ کی تاب نہ لا سکے گا اور مسلمان گھٹنے ٹیک دیں گے۔ چنانچہ یہ مہم جس کی سازش اور تیاری بہت وسیع پیمانہ پر پہلے سے کر لی گئی تھی انتہائی شدت کے ساتھ اختیار کی گئی، جو مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کے اخراج اور ہندوستان بھر میں مسلمانوں کی تذلیل پر منتج ہوئی۔

مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کو اس مصیبت کبریٰ، اس تباہی اور اس خانماں

بربادی کا شکار اس لئے ہونا پڑا کہ وہ سراسر غیر منظم اور غافل تھے۔ اُن پر دشمن نے ایک ہمہ گیر تنظیم، سازش اور تیاری کے ساتھ یکا یک دھاوا بول دیا۔ اس حال میں بھی انہوں نے ہندو اور سکھ عوام کا مردانہ وار مقابلہ کیا، لیکن حکومت کی باقاعدہ افواج کا مقابلہ کرنے کی ان میں سکت نہ تھی۔ عدم تنظیم اور بے سروسامانی کے باعث انہیں یہ خیال بھی نہ آ سکتا تھا کہ وہ ایسی حکومت کے مقابلے کیلئے کھڑے ہو جائیں، جس نے محافظ بننے کے بجائے قاتل اور غارت گر کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ مسلم لیگ کی اعلیٰ قیادت انہیں بھیڑیوں کے حوالے کر چکی تھی۔ اس نے اتنا سوچنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی تھی کہ جن پانچ کروڑ مسلمانوں کو وہ ہندوؤں اور سکھوں کے رحم و کرم پر چھوڑ رہے ہیں، انہیں وہاں کیسی کیسی مشکلات پیش آ سکتی ہیں اور ان مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کیلئے وہ کیا کر سکتے ہیں؟ مقامی قائدین اور ارباب رسوخ خطرے کی علامات دیکھنے کے ساتھ ہی غائب غلّہ ہو گئے تھے۔ غفلت، عدم تنظیم، تیاری کے فقدان، ارباب قیادت کی خود غرضانہ بے تدبیری اور معاملہ نافہمی کے باعث مشرقی پنجاب اور ہندوستان کے مسلمان اس ذلت آمیز ابتلا کا شکار ہوئے۔ حکومت کے مقابلہ پر ڈٹ نہ سکنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پشتہا پشت سے امن کیلئے حکومت پر انحصار کرنے کی خصلت کے باعث مسلمانوں کے بعض طبقات میں بزدلی کے امراض سرایت کر چکے تھے۔ اس لئے عام لوگ خوف و ہراس کا شکار جلد ہو جاتے تھے۔

مسلمانوں کے ارباب قیادت کہہ سکتے ہیں کہ یہ بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی کہ آزادی حاصل کر لینے کے فوراً بعد ہندوستان سے مسلمانوں کے اخراج و امحاء کی مہم شروع کر دی جائے گی، لیکن یہ عذر کسی لحاظ سے بھی قابل قبول نہیں۔ واقعات کی رفتار مدت سے ہندوؤں اور سکھوں سے خطرناک رُجحانات کا ڈھنڈورا پیٹ

رہی تھی۔ سانحات کی زنجیر پے در پے مسلمانوں کی قائدیت کو انتباہ کرتی چلی آ رہی تھی۔ عامۃ المسلمین بہار کے المیہ کے بعد ہی اپنے لیڈروں کی طرف دیکھنے لگے تھے کہ ایسی ایسی اُفتادوں سے بچنے بچانے کیلئے وہ کیا رہنمائی کرتے ہیں۔ لاہور کے ایک گوشہ نشین بزرگ "روح الملت" نے سانحۂ بہار سے متاثر ہو کر قائداعظم کی خدمت میں جو عریضے لکھے ان میں مسلمانوں کے ارباب قیادت کو نہایت واضح الفاظ میں وفاعی تنظیم کے ضروری کوائف کی طرف توجہ ولادی تھی۔ اگر ہمارے اربابِ قیادت حالات کی رفتار کو سوچنے اور سمجھنے کی زحمت گوارا کرتے تو وہ بھی اپنی قوم کو اس معرکہ کیلئے اسی طرح منظم اور تیار کر سکتے تھے جس طرح سکھ اور ہندو لیڈروں نے اپنی اپنی قوموں کو تیار کیا۔ اگر یہ صورت اختیار کی جاتی تو مشرقی پنجاب ہی میں کشمیر کے سے جہاد کی کیفیت پیدا ہو سکتی تھی۔

مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہوا تو پاکستان کے ارباب اقتدار پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ ہندوستان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیتے۔ باقاعدہ افواج کی مدد سے ان مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کرتے جو ان کی بے تدبیریوں کے باعث اس مصیبت کبریٰ میں مبتلا ہو گئے تھے۔ لیکن انہوں نے زمامِ اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لینے کے شوق میں یہ جاننے کی زحمت بھی گوارا نہ کی تھی کہ ہمارے حصے کی فوجیں کہاں کہاں پڑی ہیں۔ ہمارا جنگی سامان کس جگہ ہے اور ہمارے حصے کا روپیہ کس بنک میں جمع ہے۔ اس حال میں انہوں نے مشرقی پنجاب کے گرفتاران بلا کی امداد کیلئے جو ذرائع اختیار کیے وہ کچھ اس طرح کے تھے۔

کچھ فوجی ٹرک چلائے جو بدرجۂ اوّل پاکستان کے ارباب اقتدار اور ارباب انتظام کے رشتہ داروں، دوستوں اور وسیلہ رکھنے والے لوگوں کو لاتے رہے اور بدرجۂ دوم ان لوگوں کو لائے جو کرائے یا رشوت کی گرانقدر رقمیں ادا کر سکتے تھے، اور بدرجۂ سوئم

بیماروں، عورتوں اور بچوں کو لاتے رہے۔

کچھ اسپیشل گاڑیاں چلائیں جو عام لوگوں کے کام آئیں۔ پاپیادہ اور بیل گاڑیوں کے قافلے لانے کیلئے فوجی نفری متعین کی جس نے بہت اچھی خدمات سرانجام دیں، لیکن اس نفری کی تعداد بہت کم تھی۔ اکثر قافلے ہندو ملٹری کے ہاتھوں طرح طرح کی مصیبتیں اور ذلتیں برداشت کرتے رہے۔

پاکستان میں پناہ گزینوں کے کیمپ لگائے جہاں بدنظمی اور بے توجہی کے باعث اموات کی رفتار تیز تر ہو گئی۔

پہلے اُن لوگوں کو بسایا گیا جو اربابِ اقتدار و انتظام سے تعلق رکھتے تھے یا کچھ سرمایہ لے کر آئے تھے اور پاکستان کے کارندوں کو رشوت دے سکتے تھے۔

پھر اُن لوگوں کا ہاتھ پکڑا گیا جو صبر ایوب کے ساتھ دوائر متعلقہ کا طواف کر سکتے تھے اور سفارشیں لا سکتے تھے۔

ازاں بعد ان غریبوں کی باری آئی جو حکام کے گلے پڑ گئے اور انہیں کسی نہ کسی طرح سنبھالنا ضروری ہو گیا۔

کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنا سب کچھ لٹا کر یہاں پہنچے ہیں لیکن متذکرہ صدر صلاحیتوں میں سے کوئی سی صلاحیت نہ رکھنے کے باعث محروم بیٹھے ہیں۔

(مؤلف نے بہت کوشش کی کہ پاکستان کی وزارتِ پناہ گزینوں سے ان ذرائع کے متعلق صحیح اور پوری پوری معلومات حاصل کر کے کتاب میں شامل کر سکے جو مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کو نکالنے اور پاکستان میں بسانے کیلئے اختیار کئے گئے لیکن افسوس ہے کہ اس میں کامیابی نہ ہو سکی)

اگر ہندوستان اکھنڈ رہتا:

ہندوستان کے مسلمانوں کو جس تباہی' بربادی اور ذلت و مسکنت کا سامنا کرنا پڑا اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمانان ہند اپنے سیاسی نصب العین یعنی پاکستان کو ادھوری سی شکل میں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے' اور اس بات نے ہندوستان اور مشرقی پنجاب کے ہندوؤں اور سکھوں کو بے طرح برافروختہ کر دیا تھا۔ وہ ایک طرف تو مسلمانوں کو پاکستان کا مطالبہ پیش کرنے کی سزا دینا چاہتے تھے۔ دوسری جانب ان کا مقصد و مدعا یہ تھا کہ نوزائیدہ پاکستان سنبھلنے سے پہلے پہلے ختم ہو کر رہ جائے۔ انہوں نے ان مسلمانوں کو جو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیئے گئے تھے' دل کھول کر سزا دے لی' لیکن پاکستان اس پہلے شدید حملہ کو سہہ گیا۔ یہ الگ سوال ہے کہ مستقبل کے شدید تر حملوں کے مقابلے میں جو پے در پے اس کی ہستی کا خاتمہ کرنے کیلئے کئے جائیں گے اس کی تاب مقاومت کیسی ثابت ہو گی؟

اس موقع پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسلمانانِ ہند اکھنڈ ہندوستان کے ہندو مطالبہ کی مخالفت نہ کرتے اور انڈین نیشنل کانگرس کا ساتھ دیتے تو کیا وہ اس تباہی و بربادی اور ذلت و مسکنت سے بچ سکتے تھے؟ پاکستان کے مسلمانوں میں اب بھی اس خیال کے لوگ پائے جاتے ہیں کہ اگر ہندوستان کے مسلمان قائداعظم محمد علی جناح کے بجائے مولانا ابوالکلام آزاد کی رہنمائی قبول کر لیتے تو وہ ہندوستان میں عزت و آبرو کی پُرامن زندگی بسر کرنے کے قابل بن سکتے تھے۔ راقم الحروف کی رائے میں یہ عقیدہ ایسے لوگوں کا سطحی سا خیال ہے جو ہندو اور سکھ قوم کی نفسیات سے آگاہ نہیں۔ ہندو اور سکھ اسی زمانے سے مسلمانوں کو بھارت ورش کی پوتر زمین میں مداخلت بے جا کرنے

والے غیر ملکی سمجھتے چلے آئے ہیں، جب مسلمان اس ملک کے حکمران اور فرماں فرما تھے۔ ان کا ایک طبقہ ہمیشہ سے اس وقت کا خواب دیکھ رہا ہے جب وہ مسلمانوں کو ہندوستان کی سرزمین میں کلی طور پر فنا کر دینے اور انہیں ملک سے نکال دینے میں کامیاب ہو سکیں۔ یہ طبقہ ہندوستان کو مسلمانوں کے وجود سے اسی طرح پاک دیکھنے کا متمنی ہے جس طرح ہسپانیہ سے مسلمان بے دخل کر دیئے گئے تھے۔ اگر مسلمان کسی نہ کسی شرط پر اکھنڈ ہندوستان میں رہنے پر رضامند ہو جاتے تو زُود یا بدیر انہیں اس طبقہ کے معاندانہ رُجحانات کا تختۂ مشق بننا پڑتا اور اس ظلم سے اپنی گلو خلاصی کرانے کیلئے وہ شدید تر اور ہولناک تر مصائب میں سے گزرنے پر مجبور ہو جاتے۔ اِس وقت اُدھورے پاکستان میں انہیں بری بھلی جائے پناہ مل گئی لیکن ہندوستان کو اکھنڈ رکھنے کی صورت میں انہیں زورِ بازو سے جائے پناہ بنانی پڑتی اور صعب تر امتحانات میں سے گزرنا پڑتا۔

اس موقع پر میں مخدومی و مرشدی حضرت "روح الملت" صاحب مدظلہ العالی کا ایک مکتوب درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو انہوں نے مورخہ ۲۷ نومبر ۱۹۴۶ء کو مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمت میں بھیجا۔ اس خط کو درج کرنے سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ انڈین نیشنل کانگرس نومبر ۱۹۴۶ء ہی میں اپنے امیال و عواطف کے اعتبار سے کھلم کھلا ہندو مہا سبھا بن چکی تھی۔ مکتوب کا مضمون یہ ہے:

مخدومی و معظمی! مولانا ابوالکلام آزاد زید اللہ تعالیٰ مجدکم العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ!

میں نے آپ کی وہ تقریر جو آپ نے انڈین نیشنل کانگرس کے اجلاسِ میرٹھ میں ارشاد فرمائی، پڑھی ہے۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ بھی اس حقیقت کو محسوس کرنے لگے ہیں کہ ہندو قوم اور اس کے اربابِ قیادت کے طبائع کا میلان صحیح نہیں، اور انڈین نیشنل

کانگرس نے انگریز سے مستعار سا اقتدار حاصل کر لینے کے ساتھ ہی ایسی روش اختیار کر لی ہے جو آپ نے بلند اصولوں اور آپ کی نیک خواہشوں سے مطابقت نہیں رکھتی۔

آپ شاید یہ کہیں کہ ہندو کیمپ میں جس قسم کے رجحانات ترقی پذیر ہیں' وہ مسلم لیگ کی اختیار کردہ روش کا ردِ عمل ہیں۔ اُدھر لیگ والے کہتے ہیں کہ اُن کی مذہوجی سرگرمیاں ہندو قوم اور انڈین نیشنل کانگرس کے امیال و عواطف کا بلاواسطہ نتیجہ ہیں۔ میں علت و معلول کی اس بحث میں نہیں جاتا۔ صرف آپ کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ اس احساس کے بعد جو آپ کے دل میں بہار کے مسلمانوں کی داستان الم سن کر اور میرٹھ میں نیشنل کانگرس کے ہندو ارباب قیادت کے رجحانات کو بچشم سر خود دیکھ کر پیدا ہوا' آپ کا انڈین نیشنل کانگرس کے ساتھ وابستہ رہنا کچھ موزوں و برمحل نظر نہیں آتا۔ ان حالات میں جو کچھ کہ وہ بن چکے ہیں اور بن رہے ہیں' انڈین نیشنل کانگرس کے ساتھ آپ کی وابستگی محض نام کی پرستش تو کہلا سکتی ہے اسے اب آپ کے معاملے میں تمسک باالاصول کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

مجھے آپ کو اس حقیقت کی طرف توجہ ولانے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ ہزاروں مخلص مسلمان جو عقل و فکر کی نعمتوں سے تہی دامن واقع ہوئے ہیں' محض آپ کی ذاتِ گرامی کے باعث عصرِ حاضر کی بہت بڑی گمراہی کا شکار ہو رہے ہیں' اور سمجھتے ہیں کہ ان کی سیاسی نجات اس انڈین نیشنل کانگرس کی پیروی کرنے میں ہے' جسے آپ بھی راہِ راست سے منحرف محسوس کرنے لگے ہیں۔ میں اکثر سوچا کرتا ہوں کہ آپ اپنی قوم کو

ساتھ لئے بغیر کیوں ایسے لوگوں کی محفلوں اور مجلسوں کی رونق بنے ہوئے ہیں، جن سے راہِ راست پر آنے کی کبھی توقع نہیں کی جا سکتی۔ میرے اس دعوے پر تاریخ کے اَوراق گواہ ہیں، اور میری بصیرت کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ان لوگوں کا دامن ان صلاحیتوں سے یکسر خالی ہے، جن کی بنا پر گردشِ ایام کسی قوم کو خود انتظامی یا نااہلوں پر حکمرانی کا منصب عطا کیا کرتی ہے۔

حضرت الافخم! آپ یہ خیال نہ فرمائیں کہ میں آپ کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کی دعوت دے رہا ہوں۔ مسلم لیگ کے نظامِ قیادت کا مالہٗ وماعلیہ بھی میری نظروں سے مخفی نہیں۔ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ آیا حضرت رب العزت کو ہندوستان کے مسلمانوں کی بھلائی منظور ہے یا اس بدبخت قوم کی تقدیر میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ اس کے رہنما (میں ان میں سب لیبلوں کو شامل کر رہا ہوں) اسے ہمیشہ کیلئے اندرونی اور بیرونی ظالموں کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنائے رکھیں گے۔

میں نے یہ سطور محض تو صیہ بالحق کے طور پر خدمت گرامی میں پیش کی ہیں، اگر کوئی بات کبیدگیٔ خاطر کا موجب ہو تو عفو و درگزر سے کام لیں۔ والسلام "روح الملت"

کانگرسی حکومت نے ہندوستان کی حکمرانی کا کاروبار سنبھالتے ہی مسلمانوں کے قتل عام، اخراج اور تذلیل کی مہم کا جس طرح ساتھ دیا، وہ سب اوراق ماسبق میں بیان کیا جا چکا ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر مولانا ابوالکلام آزاد کی طرح ہندوستان کے مسلمانوں کا بیشتر حصہ انڈین نیشنل کانگرس کا ساتھ دیتا تو اس صورت میں بھی ہندوستان کی سرزمین میں انہیں چین سے بیٹھنا نصیب نہیں ہو سکتا تھا۔

مسلمان کیوں ذلیل ہیں؟

۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے مسلمانوں کو جس ذلت آمیز تباہی کا روزِ بد دیکھنا پڑا، اس کی ذمہ داری بہت بڑی حد تک مسلمانوں کے نظامِ قیادت کے کھوکھلے پن پر عائد ہوتی ہے۔ مسلم لیگ کی تحریک بنیادی اور اُصولی حیثیت سے درست تھی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آبرومندانہ حیثیت کو برقرار رکھنے کی واحد صورت یہی تھی کہ مسلمان اپنی اکثریت رکھنے والے اقطاع میں آزاد اور خود مختار سٹیٹ قائم کرتے اور دوسری طرف جانے والی مسلم اقلیت کے تحفظ کیلئے مناسب کفالتیں حاصل کرنے پر زور دیتے۔ نیز اس بات کا اطمینان حاصل کر لیتے کہ اگر ہندوستان کے غیر مسلموں نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد انہیں تباہ و برباد کر دینے پر کمر ہمت باندھ لی تو ان کے بچاؤ کی کون سی صورت اختیار کی جا سکے گی۔ لیکن مسلم لیگ کا نظامِ قیادت، غفلت، خود غرضی اور فقدانِ تدبر کا شکار ہو کر اپنے بہت سے فرائض کی ادائی سے قاصر رہ گیا اور نتیجہ ان ہولناک صورتوں میں رونما ہوا جو ہمارے سامنے آئیں۔

ہندوستان میں کفر و اسلام کی آویزش کے سلسلے میں ہماری اس شکست کے ظاہری اسباب و علل وہ ہیں جن کا مجمل سا تذکرہ ہم اُوپر کے اوراق میں درج کر چکے ہیں، لیکن اس ہزیمت کے حقیقی اسباب و علل ان کے علاوہ کچھ اور ہیں، بلکہ ظاہری اسباب ہمارے باطنی امراض کا بلاواسطہ نتیجہ ہیں جن پر ہمیں زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

ہماری تاریخ کا یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں کہ تین چار ماہ کے قلیل عرصہ میں ہندوستان کی کفریہ طاقتوں نے ملک کے ایک معتدبہ حصے میں دین اسلام کا نام و نشان تک مٹا دیا اور باقیماندہ ملک میں مسلمانوں کو ذلت کی ہر لحظہ پُرخطر زندگی بسر کرنے پر

مجبور کر دیا۔ اس ذلت و شکست کے باوجود اگر پاکستان کے مسلمان بدستور خوابِ غفلت میں مست پڑے رہیں تو وہ اس سے بھی زیادہ ہولناک تباہی کی دعوت دے کر رہیں گے جو مشرقی پنجاب اور ہندوستان کے مسلمانوں پر وارد ہو چکی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی کوتاہیوں کا جائزہ لیں اور ہم میں کا ہر ایک فرد اپنی اپنی غلط روی کی اصلاح کی طرف مائل ہو کر اپنے اُس فرض کی ادائیگی کی طرف متوجہ ہو جائے جو گردشِ ایام نے ہم پر عائد کر دیا ہے۔

ہمیں اپنی ہزیمت و ذلت کے حقیقی اسباب و علل تلاش کرنے کیلئے بہت زیادہ کدو کاوش کی ضرورت نہیں۔ ہمارا اور ہمارے لیڈروں کا قصور فقط یہ ہے کہ ہم سب اسلام اور خدائے اسلام کی طرف سے عائد ہونے والے فرائض کو یکسر فراموش کر بیٹھے ہیں' اور ہمارے اعمال و افعال اور ہماری حرکات و سکنات کا مرکز و محور دین اسلام کی سربلندی کے بجائے جائز حدود سے نکلی ہوئی ذاتی منفعت اندوزی بن چکا ہے۔ ہماری جملہ خرابیوں' کوتاہیوں' غفلتوں اور ناکامیوں کی حقیقی علت یہی ہے۔

میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ملتِ پاکستان کے اعاظم رجال سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ پناہ گزین تک تمام طبقات کے مسلمانوں کی غالب اکثریت ناجائز منفعت اندوزی کے مرضِ قبیحہ میں مبتلا ہے' اور پاکستان کو صحیح خطوط پر مضبوط و مستحکم بنانے کے فریضہ کی طرف سے ہمارے اکثر لوگ غافل محض بیٹھے ہیں۔ ہماری یہی خصوصیت ہماری تمام خرابیوں' کوتاہیوں' ذلتوں اور ہزیمتوں کی جڑ ہے۔ اگر ہم اللہ کی رضا کو ہر شے پر مقدم رکھتے ہوئے ناجائز منفعت اندوزی سے دستکش ہو جائیں تو ہم آج بھی اسی طرح سربلند ہو سکتے ہیں جس طرح ہمارے آباؤ اجداد صدہا سال اس دنیا میں سربلند رہے۔

ہمارے آقا و مولا مخبر صادق رسول اللہ ﷺ نے اُمت مسلمہ کی ذلت و نکبت

کی علت "حب المال وکراہیۃ الموت" کے بلیغ الفاظ میں بیان فرمائی تھی۔ آج ہم اپنے اعمال و افعال اور اپنی حسیات و خواہشات کا جائزہ لیں تو سمجھ سکتے ہیں کہ دور حاضر کا مسلمان "دھن" کی اس بیماری میں بے طرح مبتلا ہو چکا ہے، جسے رسول مقبول ﷺ نے ہماری ذلت و پستی کی علت قرار دیا تھا۔ حضرت ابوداؤد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

> رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ایک وقت ایسا آئے گا کہ دنیا کی تمام قومیں تم سے لڑنے کیلئے جمع ہو جائیں گی اور ایک دُوسرے کو اس طرح بلائیں گی جیسے بھوکے ایک دوسرے کو کھانے کے لئے بلاتے ہیں۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ کیا ہم اُس وقت تعداد میں تھوڑے ہوں گے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں، تمہاری تعداد تو بہت ہو گی لیکن تم ایسے ہو جاؤ گے جیسے تیز سیل کے بہاؤ پر کا خس و خاشاک ہوتا ہے۔ دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکل جائے گی (وَلَيَقْذِفَنَّ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهْنَ) تمہارے دلوں میں "وہن" پیدا ہو جائے گا۔ عرض کیا گیا "وہن" سے کیا مراد ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا "حُبّ الدنیا وکراہیۃ الموت" یعنی مال کی محبت اور موت کا ڈر"

ہم نے دیکھ لیا کہ مشرقی پنجاب اور ہندوستان سے مسلمانوں کے اخراج کا منظر تیز سیل کے سامنے خس و خاشاک کے بہ نکلنے کے منظر سے کم نہ تھا۔ اس کے ظاہری اسباب جیسا کہ بیان کیے جا چکے ہیں، یہ تھے کہ مسلمانوں کے لیڈر اور عوام دُشمن کی ان عیاریوں اور تیاروں سے یکسر غافل رہے جو مدت سے کی جا رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے شئون کی حفاظت و مدافعت کیلئے کسی قسم کی تدبیر اور تیاری نہ کی۔ اس غفلت کی حقیقی علت یہ تھی کہ ہمارے خواص اور عوام اِس دَور میں "حب المال اور کراہیۃ الموت" میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہماری جملہ سیاسی اور دُنیوی بلکہ ایک حد تک دینی سرگرمیوں کا محور

یہی حب المال بن چکا ہے۔ بڑے سے لے کر چھوٹے تک سب کے سب زراندوزی کو اپنی زندگیوں کا مطمح نظر بنائے بیٹھے ہیں' اور اس کیلئے ہر قسم کے جائز اور ناجائز وسیلے اختیار کرنے میں دریغ سے کام نہیں لیتے۔ دین اسلام جائز طریقوں سے معاش کے اسباب مہیا کرنے سے منع نہیں کرتا بلکہ انہیں ضروری قرار دیتا ہے' لیکن حد سے بڑھی ہوئی زراندوزی اور منفعت کوشی کو وہ مذموم قرار دیتا ہے اور اسے حرام ٹھہراتا ہے۔ جب تک مسلمان خدا کی مقرر کی ہوئی حدوں کے پابند رہے' وہ اس دنیا میں بھی سرفرازی اور کامرانی کی زندگی بسر کرتے رہے اور اپنے اعمال کی نیکی سے آخرت کیلئے بھی بہتر سے بہتر سرمایہ بھیجتے رہے۔ لیکن جونہی ان میں حلال و حرام کی تمیز اُٹھ گئی اور جائز کسب معاش کی جگہ ناجائز منفعت کوشی نے لے لی' وہ اس دنیا میں بھی ذلیل ہونے لگے اور اپنی آخرت بھی برباد کرنے کے درپے ہو گئے۔

''حُبّ المال'' انسان کو ناجائز منفعت کوشی کی طرف راغب کرتی ہے اور ناجائز منفعت کوشی میں مبتلا ہو کر انسان اتنا خود غرض بن جاتا ہے کہ وہ اسلام' قوم اور دوسرے انسانوں کے حقوق و فرائض کی طرف سے غافل ہو کر ایسے اعمال کا مرتکب ہونے لگتا ہے جو سب کیلئے تباہی کا پیش خیمہ بننے والے ہوں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی تباہی کے سلسلہ میں مسلمانوں کے نظام قیادت سے جو افسوسناک کوتاہیاں اور غلطیاں سرزد ہوئیں' ان سب کی علت یہی تھی کہ وہ بھی عوام کی طرح ''حب المال'' کے مرض میں مبتلا تھے' اور لارڈ مونٹ بیٹن کے ارشاد کے مطابق ''اقتدار حاصل کرنے کیلئے بیتاب ہو رہے تھے''۔ اس ''حب المال'' کے بدترین مظاہرے مشرقی پنجاب اور ہندوستان کے محشر تمثال کیمپوں میں بھی دیکھے گئے۔ جہاں اتنی بڑی مصیبت کبریٰ کے باوجود اُس راشن میں خیانت کی جاتی تھی جو ان کیمپوں میں پاکستان اور ہندوستان کی

حکومتوں کی طرف سے یا مخیّر لوگوں کی طرف سے بھیجا جاتا تھا۔ خود مسلمان جو اِدھر اُدھر سے خورد و نوش کی اشیاء لا سکتے تھے' حد سے زیادہ گراں فروشی کرتے رہے۔ بعض کیمپوں میں پانی کا ایک ایک گلاس پانچ پانچ دس دس روپے میں فروخت ہوا۔ پھر یہ کیفیت بھی دیکھی گئی کہ پناہ گزینوں کو نکال کر لانے والے ٹرک جو سرکاری طور پر بھیجے جاتے تھے' رشوت لینے کا ذریعہ بنائے جاتے رہے۔ یہاں پاکستان میں پناہ گزینوں کو لانے اور پھر سے بسانے کے سلسلے میں کنبہ پروری' دوست نوازی' رشوت ستانی اور اقتدار فروشی کی جو گرم بازاری نظر آ رہی ہے۔ وہ ظاہر کرتی ہے کہ مسلمان کس حد تک حب المال کی مذموم کیفیت میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ غرض کہاں تک بیان کیا جائے' پاکستان کے وزراء حکام' خواص اور عوام سب کے سب (بہ استثنائے معدودے چند) اپنا اپنا جائز حق لینے کے معاملہ سے گزر کر ناجائز منفعت اندوزی کے مرض میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ یہ ایک چمکتی ہوئی حقیقت ہے کہ اس دور کے مسلمان اللہ کی رضا اور آخرت کی بھلائی حاصل کرنے کو اپنے اعمال و کردار کا محور بنانے کی طرف سے یکسر غافل ہیں' اور ان کے اعمال کا محرک غیر مسلم اقوام کی طرح صرف دُنیوی منفعتیں حاصل کرنا رہ گیا ہے۔

حُبّ المال کی کیفیت یہ ہے۔ دوسرا مرض جو مخبر صادقِ ﷺ نے مسلمانوں کی ذلّت کا سبب بتایا۔ کراہیۃ الموت ہے۔ اس معاملے میں بھی عصرِ حاضر کے مسلمانوں نے بعض مقامات میں ثابت کر دکھایا کہ مسلمان کہلانے والے لوگ بھی موت سے ڈر کر بدحواس ہو کر بھاگ سکتے ہیں۔ ڈرپوک لوگ حملے کے وقت یا حملوں کی خبریں سُن کر سراسیمہ ہو ہو کر بھاگ نکلتے تھے۔ مقابلے یا منظم طریق سے بچاؤ کی جگہ پہنچنے کی کوئی تدبیر نہیں کرتے تھے۔ اس قسم کے افراد ان لوگوں کی تدابیر کو بھی ناکارہ بنا دیتے تھے جو مردانہ وار لڑنے اور جان دینے پر آمادہ ہوتے تھے' اور اس کیلئے مناسب اقدامات کرنا

چاہتے تھے یا کرتے تھے۔ اگر مشرقی پنجاب اور ہندوستان کے مسلمان کا ایک طبقہ کراہۃ الموت کے مرض میں مبتلا نہ ہوتا تو دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے معاملہ میں ان کا ریکارڈ اس سے بدرجہ زیادہ بہتر ہوسکتا تھا جو انہوں نے جا بجا کر دکھایا۔

بہر حال اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو ۱۹۴۷ء میں جس اُفتاد کا سامنا ہوا' وہ ہماری غفلتوں' کوتاہیوں اور غلطیوں کا نتیجہ تھی۔ اور ان غفلتوں' کوتاہیوں اور غلطیوں کی علت العلل یہ تھی کہ ہم عام طور پر وہن کی بیماری یعنی مال کی محبت اور موت کے ڈر میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اس لئے ہم ہندوستان کی سرزمین سے اس طرح نکال دیئے گئے جس طرح تیز رو سیل خس وخاشاک کو بہا لے جاتا ہے۔

تتمۂ کلام:

ہندوستان سے مسلمانوں کے اخراج اور اس ملک میں اسلام کی توہین وتذلیل کے اس عبرت انگیز سانحہ کا ایک روشن پہلو فقط یہ ہے کہ ہم اس وسیع برّاعظم کے ایک گوشے یعنی "پاکستان" میں اپنی ایک آزاد مملکت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اس کے قیام کی وجہ سے ہم سے بہت بڑی قربانیاں لی جا چکی ہیں۔ مشرقی پنجاب میں ہمارا نام ونشان تک مٹا دیا گیا۔ بقیہ ہندوستان میں اسلام کو ذلت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ ہمارے زائد از ہزار سالہ دورِ کامرانی کے آثار محو کر دیئے گئے ہیں' اور جو باقی ہیں وہ محو کئے جا رہے ہیں۔ ان حالات میں ملت اسلامیۂ پاکستان کے سامنے دورِ ایام بعلامت استفہام کھڑا سوال کر رہا ہے کہ کیا ہم پاکستان کو ایک مضبوط ومستحکم اسلامی ملک بنانے میں کامیاب ہو سکیں گے؟ کیا وہ مسلمان جو ہندوستان میں باقی رہ گئے ہیں عزت وآبرو کی زندگی بسر کرنے کے قابل بن سکیں گے؟ کیا پناہ گزینوں کو اپنی

املاک واپس مل سکیں گی یا ان کے جانی اور مالی اتلافات ونقصانات کی تلافی ہو سکے گی؟ کیا ہندوستان کے ہندو اور سکھ پاکستان کے وجود کو گوارا کر لیں گے اور اُسے پنپنے دیں گے؟ کیا ہندوستان اور پاکستان کے ارباب سیادت وقیادت ایسی صلاحتیں پیدا کر سکیں گے کہ اپنے اختلافی امور کو باہمی افہام وتفہیم سے طے کرنے لگیں یا اختلاف ومخالفت کا یہ سلسلہ ترقی کرتا چلا جائے گا۔

یہ اور اس قسم کے بیسیوں سوالات ہیں جن کا جواب پاکستان کے موجودہ اور آئندہ ارباب بست وکشاد اور اصحاب فکر وتدبّر کو دینا ہے۔ البتہ ایک حقیقت ظاہر و باہر ہے کہ مشرقی پنجاب کے سکھ لیڈر تارا سنگھ کی تلوار بدستور بے نیام ہے۔ وہ اب بھی کہہ رہا ہے کہ سکھ مسلمانوں کو سارے پنجاب سے بے دخل کر کے رہیں گے۔ ہندوستان کے ہندوؤں میں ایسے عنصر کی کمی نہیں جو ہندوستان کو بھی مشرقی پنجاب کی طرح اسلام کے وجود سے پاک دیکھنے کا متمنی ہے' بلکہ پاکستان کو بھی ہندوستان کا ایک حصہ قرار دے رہا ہے جو اس سے الگ کر لیا گیا۔ مہاتما گاندھی کے قتل کے بعد ہندوستان میں اس عنصر اور ہندوؤں کے دوسرے عنصر کے درمیان جو ہندوستان کے اندر اور باہر مسلمانوں کے وجود کو گوارا کر لینا اپنی عزت وآزادی لئے ضروری سمجھتا ہے' کشمکش جاری ہے' اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ دونوں میں سے کسے طاقت واقتدار حاصل ہو کر رہے گا۔ ان حالات میں دیکھنا یہ ہے کہ پاکستان اپنے ہاں کتنے ایسے لوگ پیدا کر سکتا ہے جو حقائق وواقعات پر گہرے فکر سے سوچنے' ٹھوس تعمیری کام کرنے' دُور اندیشی سے کام کرنے' کام لینے اور صحیح طور پر سوچنے اور عمل کرنے کی صلاحیتیں رکھتے ہوں' اور جو حب المال اور کراہیۃ الموت کے معائب سے تائب ہو کر دین اسلام اور ملّتِ پاکستان کو معزز اور سربلند بنانے کے لئے دل وجان سے کوشاں ہو جائیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

فہرست کتب

صراط مستقیم پبلی کیشنز

مولانا ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی صاحب

بانی ادارہ صراط مستقیم پاکستان

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	قیمت
1	فہم دین (اوّل تا پنجم)	محمد اشرف آصف جلالی	فی جلد 260
2	غائبانہ جنازہ جائز نہیں	محمد اشرف آصف جلالی	220
3	مفہوم قرآن بدلنے کی واردات (جلد اوّل)	محمد اشرف آصف جلالی	140
4	محاسن اخلاق	محمد اشرف آصف جلالی	100
5	ختم نبوت قرآن وحدیث کی روشنی میں	محمد اشرف آصف جلالی	40
6	میرے لئے اللہ کافی ہے	محمد اشرف آصف جلالی	40
7	حق چار یار	محمد اشرف آصف جلالی	40
8	جنت کی خوشخبری پانے والے دس صحابہ کرام	محمد اشرف آصف جلالی	40
9	فکر آخرت	محمد اشرف آصف جلالی	40
10	ہاں ہم سنی ہیں	محمد اشرف آصف جلالی	40
11	سرکار غوث اعظم اور آپکا آستانہ	محمد اشرف آصف جلالی	40